5



رجالِ قرآن

وہ مردانِ حق جن کے بارے میں قرآن کریم نازل ہوا

دار السلام
DARUSSALAM

ڈاکٹر عبدالرحمٰن عمیرہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

معزز قارئین توجہ فرمائیں!

کتاب وسنت ڈاٹ کام پر دستیاب تمام الیکٹرانک کتب ....

- عام قاری کے مطالعے کے لیے ہیں۔
- مجلس التحقیق الاسلامی کے علمائے کرام کی باقاعدہ تصدیق واجازت کے بعد آپ لوڈ (Upload) کی جاتی ہیں۔
- دعوتی مقاصد کی خاطر ڈاؤن لوڈ، پرنٹ، فوٹوکاپی اور الیکٹرانک ذرائع سے محض مندرجات نشرواشاعت کی مکمل اجازت ہے۔

☆ تنبیہ ☆

- کسی بھی کتاب کو تجارتی یا مادی نفع کے حصول کی خاطر استعمال کرنے کی ممانعت ہے۔
- ان کتب کو تجارتی یا دیگر مادی مقاصد کے لیے استعمال کرنا اخلاقی، قانونی و شرعی جرم ہے۔

﴿اسلامی تعلیمات پر مشتمل کتب متعلقہ ناشرین سے خرید کر تبلیغ دین کی کاوشوں میں بھرپور شرکت اختیار کریں﴾

- نشرواشاعت، کتب کی خرید وفروخت اور کتب کے استعمال سے متعلقہ کسی بھی قسم کی معلومات کے لیے رابطہ فرمائیں۔

kitabosunnat@gmail.com

www.KitaboSunnat.com

رجالِ قرآن

وہ مردانِ حق جن کے بارے میں قرآن کریم نازل ہوا



دارالسلام
کتاب و سنت کی اشاعت کا عالمی ادارہ

سعودی عرب (ہیڈ آفس)

© مکتبة دارالسلام، ١٤٣٥ هـ
فهرسة مكتبة الملك فهد الوطنية أثناء النشر
عميرة، عبدالرحمن
رجال أنزل الله فيهم قرآنا - الجزء الخامس / عبدالرحمن عميرة؛ عبدالولي خان؛ سيف الله لغاري - الرياض، ١٤٣٥ هـ
ص: ٢٧٧ مقاس: ٢١×١٤ سم
ردمك: ٠-٢٧٩-٥٠٠-٦٠٣-٩٧٨
(النص باللغة الاردية)
١ - الصحابة والتابعون ٢ - القرآن - اسباب النزول ٣ - السيرة النبوية أ. خان، عبدالولي (مترجم) ب. لغاري، سيف الله (مترجم) ج. العنوان
ديوي ٢٣٩,٩ ١٤٣٥/٢١٩٠ رقم الإيداع: ١٤٣٥/٢١٩٠
ردمك: ٠-٢٧٩-٥٠٠-٦٠٣-٩٧٨

پرنس عبدالعزیز بن جلاوی سٹریٹ پوسٹ بکس: 22743 الریاض: 11416 سعودی عرب
فون: 00966 1 4043432-4033962 فیکس: 4021659 www.darussalamksa.com
Email: darussalam@awalnet.net.sa info@darussalamksa.com

الریاض • العلیا فون: 00966 1 4614483 فیکس: 4644945 • الملز فون: 00966 1 4735220 فیکس: 4735221
• سویدی فون: 00966 1 4286641 • سویلم فون/فیکس: 00966 1 2860422
جدہ فون: 00966 2 6879254 فیکس: 6336270 مدینہ منورہ فون: 00966 4 8234446,8230038 فیکس: 04 8151121
الخبر فون: 00966 3 8692900 فیکس: 00966 3 8691551 خمیس مشیط فون/فیکس: 00966 7 2207055
ینبع البحر فون: 0500887341 فیکس: 8691551 قصیم (بریدہ) فون: 0503417156 فیکس: 00966 6 3696124

امریکہ • نیویارک فون: 001 718 625 5925 • ہیوسٹن: 001 713 722 0419 کینیڈا • نعیم ابوبکر فون: 001 416 4186619
لندن • دارالسلام انٹرنیشنل لیٹن فون: 0044 20 77252246-0044 20 85394885 • برمنگھم: 0044 0121 7739309
متحدہ عرب امارات • شارجہ فون: 00971 6 5632623 فیکس: 5632624 فرانس فون: 0033 01 480 52928 فیکس: 0033 01 480 52997
انڈیا • دارالسلام چنائی فون: 0091 44 45566249 موبائل: 0091 98841 12041 • اسلامک بکس انٹرنیشنل فون: 0091 22 2373 4180
• ہدی بک ڈسٹری بیوٹرز فون: 0091 40 2451 4892 موبائل: 0091 98493 30850 • ایم اے انٹرنیشنل بک سیلرز اینڈ ڈسٹری بیوٹرز فون: 0091 44 42157847
سری لنکا • دارالکتاب فون: 0094 115 358712 • دارالایمان ٹرسٹ فون: 0094 114 2669197

پاکستان ہیڈ آفس و مرکزی شوروم

لاہور 36-لوئر مال، سیکرٹریٹ سٹاپ لاہور فون: 0092 42 373 240 34,372 400 24,372 32 4 00 فیکس: 042 373 540 72
• غزنی سٹریٹ، اردو بازار لاہور فون: 0092 42 371 200 54 فیکس: 042 373 207 03
• Y بلاک، گول کمرشل مارکیٹ، دکان: 2 (گراؤنڈ فلور) ڈیفنس، لاہور فون: 0092 42 356 926 10
کراچی مین طارق روڈ، ڈالمین مال سے (بہادر آباد کی طرف) دوسری گلی کراچی فون: 0092 21 343 939 36 فیکس: 0092 21 343 939 37
اسلام آباد F-8 مرکز، ایوب مارکیٹ، شاہ ویر سنٹر: 0092 51 22 815 13
info@darussalampk.com | www.darussalampk.com

5



رجالِ قرآن

وہ مردانِ حق جن کے بارے میں قرآن کریم نازل ہوا

ڈاکٹر عبدالرحمٰن عمیرہ

اردو قالب: مولانا عبدالولی خان، حافظ سیف اللہ لغاری

دارالسلام
DARUSSALAM

بسم الله الرحمن الرحيم

١٤٢٠

اللہ کے نام سے (شروع) جو نہایت مہربان، بہت رحم کرنے والا ہے۔



فہرست



عرض ناشر

یہ جون 2012ء کی بات ہے کہ راقم الحروف ریاض کے مشہور اشاعتی ادارے داراللواء للنشر والتوزیع کے شوروم میں گیا۔ مجھے ایک کتاب کی تلاش تھی جو میرے علم کے مطابق اسی ادارے سے ملتی تھی۔ مطلوبہ کتاب ملی یا نہ ملی یہ مجھے اب یاد نہیں مگر مجھے اس ادارے کی شائع شدہ کتاب ''رجال أنزل اللّٰہُ فیھم قرآنا'' نظر آگئی۔ میں کسی زمانے میں اس کتاب کو جستہ جستہ دیکھ چکا تھا۔

میں اس بات پر اللہ کا شکر گزار ہوں کہ مجھے اللہ اور اس کے رسول ﷺ، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور اسلامی تاریخ سے محبت ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ میری ذاتی لائبریری میں تاریخ سے متعلق بہت ساری کتابیں ہیں۔ اگر ہم اسلامی تاریخ کی بات کریں تو اس کا کوئی صفحہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ذکر سے خالی نہیں۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا نام آتے ہی وہ سنہرا دور آنکھوں کے سامنے آجاتا ہے جب اللہ کے رسول ﷺ کے زیر تربیت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اللہ اور اس کے رسول ﷺ کو راضی کرنے کے لیے اپنی زندگیاں دین پر فدا کر گئے تھے۔ صحابہ کرام نے جس طرح اللہ اور اس کے محبوب ﷺ کی اطاعت اور فرمانبرداری کی اور اس کے لیے قربانیاں دیں تاریخ ان کی مثال دینے سے قاصر ہے۔ صحابہ کرام ان اوقات کی تلاش میں رہتے تھے

کہ کب انھیں وقت ملے اور وہ اللہ کے رسول ﷺ کو راضی کریں۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں بعض ایسی خوش قسمت شخصیات بھی تھیں کہ جن کے افعال اور اعمال کا تذکرہ اللہ رب العزت کو اتنا پسند آیا کہ ان کا ذکر قرآن کریم میں کر دیا۔

قرآن کریم بلاشبہ دنیا میں سب سے زیادہ پڑھی جانے والی کتاب ہے۔ دنیا کا کونسا ایسا ملک ہوگا جس میں مسلمان نہ بستے ہوں؟ اور جہاں مسلمان ہوں گے وہاں قرآن ہوگا اور قرآن کریم میں ان صحابہ کرام کا تذکرہ ہوگا جن کا ذکر اللہ تعالیٰ نے اپنی مقدس کتاب میں کیا ہے۔

آج کے اس پرفتن دور میں جبکہ نوجوان نسل بتدریج اسلام سے دور ہو رہی ہے، اس بات کی اشد ضرورت ہے کہ ہم اپنے نوجوانوں کو اپنے اسلاف کی سیرت پڑھائیں، وہ اسے سنیں اور جانیں کہ ان کی زندگیاں کیسی تھیں، ان کے اخلاق و کردار کیسے تھے اور انھوں نے اسلام کے لیے کتنی قربانیاں پیش کیں۔

میں دار اللواء سے باہر نکلا تو میرے ہاتھ میں ''رِجَالٌ أَنزَلَ اللّٰهُ فِيهِمْ قُرآنًا'' کا 7 جلدوں پر مشتمل مکمل سیٹ تھا۔ میں نے اسے جستہ جستہ پڑھا۔ یہ تو نہیں کہوں گا کہ تمام جلدیں پڑھیں مگر مجھے اس کتاب کے فاضل مؤلف ڈاکٹر عبدالرحمن عمیرہ کا اسلوب بیان بڑا عمدہ لگا۔ انھوں نے بالکل کہانی کے انداز میں ان صحابہ کرام کی سیرت اس کتاب میں بیان کی ہے جن کے بارے میں قرآن کریم میں آیات نازل ہوئی ہیں۔ انھوں نے اس کتاب میں صحابہ کرام ہی نہیں بلکہ ان کفار کے بارے میں بھی پوری تفصیل کے ساتھ لکھا ہے جن کے بارے میں قرآن نازل ہوا۔

کتاب میں موجود واقعات تاریخ کی مستند کتابوں سے نقل کیے گئے ہیں، ممکن ہے کہ مجھے اور ہمارے قارئین کو ان کی بعض باتوں اور بعض واقعات سے اختلاف ہو مگر بہر حال ان واقعات اور صحابہ کرام کی مبارک زندگیوں میں ہمارے لیے دروس ہیں۔ ڈاکٹر عبدالرحمن عمیرہ

نے قلم اٹھایا تو اچھے اور برے لوگوں کی قلمی تصویریں کھینچ دیں۔ ذرا ان تصویروں پر نظر ڈالیے کہ صحابہ کرام کی تصاویر اتنی دلربا ہیں کہ انھیں دیکھ کر انسان نیکی کا متوالا بن جاتا ہے۔

یوں تو تمام کفار نے اللہ اور رسول ﷺ کی مخالفت کی اور اسلام کے خلاف ریشہ دوانیوں میں ملوث رہے اور اسلام کے خلاف سازشیں کرتے رہے مگر کتنے ہی کافر اور منافق ایسے بھی تھے کہ جن کا کام ہی یہ تھا کہ وہ ہروقت اسلام کے خلاف منصوبہ بندی کرتے رہتے۔ ایسے کافروں اور منافقوں کے بارے میں بھی اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں آیات نازل کیں۔ فاضل مؤلف نے سلسلۂ کتاب میں ان کافروں اور منافقین کے بارے میں بھی تفصیل سے لکھا ہے کہ انھوں نے کیا اور کیسی سازشیں کیں اور اللہ تعالیٰ نے کیسے قرآن کریم میں ان کی سازشوں کو بے نقاب کیا۔

بلاشبہ ان واقعات میں امت مسلمہ کے لیے بطور خاص اور انسانیت کے لیے بالعموم کتنے ہی دروس اور عبرتیں ہیں۔

دارالسلام نے اپنے اصول کے مطابق اس کتاب کے پبلشر داراللواء کے ساتھ ترجمہ کے حقوق کی بات کی۔ اور ایک خطیر رقم کے عوض ہم اس کتاب کے مختلف زبانوں میں ترجمے کے حقوق حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئے۔

مجھے امید ہے کہ ہمارے قارئین کو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی سیرت کا یہ نیا اسلوب پسند آئے گا۔ اس ضمن میں وہ قرآن مجید کے بہت سے اسباب نزول سے بھی آگاہ ہوں گے، فہمِ قرآن کے سلسلے میں بھی انھیں مدد ملے گی اور تاریخ کے گمنام گوشوں سے بھی وہ گزریں گے۔

میں نے پہلے عرض کیا کہ میرے سامنے دارالسلام کی کتب کا انتخاب کرتے وقت زیادہ تر ہماری نوجوان نسل بطور خاص کالجوں اور یونیورسٹیوں کے طلباء اور طالبات ہوتے ہیں۔ ہم اپنی ان کتب میں ان کے لیے یقیناً بہت سا مواد ایسے سادہ اور دلکش

پیرائے میں پیش کرتے ہیں کہ یہ واقعات ان کے دلوں میں اتر جائیں اور ان کی کردارسازی میں مدد کریں۔ اور ان کے لیے یہ کتب راہنما اصول بن جائیں۔

اللہ کے رسول ﷺ کی بعثت کا ایک مقصد یہ بھی تھا کہ آپ ﷺ لوگوں کی تعلیم وتربیت کے ساتھ ساتھ ان کا تزکیۂ نفس کریں۔ میں کئی مرتبہ سوچتا ہوں کہ کتنی زبردست تربیت اور تزکیۂ نفس تھا کہ ایک شخص صبح اسلام قبول کرتا ہے تو شام تک اس میں اسلامی عقیدہ راسخ ہوجاتا ہے، وہ توحید کا علمبردار اور امن کا داعی بن جاتا ہے، اس کی اخلاقی اور روحانی تربیت فوراً ہوجاتی ہے اور وہ معاشرے کا ایک مثالی فرد بن جاتا ہے۔ اسلام کا سرفروش سپاہی اور مجاہد بن جاتا ہے۔

کتابوں کا یہ سلسلہ خواہ وہ صحابہ کرام سے تعلق رکھتا ہو یا کفار مکہ اور منافقین کے احوال سے متعلق ہو، امت مسلمہ کے لیے راہنما اصول مہیا کرتا ہے۔ مجھے امید ہے کہ اس سلسلے کو اسکولوں، کالجوں اور حلقۂ دروس سے منسلک احباب اور ائمہ مساجد، خطباء، سیاستدان، تاجر، وکلاء، جج، ادباء اور سول سروس کے ملازمین کے علاوہ عام شہری، خواہ مرد ہوں یا معزز خواتین، خوب پسند کریں گے اور اس سے بھرپور استفادہ کریں گے۔ ان شاء اللّٰہ

اللہ رب العزت سے دعا کرتا ہوں کہ وہ اس کتاب کے فاضل مؤلف، مترجم، ناشر اور دیگر معاونین کی کوششوں کو قبول فرمائے۔ اس سلسلے کو مقبول عام بنائے اور ہماری نجات کا ذریعہ بنائے۔ آمین ثم آمین۔ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ

محبکم

عبدالمالک مجاہد

مینیجنگ ڈائریکٹر دارالسلام، الریاض، لاہور

فروری 2013ء

ربیع الاول 1434ھ

مقدمہ

الحمد للّٰه رب العالمين والصلاة والسلام على أشرف الخلق والمرسلين محمد بن عبدالله خاتم الأنبياء وعلى آله وصحبه أجمعين.

اما بعد! سب سے پہلے اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ حق کو میرے تمام اعمال کا مقصد و ہدف بنائے، سچائی اور اخلاص کو میری مستقل عادت بنائے اور قرآن کو میرے لیے حجت بنائے۔ میں اللہ تعالیٰ کو اپنا رب، اسلام کو اپنا دین اور محمد کریم ﷺ کو اپنا نبی و رسول تسلیم کرتا ہوں۔

قرآن کریم کے نزول کا ایک مقصد لوگوں کی ایک جماعت کی تربیت ہے تاکہ وہ جماعت پوری انسانیت کے سامنے اس دین حنیف کی بھرپور طریقے سے نشر و اشاعت کرے اور ان کی ایسی تربیت کرے جو فطرت انسانی کے عین موافق ہو اور ہر لحہ نفس انسانی کے ساتھ چمٹی اور جڑی رہے۔ وہ ایسی تربیت ہو کہ جس فطرت پر اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو پیدا فرمایا ہے، اس سے ذرہ بھر بھی دور نہ ہو۔

یہ قرآن جو اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا ہے زمین پر اللہ کے خلیفہ انسان کی تربیت و راہنمائی کرتا ہے۔ اس کی روح، جسم، عقل، دل سب کی تربیت کرتا ہے اور اس کا

اخلاق و کردار سنوارتا ہے۔ تربیت کرتے ہوئے یہ اسے اعلیٰ منازل تک رسائی دلاتا ہے اور اپنے تصور کے مطابق اسے ایک کامل انسان بنا دیتا ہے۔ اس کے اندر ایک ایسی فطری طاقت بھر دیتا ہے کہ کائنات اس کے سامنے مسخر ہو جاتی ہے اور یوں وہ اللہ تعالیٰ کا خلیفہ ثابت ہوتا ہے۔ یہ طاقت نہ تو کمزور ہوتی ہے اور نہ ہی سستی و کاہلی کا شکار ہوتی ہے بلکہ اللہ بلند و برتر کی نصرت و مدد سے احداث کا ڈٹ کر مقابلہ کرتی ہے۔ اللہ، اس کے دین اور انسانیت کے دشمنوں سے جہاد کرتی ہے۔ اور ایسے انسان کو اللہ کی نصرت کا کامل یقین ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَلَيَنْصُرَنَّ اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ ۗ اِنَّ اللّٰهَ لَقَوِيٌّ عَزِيْزٌ ۝﴾

”اور اللہ ان کی مدد ضرور کرتا ہے جو اللہ (کے دین) کی مدد کرتے ہیں۔ بے شک اللہ قوی اور غالب ہے۔“ [1]

قرآن کو لمحہ بہ لمحہ نازل کرنے کی ایک حکمت یہ بھی تھی کہ آپ ﷺ کا اور مومنین کا حوصلہ بلند ہوتا رہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَقُرْاٰنًا فَرَقْنٰهُ لِتَقْرَاَهٗ عَلَى النَّاسِ عَلٰى مُكْثٍ وَّنَزَّلْنٰهُ تَنْزِيْلًا ۝﴾

”ہم نے قرآن کو وقفے وقفے سے نازل کیا ہے تا کہ آپ لوگوں کو ٹھہر ٹھہر کے سنائیں اور ہم نے یہ قرآن آہستہ آہستہ نازل کیا ہے۔“ [2]

قرآن پاک تھوڑا تھوڑا کر کے نازل کیا گیا تا کہ اس پر خوب غور وخوض کیا جائے، اس کی تعلیمات پر عمل ہو سکے اور بشریت کے لیے یہ ایک منہج، دستور اور قائد بنے۔ انسان جب راہ حق سے دور ہو تو یہ اس کی راہنمائی کرے، اگر خطا کرے تو اسے آگاہ

[1] الحج 22:40. [2] بنی اسرائیل 17:106.

کرے اور زندگی کی مشکل اور تاریک راہ میں اس کا ہاتھ پکڑ کر اسے اس کی منزل تک لے جائے۔

اسلام کا ہراول دستہ، یعنی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے ہر فرد یہ سمجھتا تھا کہ اللہ تعالیٰ ہمیں دیکھ اور سن رہا ہے بلکہ ہماری ہر حرکت اور نیت سے بخوبی آگاہ ہے اور وہ سب اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر بذریعۂ وحی عیاں کر سکتا ہے، لہٰذا جب کوئی معاملہ پیش آتا یا انھیں کوئی مشکل درپیش ہوتی تو وہ انتظار کرتے کہ عنقریب آسمان کے دروازے کھلیں گے اور اللہ تعالیٰ اس مسئلہ کے حل کے لیے ضرور قرآن نازل فرمائے گا۔

جامع ترمذی میں سیدنا معقل بن یسار رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں اپنی بہن کی شادی ایک آدمی سے کر دی۔ جتنا عرصہ اللہ تعالیٰ کو منظور تھا وہ اس کے پاس رہی، پھر اس شخص نے اسے طلاق دے دی اور رجوع بھی نہ کیا حتی کہ عدت ختم ہوگئی۔ پھر دوبارہ وہ ایک دوسرے کی طرف مائل ہو گئے، چنانچہ اس آدمی نے نکاح کا پیغام بھیجنے والوں کے ساتھ اپنا پیغام بھی بھیج دیا۔ معقل بن یسار رضی اللہ عنہ کہنے لگے: میں نے اپنی بہن تجھے دے کر تجھے عزت دی تھی مگر تو نے اسے طلاق دے دی۔ اللہ کی قسم! اب میں تمھارا دوبارہ نکاح نہیں ہونے دوں گا۔

لیکن اللہ تعالیٰ نے (میاں بیوی) دونوں کی حاجت کو جان لیا تھا، اس لیے درج ذیل آیت نازل فرما دی:

﴿وَإِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ فَبَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ فَلَا تَعْضُلُوهُنَّ أَنْ يَنْكِحْنَ أَزْوَاجَهُنَّ إِذَا تَرَاضَوْا بَيْنَهُمْ بِالْمَعْرُوفِ ۗ ذَٰلِكَ يُوعَظُ بِهِ مَنْ كَانَ مِنْكُمْ

يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ۭ ذٰلِكُمْ اَزْكٰى لَكُمْ وَاَطْهَرُ ۭ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ﴾

''اور جب تم اپنی عورتوں کو طلاق دو پھر وہ اپنی عدت کو پہنچ جائیں تو تم انھیں منع نہ کرو کہ وہ اپنے (پہلے) خاوندوں سے (دوبارہ) نکاح کریں جبکہ وہ آپس میں معروف طریقے سے راضی ہوں۔ اس بات کی نصیحت کی جاتی ہے تم میں سے ہر اس شخص کو جو اللہ اور روزِ قیامت پر ایمان رکھتا ہے۔ یہ تمھارے لیے زیادہ پاکی اور پاکیزگی والی بات ہے اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔'' [1]

جب معقل رضی اللہ عنہ نے یہ آیت سنی تو فوراً کہا: میں اپنے رب کی اطاعت و فرماں برداری کروں گا۔ پھر اس آدمی کو بلایا اور کہا: میں اپنی بہن کا نکاح تم سے کرتا ہوں اور تمھیں عزت دیتا ہوں۔ [2]

اب بتائیے یہ عمل کس بات کی وضاحت کرتا ہے؟

کس چیز پر دلالت کرتا ہے؟

یہ عمل فی الفور اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل پر دلالت کرتا ہے اور اپنی خواہش کو چھوڑ کر اللہ تعالیٰ کے حکم پر بغیر کسی کمی بیشی کے عمل کرنے پر دلالت کرتا ہے۔

جاہلیت میں عورت مردوں کے سامنے سے اس حال میں گزرتی کہ اس کا سینہ ننگا ہوتا اور اکثر اوقات اس کی گردن ظاہر ہوتی، اس کی مینڈھیاں اور کانوں کی بالیاں نظر آ رہی ہوتی تھیں۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ اس وقت معاشرتی قانون کے مطابق یہ حرام نہیں تھا۔ لیکن بعد میں اللہ تعالیٰ کا یہ حکم نازل ہو گیا:

[1] البقرة 2:232. [2] سنن أبي داود، حديث:2087، و جامع الترمذي، حديث:2981.

﴿ وَقُل لِّلْمُؤْمِنَٰتِ يَغْضُضْنَ مِنْ أَبْصَٰرِهِنَّ وَيَحْفَظْنَ فُرُوجَهُنَّ وَلَا يُبْدِينَ زِينَتَهُنَّ إِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا ۖ وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلَىٰ جُيُوبِهِنَّ ﴾

''اور (اے نبی!) کہہ دیجیے مومن عورتوں سے کہ وہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں اور اپنی زینت ظاہر نہ کریں ماسوائے اس کے جو (ازخود) اس میں سے ظاہر ہو اور وہ اپنے آنچل اپنے سینوں پر ڈالے رکھیں۔''[1]

جب یہ آیت نازل ہوئی تو مومن عورتوں نے فوراً اس حکم کی تعمیل کی اور کسی ایک نے بھی اس سے روگردانی نہیں کی۔

صفیہ بنت شیبہ بیان کرتی ہیں کہ ایک دفعہ ہم سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس بیٹھی ہوئی تھیں کہ انھوں نے قریش کی عورتوں کا تذکرہ کیا اور ان کی فضیلت بیان کی۔ انھوں نے کہا: بے شک قریش کی عورتوں کی ایک فضیلت ہے۔ اللہ کی قسم! میں نے انصار کی عورتوں سے بڑھ کر فضیلت والا کسی کو نہیں دیکھا۔ یہ عورتیں سب سے زیادہ کتاب اللہ کی تصدیق کرنے والی ہیں۔ جب سورۂ نور کی آیت: ﴿ وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلَىٰ جُيُوبِهِنَّ ﴾ نازل ہوئی تو ان عورتوں نے اس پر بھرپور ایمان کا اظہار کیا اور اس پر مکمل عمل کیا۔ ان کے آدمیوں نے یہ آیت اپنی بیوی، بہن، بیٹی اور دوسری قریبی خواتین کو پڑھ کر سنائی۔ جونہی انھوں نے یہ آیت سنی تو ایک عورت اللہ کے حکم کی تصدیق کرتی اور اس پر ایمان لاتے ہوئے فوراً اٹھی، اپنی بڑی چادر اٹھائی اور اپنے آپ کو اس کے اندر ڈھانپ لیا۔ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اپنے آپ کو اس طرح ڈھانپے ہوئی تھیں جیسے ان کے سروں پر کوے بیٹھے ہوں۔[2]

قرآن کے کلمات جس طرح ان کے لیے ایک منہج تھے ہمارے لیے بھی ایک دستور

---

[1] النور 31:24. [2] سنن أبي داود، حديث:4100، 4101، وغاية المرام في تخريج أحاديث الحلال و الحرام للألباني، حديث:483.

اور منہج کی حیثیت رکھتے ہیں۔ ہم مسلمانوں کو بغیر پس و پیش اور لیت ولعل کے قرآن پر عمل پیرا ہو جانا چاہیے۔ اور عمل کرنے کے لیے اسی طرح جلدی کرنی چاہیے جس طرح ایک ماتحت اپنے افسر کمانڈر کے حکم کی تعمیل میں جلدی کرتا ہے۔

یہ کتاب «رجال أنزل الله فيهم قرآنا» ہمارے لیے ان اربابِ خیر کا نمونہ سامنے رکھتی ہے جن کی موجودگی میں قرآن نازل ہوتا تھا جس میں ان کے عمل کی وضاحت، یا کسی مسئلے کا بیان ہوتا یا توبہ کرنے والے کی توبہ کی قبولیت کی بشارت ہوتی۔

قرآن کریم ہر خاص و عام اور ہر زمانے کے افراد کے لیے نازل ہوا ہے، اس لیے ضروری ہے کہ ہم ان قرون اولیٰ کے مردوں اور عورتوں کا تذکرہ آج کے اس دور کے مردوں اور عورتوں کے سامنے کریں تاکہ وہ عظیم لوگ ہمارے لیے مشعل راہ بن سکیں کہ جن کے دل ایمان سے بھر گئے تھے اور اس نورِ ایمان نے ان کے سامنے خیر و فلاح کی راہ روشن کر دی تھی۔ قرآن ایک بے مثال سبق ہے جس کے ذریعے ہم اس امت کے نوجوانوں کے لیے ایک مقصدِ حیات واضح کر سکتے ہیں تاکہ یہ قرآن ان کے لیے ایک دستور اور منہج بن جائے۔

یہ مطالعہ دو زمانوں، یعنی ایک عہد رسالت کے زریں دور اور دوسرے ہمارے موجودہ پرفتن، ترقی یافتہ اور ٹیکنالوجی کے دور کو آپس میں جوڑے گا۔ آج ایسا ترقی اور ٹیکنالوجی کا دور ہے کہ جس پر غور کرنے سے سر چکرا جاتا اور دلوں پر دہشت طاری ہو جاتی ہے...... لیکن اُس اولین دور اور موجودہ دور کے لوگوں میں صدیاں گزرنے کے باوجود کافی مشابہت پائی جاتی ہے، مثلاً: عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما ہمیشہ ایسے فتنوں سے، جو مسلمانوں کی وحدت کو پارہ پارہ کر دیں، پناہ مانگتے تھے۔ لیکن وہ فتنے پھر بھی واقع ہو

کر رہے۔ آج مسلمان انھی فتنوں میں مبتلا ہیں اور فرقوں میں بٹے ہوئے ہیں، ان کے مابین وحدت و اتحاد نام کی کوئی شے نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہر وہ شخص جو قرآن کا مطالعہ کرتا ہے یا اسے قرآنی علوم پر دسترس حاصل ہے وہ یہ سمجھتا ہے کہ جس طرح قرآن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے لیے مشعلِ راہ اور عقدہ کشا تھا بالکل اسی طرح یہ آج بھی مسلمانوں کے مسائل کا حل اور ان کی تمام بیماریوں کا علاج ہے، اس لیے کہ قرآن حکمت والی، باخبر ذات کی طرف سے نازل ہوا ہے۔

﴿ اَلَا یَعْلَمُ مَنْ خَلَقَ وَھُوَ اللَّطِیْفُ الْخَبِیْرُ ۝﴾

"بھلا وہ نہ جانے گا جس نے (سب کو) پیدا کیا اور وہی باریک بین، باخبر ہے۔"[1]

اس کتاب میں ہم قرآن کے اس منہج اور طریقے کا تذکرہ کریں گے جس کے ذریعے وہ مَردوں کو تیار کرتا ہے، ہم دورِ حاضر کے لوگوں کی توجہ اس کتاب اللہ کی طرف مبذول کرائیں گے۔ اگر ہمیں توفیق مل گئی تو یہ اللہ کی طرف سے ہوگی۔ اگر ہماری اس کتاب کا مقصد اس طرح پورا نہ ہوا جس طرح ہم چاہتے ہیں تو ہمارے لیے اتنا کافی ہے کہ ہم اسلامی دلوں تک قرآن کی آواز پہنچانے اور مسلمانوں کی راہ میں ایک روشن چراغ رکھنے میں کامیاب ہوئے۔

﴿وَمَنْ اَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّنْ دَعَآ اِلَى اللّٰهِ وَعَمِلَ صَالِحًا وَّقَالَ اِنَّنِیْ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ ۝﴾

"اور اس شخص سے زیادہ اچھی بات کس کی ہو سکتی ہے جس نے (لوگوں کو) اللہ کی طرف بلایا اور نیک عمل کیے اور کہا: بے شک میں تو فرماں برداروں میں

[1] الملك 67:14.

سے ہوں۔'' [1]

دکتور عبدالرحمٰن عمیرہ

استاذ جامعہ امام محمد سعود اسلامیہ

[1] حٰمٓ السجدۃ 41:33.



پہلی آیت

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

﴿إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَالَّذِينَ هَادُوا وَالنَّصَارَىٰ وَالصَّابِئِينَ مَنْ آمَنَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَهُمْ أَجْرُهُمْ عِندَ رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ﴾

”بے شک جو لوگ ایمان لائے، اور جو یہودی، عیسائی اور صابی (بے دین) ہوئے، ان میں سے جو بھی اللہ پر اور یوم آخرت پر ایمان لایا اور نیک عمل کیے تو ان کا اجر ان کے رب کے پاس ہے اور ان پر نہ تو کوئی خوف ہوگا اور نہ ہی اداسی۔“[1]

[1] البقرۃ 2:62.

نزول آیات کے متعلق علمائے کرام کے اقوال

امام طبری رحمہ اللہ اپنی تفسیر میں فرماتے ہیں: ''یہ آیت سیدنا سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کے متعلق نازل ہوئی تھی۔'' (تفسیر الطبري: 2/150-154)

مزید دیکھیے:

الدر المنثور: 1/73، 74.

أسباب نزول القرآن للواحدي، ص: 23.

آیئے! سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کا ذکر خیر کرتے ہیں۔

سیدنا سلمان فارسی رضی اللہ عنہ

سیدنا سلمان فارسی رضی اللہ عنہ ابن الاسلام کے نام سے معروف تھے اور آپ کا شمار اہل بیت میں ہوتا تھا جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: «سَلْمَانُ مِنَّا أَهْلَ الْبَيْتِ» ''سلمان ہم اہل بیت میں سے ہیں۔''[1] صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے درمیان آپ ''سلمانِ الخیر'' کے نام سے معروف تھے۔

سیدنا کعب احبار رضی اللہ عنہ ان کے متعلق فرماتے ہیں: ''سلمان (رضی اللہ عنہ) علم و حکمت سے بھرے ہوئے ہیں۔''[2]

سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کے متعلق پوچھا گیا تو انھوں نے فرمایا: ''سلمان اول و آخر تمام علوم کے عالم ہیں اور بحرِ بیکراں ہیں اور وہ ہمارے اہل بیت میں سے ہیں۔''[3]

آپ کا تعلق ایران کے شہر رام ہرمز سے تھا جو خزانوں سے بھرا ہوا شہر ہے جس میں خوبصورت باغات اور کھیت ہیں۔ یہ وہی شہر ہے جس کے فتح ہونے کی خوشخبری رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو دی تھی۔ آپ رضی اللہ عنہ اس شہر کی ایک بستی ''جی'' میں پیدا

---

[1] السلسلة الضعيفة، حديث: 3704. [2] الاستيعاب في معرفة الأصحاب: 634/3. [3] حلية الأولياء لأبي نعيم: 188/1.

ہوئے تھے۔ آپ نے ایک دل لبھانے اور فریفتہ کرنے والے ماحول میں اپنی آنکھیں کھولیں۔ اس علاقے میں وافر مقدار میں ریشم بھی پایا جاتا تھا۔

سیدنا سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کی والدہ کے بارے میں تاریخ بالکل خاموش ہے۔ آپ کے والد اپنی بستی کے ماہر کسان تھے اور زمین کے خصائص کو جانتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ آپ ایک اچھی فصل تیار کرتے اور بے حد روپیہ کماتے تھے۔ بہت انتظار کے بعد اللہ تعالیٰ نے انھیں سلمان جیسا ہونہار لخت جگر عطا کیا۔ اپنے بیٹے سے انھیں محبت تھی، وہ انھیں جان و مال سے زیادہ عزیز تھا۔ انھوں نے بیٹے کو زندگی کی تمام آسائشیں فراہم کیں۔ وہ مجوسی تھے، اس لیے انھوں نے انھیں ایک خادم بھی دیا جوان کے لیے آگ جلاتا تھا۔ پورے گھر میں آگ روشن رہتی تھی، کبھی بجھتی نہ تھی۔

سلمان رضی اللہ عنہ اپنی مقدس آگ کے لیے ایندھن لاتے، اس کے شعلوں کے بارے میں غور و فکر کرتے اور اس کی آواز سنتے تھے۔

سیدنا سلمان فارسی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: ''میرے والد صاحب کے بڑے بڑے کھیت تھے۔ ایک دفعہ وہ اپنے گھر کی تعمیر میں مصروف ہوئے تو مجھے کہا: بیٹا! آج میں گھر بنانے میں مصروف ہوں، لہٰذا تم کھیتوں کا چکر لگا آؤ۔ اور وہاں جو ضروری کام کاج ہوتے تھے وہ کرنے کو کہا، پھر مجھے تنبیہ کرتے ہوئے کہا: میری آنکھوں سے زیادہ دیر دور نہ رہنا کیونکہ جب تم مجھ سے زیادہ دیر دور رہتے ہو تو مجھے کھیتوں کے بجائے تمھاری فکر لاحق ہو جاتی ہے اور اس فکر کی وجہ سے مجھ سے کوئی کام نہیں ہو پاتا۔''[1]

سیدنا سلمان فارسی رضی اللہ عنہ گھر سے نکلے۔ لوگوں کی چہل پہل دیکھتے ہوئے اپنے

[1] الطبقات لابن سعد: 4/ 76.

کھیتوں کی طرف روانہ ہوئے۔ راستے میں انھوں نے کچھ عجیب آوازیں سنیں۔ یہ آوازیں انھوں نے پہلے نہیں سنیں تھیں۔ ایک چرچ میں بڑی خوش الحانی اور بڑے پیارے انداز سے قراءت ہو رہی تھی اور ساتھ ساتھ سیٹیاں بھی بج رہی تھیں۔ ان کے دل میں ان آوازوں کی حقیقت جاننے کا شوق پیدا ہوا۔ شہر میں بہت سارے معبد خانے تھے لیکن اس طرح کی آواز صرف اسی ایک چرچ سے آ رہی تھی۔

سیدنا سلمان فارسی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ''جب میں نے ان کی آوازیں سنیں تو میں اندر داخل ہو گیا کہ دیکھوں وہ کیا کر رہے ہیں۔ جب میں نے انھیں دیکھا تو مجھے ان کی عبادت پسند آئی۔ اور میں نے اپنے دل میں کہا: اللہ کی قسم! یہ ہمارے دین سے بہتر ہے۔ میں وہیں رکا رہا حتی کہ سورج غروب ہو گیا۔ میں کھیتوں کی طرف گیا ہی نہیں۔ میں نے ان سے پوچھا: اس دین کی اصل کہاں سے ہے؟''[1]

حق کو تلاش کرنے والی مقدس روحیں ایسی ہی ہوا کرتی ہیں۔ وہ حق کی پہلی شعاع ہی پہچان لیتی ہیں اور اس کے پیچھے چل کر منبع نور تک رسائی حاصل کر لیتی ہیں۔ وہ کلمات جو انھوں نے ان عبادت کرنے والوں سے سنے، ایسی روشنی ثابت ہوئے جس نے ان کی آنکھیں کھول دیں اور دل منور کر دیا۔ انھوں نے جان لیا کہ جس دین پر ان کے والد اور ان کی قوم ہے، وہ لائق اتباع نہیں، نہ یہ اللہ تعالیٰ کا پسندیدہ دین ہے۔ شام کو جب وہ اپنے والد محترم کے پاس آئے تو وہ نظریات نہیں تھے جو وہ صبح لے کر گھر سے نکلے تھے۔ اب ان کے تیور بدلے ہوئے تھے۔ آنکھوں میں حیرت اور ہونٹوں پر سوالوں کی لمبی لائن تھی۔

[1] السيرة النبوية لابن هشام: 1/234.

سیدنا سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کے والد نے یہ سب کچھ بھانپ لیا، پوچھا: اتنی دیر کہاں تھے؟ کیا میں نے تم سے وعدہ نہیں لیا تھا کہ تم جلدی آجانا؟ سلمان رضی اللہ عنہ نے عرض کی: ''ابا جان! میں عیسائیوں کے ایک چرچ کے پاس سے گزرا۔ وہ نماز پڑھ رہے تھے۔ مجھے ان کا دین بہت پسند آیا۔ میں وہیں رکا رہا حتی کہ سورج غروب ہو گیا۔''

سلمان رضی اللہ عنہ کے والد نے کہا: میرے پیارے بیٹے! اس دین میں کوئی بھلائی نہیں ہے۔ تیرا اور تیرے باپ دادا کا دین اس سے کئی درجے بہتر ہے۔ سلمان نے کہا: ''ابا جان! آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے کہ وہ دین ہمارے دین سے کہیں بہتر ہے۔''[1]

آپ جس دین سے بہتری کی آس لگائے بیٹھے ہیں وہ کسی کام کا نہیں۔

تو جس چراغ سے بیٹھا ہے لو لگائے ہوئے
وہی چراغ اندھیرے میں رکھ رہا ہے تجھے

یہیں سے باپ اور بیٹے کے درمیان اختلاف شروع ہو جاتا ہے۔ باپ کو بیٹا تمام لوگوں سے بڑھ کر محبوب ہے۔ باپ وہ ہے جس نے جب سے ہوش سنبھالا، اپنے باپ دادا کو اسی آگ پر جھکتے ہوئے پایا، وہ آگ کے سامنے جھکتے اور اس کا قرب حاصل کرتے، سفر و حضر میں اس سے مشورہ کرتے۔ باپ نے کبھی اس بارے میں اپنی عقل پر زور نہیں دیا کہ یہ تو وہی آگ ہے جسے وہ خود بھڑکاتے ہیں۔ یہ چاہیں تو اس کو بجھا بھی دیں اور اگر کوئی ایندھن نہ ڈالے تو یہ خود ہی ٹھنڈی پڑ جائے گی، لہٰذا یہ معبود کیسے ہو سکتی ہے؟

جبکہ بیٹا وہ ہے جس کی بصیرت کو اللہ نے روشن کر دیا ہے، وہ اپنی عقل کو کام میں

[1] الطبقات لابن سعد: 4/76، والسیرة النبویة لابن هشام: 1/235.

لا رہا ہے۔ اس کی عقل نے اس کی راہنمائی کی ہے کہ یہ آگ جس کے سامنے وہ کئی کئی دن اور راتیں بیٹھا رہتا ہے، یہ بھی اللہ تعالیٰ کی مخلوقات میں سے ہے کیونکہ ہر چیز کا پیدا کرنے والا صرف اللہ تعالیٰ ہے۔

سیدنا سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے حق کی تلاش کے لیے اللہ تعالیٰ کے راستے میں ہجرت کرنے کے بارے میں غور وفکر کرنا شروع کر دیا، ہمیشہ مسافروں اور تجارتی قافلوں کے انتظار میں رہنے لگے۔ سلمان فارسی فرماتے ہیں: آخر کار وہ موقع آ گیا۔ ایک قافلہ شام کی طرف جا رہا تھا۔ پس میں نے اپنے پاؤں میں پڑی بیڑیاں اتار دیں جو میرے والد نے ڈالی تھیں اور میں قافلے کے ساتھ مل کر شام پہنچ گیا۔ میں نے لوگوں سے اس دین (عیسائیت) کے سب سے بڑے عالم کے بارے میں پوچھا تو انھوں نے کہا کہ وہ گرجا گھر میں موجود ہے۔ میں اس کے پاس گیا اور کہا: ''میں اس دین کو پسند کرتا ہوں، اس لیے میں چاہتا ہوں کہ آپ کے ساتھ رہوں، میں آپ کی خدمت بھی کروں گا، دین بھی سیکھوں گا اور عبادت بھی کروں گا۔'' اس نے کہا: ''اندر آ جاؤ۔'' چنانچہ میں اندر داخل ہو گیا۔

یہ پادری ایک بے عمل اور برا آدمی تھا۔ لوگوں کو صدقہ و خیرات کا حکم دیتا۔ اور جب وہ صدقہ خیرات جمع کر کے لاتے تو یہ اسے اپنے پاس محفوظ کر کے رکھ لیتا، مساکین اور غرباء کو کچھ نہ دیتا۔ اس طرح اس نے سونے اور چاندی کے سات مٹکے بھر لیے تھے۔ سلمان فارسی فرماتے ہیں کہ اس کے ایسا کرنے پر مجھے شدید غصہ آتا تھا، یوں مجھے اس سے نفرت ہونے لگی، پھر وہ مر گیا۔[1]

[1] السيرة النبوية لابن هشام: 1/235.

یہ مبلغین اور داعیوں میں سے ایک تھا۔ زندگی کے ہر میدان اور ہر زمان و مکان میں اس قسم کے لیڈر اور راہنما موجود ہوتے ہیں جو لوگوں سے حقائق چھپاتے ہیں اور اپنی خواہشات و مقاصد کے لیے غلط بیانی سے کام لیتے ہیں۔ دین میں اگر کوئی ایسا داعی ہو تو یہ سب سے بدترین صورت ہوگی۔

سیدنا سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے اپنی عقل و شعور کی بنا پر اس منافق داعی کو پہچان لیا تھا، چنانچہ جب اس پادری کو دفن کرنے کے لیے لوگ قریب ہوئے تو انھوں نے حقیقت کشائی کرتے ہوئے کہا: ''یہ بہت برا آدمی تھا۔ تمھیں صدقہ کرنے کا حکم دیتا تھا اور اس کی ترغیب دلاتا تھا لیکن جب تم اس کے لیے خزانہ جمع کر کے لاتے تھے تو یہ اسے اپنے لیے خاص کر لیتا تھا۔'' پھر انھوں نے اس کے خزانے کی نشاندہی کی تو لوگوں نے اس پادری کے سونے اور چاندی سے بھرے ہوئے مٹکے نکالے۔ [1]

قرآن کریم نے ان جیسے لوگوں کو مخاطب کرتے ہوئے کہا ہے:

﴿ يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ الْاَحْبَارِ وَالرُّهْبَانِ لَيَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ وَيَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۗ وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنْفِقُوْنَهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ۝ يَّوْمَ يُحْمٰى عَلَيْهَا فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ فَتُكْوٰى بِهَا جِبَاهُهُمْ وَجُنُوْبُهُمْ وَظُهُوْرُهُمْ ۭ هٰذَا مَا كَنَزْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ فَذُوْقُوْا مَا كُنْتُمْ تَكْنِزُوْنَ ۝ ﴾

''اے ایمان والو! بے شک اکثر علماء اور درویش لوگوں کا مال ناحق ہی کھاتے ہیں اور وہ (لوگوں کو) اللہ کے راستے سے روکتے ہیں۔ اور جو لوگ سونا اور چاندی جمع کرتے ہیں اور اسے اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے، تو آپ انھیں

[1] الطبقات لابن سعد: 4/ 77.

درد ناک عذاب کی خبر سنا دیں۔ جس دن وہ مال دوزخ کی آگ میں تپایا جائے گا، پھر اس سے ان کے ماتھوں، ان کے پہلوؤں اور ان کی پیٹھوں کو داغا جائے گا (اور کہا جائے گا:) یہ ہے وہ (مال) جو تم نے اپنے لیے جمع کر کے رکھا تھا، لہٰذا (اب اس کا مزہ) چکھو جو تم جمع کرتے رہے تھے۔'' [1]

ایک اور آدمی انھیں ملا۔ سلمان رضی اللہ عنہ اس کا بھی محاسبہ کرنے لگے، وہ بہانے کے ذریعے اس کے خیمے میں جا کر عبادت کرتے۔ انھیں اس آدمی کے اندر کوئی منکر یا معیوب بات نظر نہ آئی، چنانچہ اس کے ساتھ مضبوط تعلق پیدا ہو گیا۔ دونوں اکٹھے اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے حتی کہ اس کی بھی موت کا وقت قریب آ گیا۔

سیدنا سلمان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ''میں نے اس پادری کے قریب ہو کر کہا: حضرت! میں آپ کے ساتھ رہا اور جتنی محبت آپ سے کرتا ہوں کسی سے نہیں کرتا۔ اب آپ لبِ مرگ ہیں۔ آپ مجھے کیا وصیت کرتے ہیں، کیا حکم دیتے ہیں اور کہاں جانے کو کہتے ہیں؟'' اس نے کہا: ''میرے بیٹے! اللہ کی قسم! آج میں کسی ایسے آدمی کو نہیں جانتا جو اس دین پر ہو جس پر میں ہوں، لوگ ہلاک ہو گئے ہیں، بدل چکے ہیں اور اپنے دین کی اکثر باتوں کو ترک کر چکے ہیں، ہاں! صرف ایک آدمی اس وقت اس دین پر ہے جس پر میں ہوں، وہ آدمی موصل میں ہے، تم وہاں چلے جاؤ۔'' [2]

صرف ایک آدمی، وہ بھی موصل میں۔ سبحان اللہ۔

یہی اللہ تعالیٰ کا طریقہ ہے۔ حق پر قائم رہنے والے ہمیشہ تھوڑے ہوتے ہیں اور وہ بھی سمندر کی گہرائیوں میں چھپے ہوئے موتیوں کی طرح ہوتے ہیں۔ سمندر کی گہرائیوں

---

[1] التوبة 9:34، 35. [2] حلية الأولياء: 1/193، ومسند أحمد: 5/441.

میں چھپے شکار تک شکاری بڑی جہد اور مشقت کے بعد ہی پہنچ پاتا ہے۔ اور ایسے لوگ شاذ و نادر ہی ہوتے ہیں۔

آفاق کو طے کرنے والا یہ مسافر اپنا بوریا بستر باندھتا ہے، زاد راہ لیتا ہے جو صرف ایمان، تقویٰ اور ایسا پاکیزہ دل ہے جو رب کی تسبیح سے لمحہ بھر بھی غافل نہیں ہے۔ اور پھر اپنی منزل کی طرف چل پڑتا ہے۔

زمین اس کے پاؤں کے نیچے سے سکڑتی جا رہی تھی، یعنی سفر تیزی سے جاری تھا۔ راہ طلب کا مسافر بہت جلد مطلوبہ شخص تک پہنچ جاتا ہے اور اپنا سارا واقعہ اس کے گوش گزار کرتا ہے۔ اس کے ساتھ ایک عرصہ رہ کر اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتا ہے اور حق تلاش کرنے کا جذبہ حسب معمول پوری طرح بیدار ہے۔ جب اس آدمی کا وقتِ اجل قریب آتا ہے تو یہ بزرگ اس حق کے متلاشی کو کسی دوسرے آدمی کے پاس جانے کی وصیت کرتا ہے جو علاقہ ''نصیبین'' میں رہتا ہے۔[1] تلاش حق میں گھومنے پھرنے والے اس مسافر کے قدم ابھی تک تھکے نہیں تھے۔ نہ اس کی روح سست پڑی تھی۔ وہ جب ''نصیبین'' پہنچے تو وہاں کے عالم اور راہب نے اسے عموریہ جانے کی وصیت کی۔[2]

عموریہ کے راہب نے انھیں عبادت کے نئے طریقے سکھائے۔ اس نے انھیں وصیت کی کہ وہ سخت محنت و مشقت کریں۔ لوگوں میں جان پہچان پیدا کریں اور ان کے کام دیکھیں۔ زمین اور مٹی کو جانچیں اور دیکھیں کہ خالقِ کائنات نے کیسی قدرت سے مخلوقات پیدا کی ہیں۔ اور زمین میں اللہ تعالیٰ کے عجائبات پر غور کریں اور دیکھیں کہ اللہ تعالیٰ کس طرح مردہ سے زندہ اور زندہ سے مردہ پیدا کرتا ہے۔ محنت ہی

[1] الطبقات لابن سعد:4/77، وحلية الأولياء:1/194. [2] حلية الأولياء:1/194، و السيرة النبوية لابن هشام:1/237.

عبادت کا لب لباب ہے۔ اور دنیا کی آباد کاری فرض ہے۔ اور مخلوق کی طرف سے بھلی زندگی کے لیے کوشش کرنا نیک لوگوں کے اخلاق میں سے ہے۔

سیدنا سلمان فارسی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ''میں نے خوب محنت کی حتی کہ میرے پاس بہت سی گائیں اور بکریاں ہو گئیں۔''

پھر کیا ہوا؟ آخر اس نیک آدمی کا وقت اجل بھی آ گیا۔ سلمان رضی اللہ عنہ اس کے قریب ہوئے اور کہا: ''میں فلاں شخص کے ساتھ تھا، اس نے مجھے فلاں کی طرف جانے کی وصیت کی تھی، پھر مجھے فلاں کی طرف وصیت کی گئی اور پھر مجھے آپ کی طرف آنے کی وصیت کی گئی۔ تو اب آپ مجھے کس کی طرف بھیج رہے ہیں؟ اور مجھے کیا حکم دیں گے؟'' اس راہب نے کہا: ''اے میرے بچے! اللہ کی قسم! سمجھ میں نہیں آتا کہ میں تمھیں کس کے پاس بھیجوں کیونکہ مجھے علم نہیں ہے کہ زمین پر کونسا ایسا آدمی ہے جو اس صحیح دین پر ہو جس پر ہم ہیں۔ ہاں! ایک نبی کے آنے کا وقت قریب آ گیا ہے۔ وہ دین ابراہیم کی تبلیغ کرے گا۔ وہ عرب کی زمین میں پیدا ہو گا اور ایسی زمین کی طرف ہجرت کر جائے گا جو دو حروں کے درمیان ہو گی۔ وہاں کھجور کے درخت بے بہا ہوں گے۔ ان کی کچھ واضح علامات ہیں۔ وہ ہدیہ قبول کریں گے لیکن صدقے کا مال قبول نہیں کریں گے۔ ان کے کندھوں کے درمیان مہرِ نبوت ہو گی۔ اگر تم اس علاقے میں جا سکتے ہو تو چلے جاؤ۔''[1]

حقیقت میں یہی لوگ اللہ کے حقیقی بندے ہیں۔ خاموش طبع، حق کے متلاشی، نئی روشنی کے ظہور کے منتظر۔ ایسے لوگ ہی نبی کو اس کی علامات سے پہچانتے ہیں اور ان کی صفات کا علم رکھتے ہیں۔ سیدنا عبداللہ بن سلام ایسے ہی لوگوں میں سے تھے۔ وہ

[1] السيرة النبوية لابن هشام:1/237، والطبقات لابن سعد:4/77.

ابھی دعوتِ اسلام سے بے خبر تھے۔ انھوں نے کہا: ''ہم نبی کو اپنے بیٹوں سے بھی زیادہ جانتے اور پہچانتے ہیں۔''

سیدنا سلمان رضی اللہ عنہ اپنے استاد کے کلمات کو بار بار دہراتے ہیں اور یہ بات ان کے ذہن میں بیٹھ جاتی ہے کہ وہ نبی سرزمین عرب میں پیدا ہوگا اور دو پتھریلے علاقوں کے درمیان والی زمین کی طرف ہجرت کرے گا۔ ہدیہ قبول کرے گا مگر صدقہ نہیں کھائے گا۔ اس کے شانوں کے درمیان مہرِ نبوت ہوگی۔

ہر طرف اندھیرا پھیل چکا تھا۔ کہیں سے کوئی روشنی کی کرن نظر نہیں آتی تھی کہ جس کے ذریعے سے انسان راہ راست پر آ سکتا۔ گویا یہ کسی نئی چیز کے ظہور کی علامت اور تمہید تھی۔ یہی نظامِ کائنات ہے کہ جب اندھیرا اپنی انتہا کو پہنچتا ہے تو فجر طلوع ہو جاتی ہے۔ اور زمین سے نیک لوگوں کے ختم ہونے کا مطلب ہے کہ کسی نبی اور رسول کی آمد قریب ہے۔

سیدنا سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے سوچا کہ اس سرزمینِ نبوت کی طرف کوچ کرنا ضروری ہے۔ انھی سوچ بچار کے دنوں میں انھوں نے دیکھا کہ ایک قافلہ سفر پر جانے کے لیے تیار ہے، یہ بھی پتا چلا کہ یہ قافلہ بلادِ عرب کو جانے والا ہے۔ انھوں نے قافلے والوں سے بات کی کہ مجھے بھی اپنے ساتھ لے چلو۔ اگر تم مجھے اپنے ساتھ لے جاؤ گے تو میں اپنی گائے بکریوں کا ریوڑ تم لوگوں کو دے دوں گا۔

سبحان اللہ! اس اللہ کے بندے کے نزدیک مقصدِ حیات کے مقابلے میں مادی چیزوں کی قدر و قیمت نہایت کم تھی۔ قافلے والوں کو یہ سودا منافع بخش معلوم ہوا اور انھوں نے اس متلاشیِ حق کو اپنے ساتھ لے لیا۔ قافلہ روانہ ہوا، صحرا اور جنگلات عبور

کرتا رہا حتی کہ منزل قریب آ گئی۔ سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کی آنکھیں بلادِ عرب کو دیکھ رہی تھیں۔ قریب تھا کہ نبوت کی خوشبو سونگھ کر ایمان سے لطف اندوز ہوتے لیکن ....

سیدنا سلمان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: جب قافلے والے وادیٔ قریٰ میں پہنچے تو انھوں نے میرے ساتھ زیادتی کی اور جو معاہدہ ہمارے مابین طے پایا تھا، اسے پامال کر دیا۔ انھوں نے مجھے ایک یہودی کے ہاتھ بطورِ غلام بیچ ڈالا۔ [1]

مزید فرماتے ہیں کہ میں پھر اس کے پاس رہا۔ وہاں میں نے کھجوروں کے باغات دیکھے۔ میرے دل میں امید پیدا ہوئی کہ یہی ارضِ نبوت ہوگی۔ ایک دن میرے آقا کا بھتیجا آیا، وہ بنی قریظہ میں رہتا تھا، اس نے مجھے میرے آقا سے خرید لیا۔ وہ مجھے مدینہ لے گیا۔ اللہ کی قسم! میں نے اس بستی کو دیکھتے ہی جان لیا کہ یہی نبی کی سرزمین ہے۔ میں مدینہ ہی میں رہا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر مکہ میں وحی نازل ہوئی اور آپ مکہ ہی میں رہے۔ مجھے ان کے بارے میں کوئی معلومات نہیں مل پا رہی تھیں کیونکہ میں غلام تھا اور ہر وقت کام میں مصروف رہتا تھا۔ پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ کی طرف ہجرت فرمائی۔ اللہ کی قسم! میں اپنے مالک کے باغ میں کام کر رہا تھا، میرا مالک بھی میرے ساتھ بیٹھا ہوا تھا، اچانک میرے مالک کا بھتیجا آیا اور کہنے لگا: ''اللہ تعالیٰ بنو قیلہ (اوس وخزرج) کو ہلاک کرے۔ اللہ کی قسم! وہ قبا میں اس آدمی کے پاس جمع ہو کر بیٹھے ہیں جو مکہ سے آیا ہے اور اس کا دعویٰ ہے کہ وہ نبی ہے۔''

غور کیجیے! کیا جوش و جذبہ اور ذوق و شوق سلمان رضی اللہ عنہ کے دل میں پیدا ہوا ہوگا جب انھوں نے یہ باتیں سنی ہوں گی اور دل میں کیسی تڑپ اٹھی ہوگی کہ اب ان کی

[1] حلية الأولياء:1/194، و مسند أحمد:5/441

امیدیں پوری ہونے والی ہیں۔

سیدنا سلمان رضی اللہ عنہ جلدی سے اٹھے تاکہ جو باتیں انھوں نے سنیں ہیں ان کی مکمل تصدیق کرلیں اور اپنی کئی راتوں کی پیاس بجھالیں اور اپنے محبوب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا مبارک چہرہ دیکھ سکیں لیکن ان کے مالک یہودی نے کہا:

''تیرا اس شخص سے کیا واسطہ، چل تو اپنا کام کر۔''

سیدنا سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کا قبول اسلام

راہِ عمل میں جذبۂ کامل ہو جس کے ساتھ
خود اس کو ڈھونڈ لیتی ہے منزل کبھی کبھی

سلمان رضی اللہ عنہ رات کی تاریکی میں چپکے سے قبا پہنچے، وہاں پر وہ آدمی موجود تھا جسے نبی کہتے تھے۔ سلمان رضی اللہ عنہ نے اپنی بغل میں کچھ پھلوں اور کھجوروں سے بھرا ہوا ایک تھیلا چھپایا اور جلدی سے وہاں پہنچ گئے۔

سیدنا سلمان فارسی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ''میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی: مجھے معلوم ہوا ہے کہ آپ نیک آدمی ہیں اور آپ کے ساتھ حاجت مند اور غریب لوگ رہتے ہیں۔ یہ میرے پاس صدقے کے کچھ پھل اور کھجوریں ہیں۔ میرے نزدیک آپ سب سے زیادہ اس کے حق دار ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ سے فرمایا: ''یہ پھل اور کھجوریں کھا لو۔'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود کچھ نہ کھایا۔ میں نے اپنے دل میں کہا: ایک نشانی تو پوری ہو گئی۔ پھر میں واپس آ گیا۔''

پھر کچھ دن پھل اور کھجوریں جمع کرنے کے بعد وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور کہا: ''اس دن مجھے معلوم ہو گیا تھا کہ آپ صدقہ نہیں کھاتے۔ یہ ہدیہ لایا ہوں،

قبول فرمالیں۔" چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے اس میں سے خود بھی کھایا اور اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم کو بھی کھلایا۔[1]

سلمان رضی اللہ عنہ نے کہا: "یہ دونشانیاں تو پوری ہوئیں۔"

پھر یہ ہوا کہ رسول اللہ ﷺ کے ایک صحابی کلثوم بن ہدم فوت ہو گئے۔ ان کی میت بقیع الغرقد لائی گئی۔ آپ ﷺ میت کے پیچھے پیچھے چلتے ہوئے وہاں پہنچے اور اپنے صحابہ کے ساتھ بیٹھ گئے۔ سیدنا سلمان رضی اللہ عنہ کے لیے یہ بہترین موقع تھا کہ وہ باقی علامات نبوت کی تصدیق کرلیں، چنانچہ وہ گھوم کر رسول اللہ ﷺ کی پشت کی جانب آئے تاکہ وہ مہرِ نبوت کو دیکھ سکیں جس کا ذکر پادری نے کیا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے پہچان لیا کہ یہ شخص کیا چاہتا ہے، چنانچہ آپ ﷺ نے اپنی مبارک پیٹھ سے کپڑا ہٹا دیا۔ سلمان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: "میں نے مہر نبوت کو دیکھا تو پہچان لیا، میں فوراً جھک کر مہر نبوت کو چومنے لگا اور خوشی کے مارے میرے آنسو بہہ پڑے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "ادھر آؤ! میرے پاس بیٹھو۔" سلمان رضی اللہ عنہ اپنے محبوب آقا کے سامنے بیٹھ گئے، انھوں نے اپنی پوری آپ بیتی کہہ سنائی اور اسلام قبول کرلیا اور بہت ہی اچھے مسلمان ثابت ہوئے۔

اس کے بعد بھی کچھ عرصہ تک سلمان رضی اللہ عنہ اپنے یہودی مالک کی غلامی میں رہے۔ دن کو اس کی خدمت کرتے اور رات کو اپنے رب کی عبادت کرتے۔ اس طرح وہ بہت سے حالات و معاملات میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہونے سے قاصر رہے۔

سیدنا سلمان رضی اللہ عنہ کی آزادی

سیدنا سلمان رضی اللہ عنہ اپنے مالک سے چھپ کر رسول اللہ ﷺ سے ملاقات کے لیے

[1] حلیة الأولیاء: 1/ 194، والطبقات لابن سعد: 4/ 79.

آتے تھے۔ ایک دفعہ جب وہ رسول اللہ ﷺ کی زیارت کے لیے آئے تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''سلمان! اپنے مالک سے مکاتبت کیوں نہیں کر لیتے؟'' چنانچہ انھوں نے اپنے مالک کو مکاتبت کے لیے کہا تو اس نے جواب دیا: ٹھیک ہے، تم تین سو کھجوروں کے کامیاب درخت لگا دو تو تم آزاد ہو جاؤ گے۔ اس کے علاوہ چالیس اوقیہ سونا بھی لا دو۔ نبی ﷺ نے اپنے صحابہ کو سلمان رضی اللہ عنہ کی معاونت کرنے کا حکم دیتے ہوئے فرمایا: ''اپنے بھائی کی مدد کرو۔''[1] سب نے رسول اللہ ﷺ کے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے سمع و طاعت کا بھرپور مظاہرہ کیا۔

سلمان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے میرے ساتھ تعاون کیا۔ کوئی کھجور کے تیس پودے لایا اور کوئی بیس، اس طرح تین سو پودے جمع ہو گئے۔ اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''سلمان! جاؤ ان پودوں کے لیے گڑھے کھودو اور جب فارغ ہو جاؤ تو مجھے بتانا میں خود اپنے ہاتھ سے پودے لگاؤں گا۔''[2]

سیدنا سلمان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں نے گڑھے کھودے، میرے ساتھیوں نے میرا ہاتھ بٹایا۔ جب میں اس کام سے فارغ ہوا تو رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں آیا اور آپ ﷺ کو خبر دی۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ تشریف لائے۔ ہم آپ کو پودے پکڑاتے اور آپ ﷺ اپنے مبارک ہاتھ سے لگاتے رہے حتی کہ ہم اس کام سے بھی فارغ ہو گئے۔ اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں سلمان کی جان ہے! ان میں سے ایک پودا بھی ضائع نہیں ہوا۔[3]

جی ہاں! ایک پودا بھی خشک نہیں ہوا۔ یہ سب آپ ﷺ اور اسلام کی برکت سے ہوا۔

---

[1] حلية الأولياء: 1/195. [2] الطبقات لابن سعد: 4/80. [3] الطبقات لابن سعد: 4/80.

قائد کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنے لشکریوں کے ساتھ گھل مل جائے اور ان کے لیے ایثار و قربانی کا ماڈل بن کر رہے۔ اسلام ایک ایسا دین ہے جو ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کرنے پر زور دیتا ہے اور اتحاد و یگانگت کا سبق سکھاتا ہے۔ یہ ترغیب بھی دیتا ہے کہ ہم دوسروں کے لیے جتنا کچھ کر سکتے ہیں وہ ضرور کریں۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس قسم کی اعلیٰ صفات قرآن اور صاحب قرآن حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک اُسوہ ہی سے سیکھیں۔ یہی وجہ ہے کہ دنیا نے ان کے لیے اپنے دروازے کھول دیے تھے اور خزانوں کی چابیاں ان کے سپرد کر دی تھیں اور زمین ان کے قدموں کے نیچے سکڑ گئی تھی۔

سیدنا سلمان رضی اللہ عنہ اپنی مکاتبت میں سے کھجوروں کے پودے لگا چکے تھے۔ اب سونا دینا باقی تھا۔

ایک دن رحمت عالم محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے جاں نثاروں میں جلوہ افروز تھے کہ ایک آدمی انڈے کے برابر سونے کی ایک ڈلی لایا جو اسے کہیں سے ملی تھی، وہ اس نے صدقہ کر دی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فوراً فرمایا: ''وہ مسکین مکاتب فارسی کہاں ہے؟ ذرا اسے بلا لاؤ۔'' جب وہ آئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''یہ لو سونا اور جا کر اپنے مالک کو دے دو۔'' سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کہنے لگے: ''اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! یہ تو بہت کم ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''تم اسے لے لو۔ اللہ تعالیٰ اسی کے ذریعے تمھاری ادائیگی پوری فرما دے گا۔'' میں نے وہ لے لیا اور اس کا وزن کیا۔ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضۂ قدرت میں سلمان کی جان ہے! اس کا وزن پورے چالیس اوقیے کے برابر ہو گیا، چنانچہ میں نے وہ سونا یہودی مالک کو ادا کر دیا۔[1]

[1] السیرۃ النبویۃ لابن ہشام: 239/1، والطبقات لابن سعد: 80/4.

سلمان رضی اللہ عنہ آزاد ہو گئے۔ آفاق میں سفر کرنے والا یہودی کی غلامی سے آزاد ہو گیا۔ اب وقت آ گیا تھا کہ وہ اسلامی صف کے وسط میں اپنی جگہ بناتے کیونکہ اسلام صرف کلمہ پڑھنے، چند رکعات ادا کرنے یا مخصوص شعائر کے ادا کرنے کا نام نہیں ہے۔ بلاشبہ یہ چیزیں بھی اسلام ہیں لیکن ان سے بھی بڑھ کر اسلام بہت بڑی ذمہ داریاں ادا کرنے کا نام ہے۔ اللہ کے حقوق کما حقہ ادا کیے جائیں اور دین کے حقوق بھی بھلائے نہ جائیں اور زمین پر اپنی خلافت کی ذمہ داریاں بھی بخوبی نبھائی جائیں۔

سیدنا سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے مسلمانوں کی جماعت کے ساتھ مشارکت اور اس کے ساتھ عمل کا آغاز اس وقت کیا جب مدینہ میں یہ خبر پہنچی کہ قریش نے بہت بڑے لشکر تیار کر لیے ہیں اور وہ مدینہ پر چڑھائی کی غرض سے روانہ ہو چکے ہیں۔ مسلمانوں نے اس وقت اپنے آپ کو بہت مشکل اور کشتی طوفان میں پایا۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مشورہ کرنے کے لیے اپنے صحابہ کو جمع فرمایا۔ سلمان رضی اللہ عنہ اس اجتماع میں حاضر نہ تھے۔ وہ مدینہ کی حفاظت اور نگرانی کے لیے کسی اونچی جگہ پر بیٹھے ہوئے تھے۔ اسی دوران انھوں نے مدینے کا معائنہ کر لیا تھا۔ مدینہ محفوظ ہی تھا سوائے ایک جانب کے۔ اور دشمن صرف اسی جانب سے حملہ کر سکتا تھا۔

سیدنا سلمان رضی اللہ عنہ جلدی سے اپنی جگہ سے اترے اور اس مجلس شوریٰ میں آ گئے، انھوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو مدینہ کے شمال مغربی جانب خندق کھودنے کا مشورہ دیا۔ [1]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام نے خندق کھودنے کی رائے کو قبول فرمایا۔ یہ کوئی عاجلانہ رائے نہ تھی بلکہ پورے گرد و نواح کا ٹھیک ٹھیک حساب لگانے کے بعد یہ رائے قائم کی

[1] السيرة النبوية لا بن هشام:1/239، والطبقات لابن سعد:4/80.

گئی تھی۔

خندق کی کھدائی کے بارے میں سیدنا عمرو بن عوف رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ہم خندق کھودنے لگے یہاں تک کہ ہم نیچے تر مٹی تک پہنچ گئے۔ اسی دوران اللہ کا کرنا یہ ہوا کہ خندق کے درمیان میں ایک سفید پتھر (مروہ) ظاہر ہو گیا۔ ہمارے بیلچے ٹوٹ گئے اور ہم مشقت میں پڑ گئے۔ میں نے سلمان رضی اللہ عنہ سے کہا: آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں جا کر انھیں اس بارے میں بتائیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت ایک ترکی لباس زیب تن کیے ہوئے تھے۔ سلمان رضی اللہ عنہ آئے اور عرض کی: اے اللہ کے رسول! ایک پتھر آڑے آ گیا ہے، وہ ٹوٹنے کا نام نہیں لیتا۔ ہمارے تو بیلچے بھی ٹوٹ گئے ہیں۔ اب یا تو ہم وہاں سے خندق کا رخ موڑ لیں یا پھر جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم ہو کیونکہ ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت کے بغیر ایک قدم بھی آگے نہیں بڑھ سکتے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''سلمان! مجھے اپنی کدال دکھاؤ۔''[1]

پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس آئے، ہم خندق کے کنارے بیٹھے ہوئے تھے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم خندق میں اترے اور پتھر پر ایک زوردار ضرب لگائی جس سے بجلی چمکی اور وادی روشن ہو گئی۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نعرۂ تکبیر بلند کیا، ہم نے بھی اللہ اکبر کہا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دوسری ضرب لگائی جس سے تاریک وادی پھر روشن ہو گئی۔ آپ نے پھر تکبیر بلند کی اور ہم نے بھی آپ کا ساتھ دیا۔ آپ نے تیسری ضرب لگائی جس سے پتھر ٹوٹ گیا اور پہلے کی طرح روشنی پھیل گئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ نے نعرۂ تکبیر بلند کیا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم خندق سے باہر تشریف لائے اور سلمان رضی اللہ عنہ کے پاس آ گئے۔ سلمان رضی اللہ عنہ نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! آج میں نے ایسی چیز دیکھی ہے جو پہلے کبھی نہیں

[1] الطبقات لابن سعد: 84/4.

دیکھی۔ رسول اللہ ﷺ صحابہ کرام کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا: ''تم نے بھی کچھ دیکھا؟''

صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کی: جی ہاں، اے اللہ کے رسول! آپ پر ہمارے ماں باپ قربان ہوں۔ ہم نے دیکھا کہ آپ نے ایک زوردار ضرب لگائی جس سے بجلی کی لہر نکلی، پھر آپ ﷺ نے اور ہم نے اللہ اکبر کہا۔ اس کے علاوہ ہم نے اور تو کچھ نہیں دیکھا۔

نبی ﷺ نے فرمایا: ''تم نے ٹھیک کہا ہے۔ جب میں نے پہلی ضرب لگائی تھی، اس سے روشنی نکلی جو تم نے بھی دیکھی، اس روشنی سے میرے لیے حیرہ کے محلات روشن ہو گئے اور کسریٰ کے شہر بھی اس طرح نمایاں ہو گئے جیسے وہ کتوں کی کچلیاں ہیں۔ اس وقت جبریل علیہ السلام نے مجھے خبر دی تھی کہ میری امت ان پر غالب آئے گی۔ پھر میں نے دوسری چوٹ لگائی جس سے پھر روشنی نکلی جو تم نے بھی دیکھی، اس سے سرزمین روم کے سرخ محلات یوں روشن ہو گئے گویا وہ کتوں کی کچلیاں ہیں۔ مجھے جبریل علیہ السلام نے بتایا کہ میری امت روم کو فتح کرے گی۔ پھر میں نے تیسری ضرب لگائی، اس سے بھی روشنی نمودار ہوئی، میں نے اس روشنی میں دیکھا کہ صنعاء کے محلات روشن ہو گئے ہیں۔ جبریل علیہ السلام نے بتایا کہ میری امت صنعاء پر بھی غالب آئے گی، پس تم خوش ہو جاؤ۔''[1] آپ ﷺ نے یہ بات تین بار دہرائی۔

دیکھیے! یہ کتنی خوفناک صورت حال تھی، دشمن ہر طرف سے مسلمانوں کو گھیرے ہوئے تھا، اس صورت حال کو قرآن نے یوں بیان کیا ہے:

[1] البداية والنهاية: 4/100.

﴿ اِذْ جَآءُوْكُمْ مِّنْ فَوْقِكُمْ وَمِنْ اَسْفَلَ مِنْكُمْ وَاِذْ زَاغَتِ الْاَبْصَارُ وَبَلَغَتِ الْقُلُوْبُ الْحَنَاجِرَ ﴾

''جب تمھارے اوپر سے اور نیچے سے تم پر چڑھ آئے اور جب آنکھیں پتھرا گئیں اور دل گلوں تک پہنچ گئے۔'' [1]

اس صورت حال میں بھی رسول اللہ ﷺ اپنے صحابہ کو یہ خوشخبری دیتے ہیں کہ وہ فارس، روم اور یمن کو فتح کریں گے۔ اور مسلمانوں کو اس خوشخبری پر کامل یقین تھا کہ اللہ کی مدد ضرور آئے گی کیونکہ اللہ تعالیٰ نے انھیں خبر دی تھی کہ مصیبتوں، پریشانیوں اور زلزلوں کے باوجود اللہ کی مدد آتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان عالی شان ہے:

﴿ اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَاْتِكُمْ مَّثَلُ الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ ۭ مَسَّتْهُمُ الْبَاْسَاۗءُ وَالضَّرَّاۗءُ وَزُلْزِلُوْا حَتّٰى يَقُوْلَ الرَّسُوْلُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ مَتٰى نَصْرُ اللّٰهِ ۭ اَلَآ اِنَّ نَصْرَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ ﴾

'' (پھر) کیا تمھارا خیال ہے کہ تم یونہی جنت میں داخل ہو جاؤ گے؟ حالانکہ ابھی تک تمھیں ان لوگوں کے مانند (مشکلیں) پیش نہیں آئیں جو تم سے پہلے گزرے، ان کو سختی اور تکلیف پہنچی اور وہ ہلا ڈالے گئے یہاں تک کہ رسول اور وہ لوگ جو ان پر ایمان لائے تھے، کہنے لگے: اللہ کی مدد کب (آئے گی؟) آگاہ رہو! بے شک اللہ کی مدد قریب ہے۔'' [2]

دیکھیے! یہ صحابہ وہی تھے جو کفار کی طرف سے خوف میں مبتلا تھے اور ہلا دیے گئے تھے۔ گویا اب اللہ کی مدد ان کے قریب تھی، اسی لیے تو انھوں نے کہا تھا:

[1] الأحزاب 33:10. [2] البقرة 2:214.

﴿هٰذَا مَا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَصَدَقَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ ۡ وَمَا زَادَهُمْ اِلَّآ اِيْمَانًا وَّتَسْلِيْمًا﴾

''یہ تو وہی ہے جس کا اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے ہم سے وعدہ کیا تھا۔ اور اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے سچ فرمایا ہے۔ اور اس بات نے انھیں ایمان و فرماں برداری میں اور بڑھا دیا۔''[1]

منافقین اور ان لوگوں کے لیے جن کے دلوں میں کھوٹ اور بیماری تھی، یہ خطرات ان کے خبث باطن اور نفاق کو واضح کرنے کے لیے تھے۔ معتب بن قشیر نے کہا تھا: ''محمد (ﷺ) نے ہم سے قیصر و کسریٰ کے خزانوں کا وعدہ کیا جبکہ حالت یہ ہے کہ ہم قضائے حاجت کے لیے بھی جاتے ہیں تو ہمیں اپنی جان کا خطرہ ہوتا ہے۔ نبی ﷺ نے ہمیں جو خبر دی تھی وہ سچ ثابت ہوئی۔ مدائن، قسطنطنیہ اور صنعاء اور یمن فتح ہوئے۔ قیصر و کسریٰ کے خزانے مسلمانوں کے حکمرانوں تک پہنچے۔ ان میں ذرہ برابر بھی کمی نہیں کی گئی تھی۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اس خزانے کو بیت المال میں داخل کیا اور فرمایا: اَلْحَمْدُ لِلّٰہ، اللہ کی قسم! جن لوگوں نے یہ خزانہ جمع کرا دیا ہے وہ بہت بڑے امانت دار ہیں۔''[2]

یہی دین کے امین، لوگوں کے اموال کے امین اور جو ذمہ داری اللہ نے انھیں سونپی ہے اس کے امین تھے۔

[1] الأحزاب 22:33. [2] الكامل لا بن كثير:156/3.



سلمان ؓ مدائن کے والی

سیدنا سلمان ؓ ہمیشہ امارت سے دور بھاگتے تھے اور اپنے رفقاء کو بھی اس سے دور رہنے کی تلقین کیا کرتے تھے۔ اور جب کوئی ان سے عہدہ اور امارت قبول کرنے کے بارے میں مشورہ مانگتا تو فرماتے: ''اگر تمھیں مٹی کھانی پڑے تو کھا لینا لیکن کسی دو افراد پر بھی امیر نہ بننا۔ اور مظلوم کی بد دعا سے بچو کیونکہ وہ ضرور قبول ہوتی ہے۔''[1]

سلمان ؓ نے اپنے مذکورہ قول میں عہدہ اور مظلوم و مجبور کی بد دعا میں ایک ربط بیان فرمایا ہے، گویا آپ یہ فرمانا چاہتے تھے: کتنے مظلوم اور بے بس ہوتے ہیں جو امیر کی نظروں سے اوجھل ہوتے ہیں اور ان کے لیے دروازے بند ہوتے ہیں۔ یہ دنیا میں ملامت اور آخرت میں حسرت کا باعث ہے۔

لیکن سیدنا عمر ؓ کو اس طرح کے بے غرض امیروں کی ضرورت تھی تاکہ وہ اس عظیم ذمہ داری میں ان کے مددگار ثابت ہوں، لہٰذا انھوں نے سلمان ؓ کو پیغام بھیجا کہ آپ کو مدائن کا حاکم مقرر کیا جاتا ہے۔ سلمان ؓ نے اس ذمہ داری کو قبول کرنے سے انکار کر دیا لیکن سیدنا عمر ؓ نے اصرار کیا اور فرمایا کہ امت کی خیر خواہی کی ذمہ داری صرف مجھی کو نہیں سونپی گئی، نہ ہی اکیلا میں اسے نبھا سکتا ہوں۔

[1] حلیۃ الأولیاء: 1/185.

چنانچہ یہ نئے حاکم اپنی ولایت کی جگہ روانہ ہو جاتے ہیں۔ اپنی سواری پر اکیلے ہیں ساتھ کوئی رفیق بھی نہیں ہے۔ ابو ملیح نے اس نئے حاکم کی اپنے علاقے میں داخل ہونے کی حالت بیان کی ہے، فرماتے ہیں: ''میں نے سلمان رضی اللہ عنہ کو ایک گدھے ''عرۃ'' پر بیٹھے دیکھا۔ آپ نے ایک قمیص پہن رکھی تھی، قمیص اتنی چھوٹی تھی کہ صرف گھٹنوں تک آ رہی تھی۔ آپ کی پنڈلیاں لمبی لمبی تھیں اور ان پر گھنے بال تھے۔''

مزید فرماتے ہیں: میں نے دیکھا کہ بچے آپ کے پیچھے جمع ہو رہے تھے۔ میں نے کہا: خبردار! امیر محترم کے پاس سے ہٹ جاؤ۔ تو آپ نے فرمایا: انھیں کچھ نہ کہو، آج کے بعد ہی خیر اور شر کا پتا چلے گا۔ [1]

سیدنا سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کا وظیفہ پانچ ہزار سکہ رائج الوقت مقرر ہوا۔ وہ اس رقم کو عوام میں تقسیم کر دیا کرتے تھے اور خود کھجور کے پتوں سے ٹوکریاں بنا کر گزر اوقات کرتے تھے۔ آپ تیس ہزار لوگوں کے امیر تھے۔ آپ کے پاس ایک چادر ہوتی تھی جس کا کچھ حصہ بچھا کر اس کے اوپر بیٹھتے تھے۔ رفقاء نے بیت الامارۃ (گورنر ہاؤس) بنانا چاہا تو انھوں نے منع کر دیا۔ لیکن رفقائے کار میں سے کسی نے آپ کی نفسیات کو پہچانتے ہوئے کہا: کیا میں آپ کے لیے ایک گھر نہ بناؤں جس میں بیٹھ کر آپ دھوپ اور سردی سے محفوظ رہیں۔ سلمان رضی اللہ عنہ نے کہا: ''ہاں، بنادو۔'' جب وہ واپس جانے لگا تو آواز دی اور پوچھا: ''وہ گھر کس طرح کا بناؤ گے۔'' تو اس نے جواب دیا: اتنا چھوٹا بناؤں گا کہ آپ کا سر چھت کو لگے گا اور اگر آپ سوئیں گے تو پاؤں دیوار کو چھو لیں گے، یعنی اتنا چھوٹا اور تنگ ہوگا۔ سلمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''ہاں، اسی طرح کا

[1] الطبقات لابن سعد: 4/85.

بنانا۔"

نعمان بن حمید کہتے ہیں: میں اپنے ماموں کے ساتھ مدائن میں سیدنا سلمان رضی اللہ عنہ کے پاس گیا۔ وہ کھجور کے پتوں کی ٹوکریاں بناتے تھے، انھوں نے فرمایا کہ میں ایک درہم سے کھجور کے پتے خریدتا ہوں، پھر اس کی ٹوکری بنا کر تین درہم میں بیچتا ہوں۔ ان میں سے ایک درہم پھر اسی کام پر لگاتا ہو، ایک اپنے اہل وعیال پر خرچ کرتا ہوں اور ایک درہم صدقے میں دے دیتا ہوں۔ اگر امیر المومنین عمر رضی اللہ عنہ مجھے اس عمل سے منع کریں گے تو میں اس سے باز نہیں آؤں گا۔

آپ رضی اللہ عنہ اپنی امارت کے دور میں روزانہ گھر سے نکلتے اور لوگوں کے ساتھ گھل مل جاتے۔ آپ ان کے مطالبات سنتے تھے۔ آپ بوسیدہ چادر پہنے ہوئے ہوتے تھے۔ ایک دن راستے میں آپ کو ایک آدمی ملا، وہ شام سے آ رہا تھا۔ اس کے پاس انجیروں اور کھجوروں کا بوجھ تھا، اس بوجھ نے اس شامی کو تھکا دیا تھا اور وہ اس تاک میں تھا کہ مجھے کوئی مزدور مل جائے جو میرا بوجھ اٹھا لے اور منزل تک پہنچا دے تو میں اسے اجرت دے دوں گا، چنانچہ اس نے ایک آدمی دیکھا تو اسے اشارہ کیا، وہ آ گیا۔ شامی نے اسے کہا: یہ بوجھ اٹھا لو۔ اس نے اٹھا لیا، پھر دونوں آگے چل پڑے۔ راستے میں وہ لوگوں کی ایک جماعت کے پاس سے گزرے تو ان لوگوں نے انھیں سلام کیا، لوگوں نے کھڑے ہو کر سلام کا جواب دیا اور کہا: "امیر پر بھی سلام ہو۔ امیر پر بھی سلام ہو۔" یہ لوگ کسے امیر کہہ رہے ہیں؟ شامی نے اپنے دل میں سوچا۔ اور اس وقت اس کی دہشت کی کوئی انتہا نہ رہی جب اس نے لوگوں کو دیکھا کہ وہ سلمان رضی اللہ عنہ کی طرف بڑھ رہے ہیں تا کہ وہ خود سامان اٹھا لیں، وہ کہہ رہے تھے:

''امیر محترم! آپ یہ بوجھ ہمیں دے دیں۔'' اس وقت اس شامی کو معلوم ہوا کہ یہ شخص جس نے میرا بوجھ اٹھایا ہوا ہے، مدائن کا حاکم سلمان فارسی رضی اللہ عنہ ہے۔ اسے بہت افسوس ہوا۔ اس نے فوراً معذرت کی اور آگے بڑھ کر ان سے زبردستی بوجھ واپس لینے لگا لیکن سلمان رضی اللہ عنہ نے انکار کرتے ہوئے فرمایا: ''نہیں، اب تو میں منزل تک پہنچ کر ہی آپ کا سامان واپس دوں گا۔''[1]

کیا خوب تھی وہ قرآنی درس گاہ جس نے ان لوگوں کی اس قدر معیاری تربیت کی۔ انھوں نے قرآنی تعلیمات کو اپنایا اور پوری زمین میں پھیلایا حتی کہ ہر طرف خوف کے بعد امن اور اندھیرے کے بعد اجالا پھیل گیا۔ اے محمد ﷺ کے اطاعت گزارو! وہی اعلیٰ وارفع کتاب تمھارے پاس موجود ہے، آگے بڑھو اور اسے تھام لو۔

[1] رجال حول الرسول ﷺ، خالد محمد خالد۔



سلمان رضی اللہ عنہ اور معاشرتی زندگی

سیدنا سلمان رضی اللہ عنہ اپنے دینی بھائی سیدنا ابودرداء رضی اللہ عنہ کی ملاقات کے لیے ان کے گھر تشریف لے گئے، دیکھا کہ ان کی اہلیہ پراگندہ حال ہے۔ آپ رضی اللہ عنہ نے ان سے اس کی وجہ دریافت کی تو جواب ملا: آپ کے بھائی کو دنیا کی کسی چیز کی ضرورت ہی نہیں ہے۔ یہ رات کو قیام کرتے ہیں اور دن کو روزہ رکھتے ہیں۔ جب ابودرداء رضی اللہ عنہ گھر تشریف لائے تو سلمان رضی اللہ عنہ نے انھیں مرحبا کہا، پھر ان کی طرف کھانا بڑھاتے ہوئے کہا: آپ بھی کھائیے۔ جواب ملا: میں روزے سے ہوں۔ سلمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں آپ کو قسم دیتا ہوں کہ آپ کھانا ضرور کھائیں اور میں اس وقت تک نہیں کھاؤں گا جب تک آپ نہیں کھائیں گے۔ چنانچہ انھوں نے کھانا کھا لیا۔ سلمان رضی اللہ عنہ نے رات ان کے ساتھ بسر کی۔ رات کو ابودرداء رضی اللہ عنہ اٹھے تاکہ نوافل پڑھیں تو سیدنا سلمان رضی اللہ عنہ نے انھیں روک لیا اور فرمایا: ابودرداء! آپ کے رب کا آپ پر حق ہے اور آپ کی بیوی کا بھی آپ پر حق ہے۔ آپ کے جسم کا بھی آپ پر حق ہے۔ ہر حق دار کو اس کا حق ادا کیجیے۔ روزہ بھی رکھیے اور چھوڑ بھی دیجیے۔ رات کو قیام بھی کیجیے، نیند بھی پوری کیجیے اور اپنی بیوی کے پاس بھی جائیے۔ جب صبح ہونے کے قریب ہوئی تو فرمایا: اب

اٹھیے! دونوں اٹھے، وضو کیا اور نماز پڑھی، پھر مسجد کی طرف فرض نماز کے لیے نکلے۔
نماز کے بعد ابودرداء رضی اللہ عنہ نے نبی ﷺ کی خدمت میں سلمان رضی اللہ عنہ کی ساری بات گوش گزار کی [1] تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''سلمان علم سے مالا مال ہیں۔'' [2]

ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں: آپ ﷺ نے فرمایا: ''عویمر (ابودرداء)! سلمان تم سے زیادہ علم والے ہیں۔''

آپ ﷺ نے اس طرح انسانی فطرت کی نبض پر ہاتھ رکھا اور بشریت کے لیے اسلامی تعلیمات پر مبنی ایک منہج پیش فرمایا۔

انسان کی ذات اور حیات میں توازن اور اعتدال نہایت ضروری ہے۔ اسلامی تعلیمات میں رہبانیت اور دنیا سے کنارہ کشی کی کوئی گنجائش نہیں، نہ شریعت یہ چاہتی ہے کہ انسان دنیا کا حریص بن جائے اور زندگی دینے والے رب کی طرف متوجہ بھی نہ ہو۔

سیدنا سلمان رضی اللہ عنہ نے شادی کی اور اس خیمے میں گئے جہاں ان کی دلہن بیٹھی ہوئی تھی۔ آپ نے وہاں دلہن کے ساتھ بیٹھی ہوئی عورتوں کو بڑے نرم لہجے میں فرمایا: ''کیا آپ مجھے اور میری دلہن کو اکیلا چھوڑ سکتی ہیں؟'' انھوں نے ہاں میں جواب دیا اور وہاں سے چلی گئیں۔ آپ رضی اللہ عنہ نے دروازہ بند کر کے پردہ سیدھا کیا اور اپنی بیوی کے پاس آ کر بیٹھ گئے، اس کی پیشانی کو چھوا اور برکت کی دعا کی، پھر فرمایا: ''کیا تم میرا کہا مانو گی؟'' اس نے جواب دیا: ''آپ ایسی جگہ بیٹھے ہیں جہاں بیٹھنے والے کی بات مانی جاتی ہے۔'' آپ رضی اللہ عنہ نے کہا: ''میرے خلیل حضرت محمد ﷺ نے مجھے وصیت فرمائی تھی کہ جب میں اپنی بیوی کے پاس جاؤں تو اللہ تعالیٰ کی اطاعت کروں۔''
چنانچہ دونوں دولہا اور دلہن مسجد کی طرف گئے، جتنی توفیق ہوئی نماز پڑھی، پھر گھر واپس

[1] حلیۃ الأولیاء: 1/188، والاستیعاب: 2/637. [2] الطبقات لابن سعد: 4/85.

آئے اور ازدواجی زندگی کا آغاز کیا۔

صبح ہوئی، آپ رضی اللہ عنہ کے رفقاء آئے اور پوچھا: آپ نے اپنے گھر والوں کو کیسا پایا؟ آپ نے منہ پھیر لیا۔ انھوں نے پھر سوال کیا۔ آپ رضی اللہ عنہ نے پھر اعراض کیا۔ پھر پوچھا تو اعراض کرتے ہوئے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے پردے اور دروازے چھپنے کے لیے بنائے ہیں۔ آدمی کے لیے اتنا کافی ہے کہ وہ صرف اس چیز کے بارے میں سوال کرے جو ظاہر ہو، چھپی ہوئی چیز کے بارے میں سوال نہ کرے۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے تھے: ''اس بارے میں بات کرنے والا ان دو گدھوں کی طرح ہے جو راستے میں جفتی کرتے ہیں۔''[1]

اے سلمان! اللہ تعالیٰ آپ پر رحم کرے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر کروڑوں رحمتیں نازل فرمائے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم جانتے تھے کہ میرے بعد ایسا دور آئے گا کہ لوگ اپنی بیوی کے ساتھ کیا جانے والا معاملہ دوسروں کو بڑے فخر اور خوشی سے یوں بتائیں گے گویا وہ کسی دلیرانہ معرکے کا تذکرہ کر رہے ہیں۔

ایک صاحب سلمان رضی اللہ عنہ کے گھر جاتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ سلمان آٹا گوندھ رہے ہیں۔ انھوں نے پوچھا: حضرت خادم کہاں گیا؟ آپ رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: ہم نے اسے کسی اور کام پر بھیجا ہے۔ ہم نے اس کے لیے دو کام جمع کرنا مناسب نہیں سمجھا۔[2]

یہی عظیم لوگ تھے جن کے دلوں میں اتنا احساس اور دردمندی تھی کہ غلاموں پر بھی ہمیشہ مہربانی کرتے تھے۔

---

[1] حلیة الأولیاء: 1/186. [2] الطبقات لابن سعد: 4/90، وحلیة الأولیاء: 1/196.

مرض موت میں سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ آپ کی عیادت کے لیے آئے تو سیدنا سلمان رضی اللہ عنہ رونے لگے۔ سعد رضی اللہ عنہ نے کہا: ”اے ابو عبداللہ! آپ رو کیوں رہے ہیں؟ حالانکہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فوت ہوئے تو وہ آپ سے راضی تھے اور آپ ان سے بے حد خوش تھے۔ آپ اپنے ساتھیوں سے جا ملیں گے اور حوض کوثر سے پانی پئیں گے؟“ آپ رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: ”اللہ کی قسم! میں موت کے ڈر کی وجہ سے نہیں رو رہا، نہ مجھے دنیا کی کوئی حرص ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم سے عہد لیا تھا کہ تم میں سے کسی ایک کے پاس دنیا کے سامان میں سے صرف اتنا ہونا چاہیے جتنا کہ ایک سوار اپنے ساتھ سامان رکھتا ہے۔ اور میرے اردگرد یہ قیمتی تکیے پڑے ہوئے ہیں۔“[1] سیدنا سعد رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں نے دیکھا وہاں پالان، بستر اور کچھ سامان پڑا تھا جس کی قیمت زیادہ سے زیادہ بیس درہم ہوگی۔ مگر وہ اس تھوڑے سے سامان کو بہت زیادہ شمار کر رہے تھے۔

جی ہاں، یہی لوگ حقیقت میں اسلام کے بیٹے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ اور قرآن کے تربیت یافتہ تھے۔

اب وقت آ گیا تھا کہ اطراف عالم میں گھومنے پھرنے والا یہ مسافر آرام کرے۔ سیدنا سلمان رضی اللہ عنہ نے اپنی موت کی آہٹ محسوس کی تو اپنی زوجہ محترمہ سے فرمایا: ”وہ چادر تو لاؤ جو میں نے تمھیں دی تھی۔“ وہ کہتی ہیں: میں آپ کے پاس وہ چادر لائی اور ساتھ کستوری بھی لائی۔ پھر آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ”پانی کا ایک پیالہ بھی لا دو۔“ آپ نے وہ کستوری اس پانی میں چھڑکی، اسے حل کیا، پھر فرمایا: ”میرے اردگرد ہر

[1] الطبقات لابن سعد: 4/90، وحلیة الأولیاء: 1/196.

جگہ پر اس پانی کا چھڑکاؤ کرو۔ میرے پاس اللہ کی مخلوق میں سے ایک مخلوق (فرشتے) آئے گی وہ بدبو کو پسند نہیں کرتی اور کھاتی بھی کچھ نہیں۔ اس کے بعد تم دروازہ بند کر کے نیچے چلی جانا۔'' فرماتی ہیں: میں نے یہ سب کچھ کیا۔ پھر تھوڑی دیر بیٹھی رہی۔ میں نے ایک بھنبھناہٹ سی محسوس کی۔ جب میں اوپر گئی تو وہ فوت ہو گئے۔ [1]

اے صحابی رسول! اللہ آپ پر اپنی رحمتیں نازل فرمائے۔ اور آپ کو اتنے انعامات عطا فرمائے جتنی آپ نے اسلام اور مسلمانوں کے لیے خدمات انجام دی تھیں۔ آمین!

آپ کی وفات 35ھ کو مدائن میں ہوئی۔ یہ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کا دورِ خلافت تھا۔ [2]

---

[1] الطبقات لابن سعد:4/93. [2] الاستیعاب:2/638.



آیات نازل ہونے کا سبب

سیدنا ابن عباس، ابن مسعود اور دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم سے مروی ہے کہ یہ آیت سیدنا سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کے بارے میں نازل ہوئی تھی:

﴿إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَالَّذِينَ هَادُوا وَالنَّصَارَىٰ وَالصَّابِئِينَ مَنْ آمَنَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَهُمْ أَجْرُهُمْ عِندَ رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ﴾

''بے شک جو لوگ ایمان لائے، اور جو یہودی، عیسائی اور صابی (بے دین) ہوئے، ان میں سے جو بھی اللہ پر اور یوم آخرت پر ایمان لایا اور نیک عمل کیے تو ان کا اجر ان کے رب کے پاس ہے، نہ تو انھیں کوئی خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔''[1]

امام سدی فرماتے ہیں: قرآن پاک کی یہ آیت سلمان فارسی سے متعلقہ راہبوں کے بارے میں اتری تھی۔

سیدنا سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے انھی راہبوں کے بارے میں آ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بتایا تھا کہ وہ فلاں فلاں طریقے سے عبادت کرتے ہیں۔ آپ رضی اللہ عنہ نے کہا تھا: اے

[1] أسباب نزول القرآن للواحدي، البقرة 2:62.

اللہ کے رسول! وہ نماز بھی پڑھتے تھے، روزہ بھی رکھتے تھے، آپ ﷺ پر ایمان بھی رکھتے تھے اور یہ گواہی بھی دیتے تھے کہ آپ ﷺ نبی بن کر مبعوث ہوں گے۔

جب سلمان رضی اللہ عنہ ان کی تعریف کر کے چپ ہوئے تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اے سلمان! وہ اہل جہنم میں سے ہیں۔''[1] اس وقت اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

﴿ إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَالَّذِينَ هَادُوا وَالنَّصَارَىٰ وَالصَّابِئِينَ مَنْ آمَنَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَهُمْ أَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ۝﴾

''بے شک جو لوگ ایمان لائے، اور جو یہودی، عیسائی اور صابی (بے دین) ہوئے، ان میں سے جو بھی اللہ پر اور یوم آخرت پر ایمان لایا اور نیک عمل کیے تو ان کا اجر ان کے رب کے پاس ہے، نہ تو انھیں کوئی خوف ہو گا اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔''[2]

امام واحدی نے مجاہد رحمہ اللہ سے بیان کیا ہے کہ جب سلمان رضی اللہ عنہ نے راہبوں کا قصہ بیان کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''وہ جہنمی ہیں۔'' سلمان رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ آپ ﷺ کا ارشاد عالی سن کر میرے لیے زمین اندھیری ہو گئی، پھر اللہ تعالیٰ نے مذکورہ آیت نازل فرمائی۔

امام طبری رحمہ اللہ نے سلمان رضی اللہ عنہ کا قصہ امام سدی کے حوالے سے نقل کیا ہے۔ امام سدی فرماتے ہیں کہ مذکورہ آیت ان راہبوں کے بارے میں نازل ہوئی تھی جن کے پاس سلمان فارسی رضی اللہ عنہ مقیم رہے۔ سلمان رضی اللہ عنہ بادشاہ کے بیٹے کے دوست تھے۔ دونوں ہر کام ایک دوسرے سے پوچھ کر اور باہم مشورے سے کرتے تھے۔ شکار کھیلنے بھی

[1] أسباب نزول القرآن للواحدي، ص: 23. [2] البقرة 2:62.

اکٹھے جاتے تھے۔ ایک دن جب وہ شکار کھیل رہے تھے، انھیں ایک خیمہ نما گھر نظر آیا۔ وہاں پہنچے تو دیکھا کہ ایک آدمی بیٹھا ہے، اس کے سامنے ایک کتاب موجود تھی، وہ اسے پڑھ بھی رہا تھا اور رو بھی رہا تھا۔ دونوں نے سوال کیا: ''یہ کیا ہے؟'' اس آدمی نے کہا: جو شخص اس کے بارے میں جاننا چاہتا ہے وہ یہاں کھڑے ہو کر نہیں پوچھتا۔ اگر تم واقعی اس کے بارے میں جاننا چاہتے ہو تو بیٹھ جاؤ، میں تمھیں آگاہ کرتا ہوں۔ وہ دونوں بیٹھ گئے تو اس نے کہا: یہ وہ کتاب ہے جو اللہ کی طرف سے آسمان سے نازل ہوئی ہے۔ اس کتاب میں اللہ تعالیٰ نے اپنی اطاعت کا حکم دیا ہے اور نافرمانی سے روکا ہے۔ اس میں لکھا ہے: ''تم زنا نہ کرو، چوری نہ کرو اور باطل طریقے سے لوگوں کا مال مت کھاؤ۔'' اس نے اور بہت سے مسائل پڑھ کر سنائے۔ یہ انجیل تھی جسے اللہ تعالیٰ نے سیدنا عیسیٰ علیہ السلام پر نازل کیا تھا۔ یہ اچھی باتیں ان دونوں کے دلوں میں بیٹھ گئیں چنانچہ وہ اس کے پیروکار بن گئے۔

اس پادری نے ان دونوں سے کہا: ''تمھاری قوم کا ذبیحہ تم پر حرام ہے۔'' وہ کچھ عرصہ اس کے پاس جاتے رہے اور اس کی تعلیمات سیکھتے رہے۔ جب عید کا موقع آیا تو بادشاہ نے کھانے کی دعوت عام دی اور لوگوں کو جمع کیا اور بڑے بڑے سرداروں کو دعوت پر بلایا۔ بادشاہ نے اپنے بیٹے کے دوست کو بھی دعوت دی لیکن اس نے انکار کر دیا اور کہا: ''ہم تمھارے ذبح کیے ہوئے جانور کا گوشت نہیں کھاتے۔ تم کافر ہو اور کافروں کا ذبیحہ حلال نہیں ہوتا۔'' بادشاہ نے کہا: ''یہ بات تمھیں کس نے کہی ہے؟'' اس نے کہا: ''راہب نے''۔ بادشاہ نے راہب کو بلایا اور پوچھا: ''یہ لڑکا کیسی باتیں کر رہا ہے؟'' راہب نے کہا: ''تیرا بیٹا صحیح کہتا ہے۔'' بادشاہ نے کہا: ''اگر ہمارے معاشرے

میں قتل کرنا بہت بڑا جرم نہ ہوتا تو میں تمھیں قتل کر دیتا۔ اب جلدی سے ہمارے علاقے سے نکل جاؤ۔'' چنانچہ ایک مدت تک کے لیے اسے وہاں سے نکال دیا گیا۔

سیدنا سلمان فارسی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ''ہم اس راہب کے غم میں رونے لگے۔''[1]

راہب نے ان سے کہا: ''میں موصل کے ایک معبد خانے میں رہوں گا، وہاں میرے ساتھ ساٹھ (60) آدمی اور ہوں گے۔ ہم اللہ تعالیٰ کی عبادت کریں گے۔ اگر تم مخلص ہو تو وہاں آ جانا۔''

جب سلمان رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جا ملے تو یہ سارا قصہ سناتے ہوئے کہا: (اے اللہ کے رسول!) وہ روزے بھی رکھتے تھے، نماز بھی پڑھتے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان بھی رکھتے تھے اور یہ گواہی دیتے تھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم عنقریب مبعوث ہوں گے۔ جب سلمان رضی اللہ عنہ اپنی بات کر چکے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''سلمان! وہ اہل نار میں سے ہیں۔''[2] سلمان رضی اللہ عنہ کو بہت صدمہ ہوا۔ سلمان رضی اللہ عنہ نے یہ بات بھی کہی تھی کہ اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو وہ پا لیتے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق اور پیروی کرتے۔ اس وقت اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

﴿إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَالَّذِينَ هَادُوا وَالنَّصَارَىٰ وَالصَّابِئِينَ مَنْ آمَنَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَهُمْ أَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ﴾

''بے شک جو لوگ ایمان لائے، اور جو یہودی، عیسائی اور صابی (بے دین) ہوئے، ان میں سے جو بھی اللہ پر اور یوم آخرت پر ایمان لایا اور نیک عمل

[1] تفسير الطبري، والدر المنثور: 73/1. [2] تفسير الطبري: 154/1، 155.

کیے تو ان کا اجر ان کے رب کے پاس ہے، نہ انھیں کوئی خوف ہو گا اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔''[1]

مذکورہ آیت نازل ہونے کے بعد آپ ﷺ نے سلمان رضی اللہ عنہ کو بلایا اور فرمایا: ''یہ (مذکورہ) آیت تمھارے ساتھیوں کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔'' پھر فرمایا: ''جو شخص عیسیٰ علیہ السلام کے دین پر اسلام کی حالت میں مرا جبکہ اس نے ابھی میری نبوت کی خبر نہیں سنی تھی تو وہ خیر حاصل کر لے گا اور جس نے میری نبوت کی اطلاع سنی لیکن ایمان نہ لایا تو وہ ابدی ہلاکت میں چلا جائے گا۔''[2]

[1] البقرۃ 2: 62. [2] الدر المنثور: 1/73، 74، و تفسیر الطبري: 1/155.

ذرا غور فرمائیے

اے محمد ﷺ کے پیروکارو! غور کرو، وہ صحابۂ کرام جو مدرسۂ قرآن کے فاضل تھے، کتنے عظیم لوگ تھے۔ اور وہ کیسا بے مثال منہج تھا جس پر قرآن نے انھیں چلایا۔ واقعی وہ دنیائے انسانیت کا بے مثل منہج تھا۔ ایسا منہج کہ جس پر چلنے کی وجہ سے شیطان کے حربے بھی ناکام ہوئے اور وہ لوگ دنیا میں رہ کر آخرت کے ہو گئے۔ مصیبت آنے پر وہ واویلا کرتے نہ نعمت ملنے پر اتراتے۔ فقیری انھیں اللہ کے ذکر سے غافل نہ کرتی اور تونگری انھیں سرکش نہیں بناتی تھی۔ تجارت انھیں غافل کرتی، نہ قوت انھیں ظالم بناتی تھی۔ ایسے عظیم لوگوں کی زندگی پر غور کر کے انسان تعجب میں پڑ جاتا ہے کہ آخر وہ کیسے جلیل القدر انسان تھے۔

یہ سب مدرسۂ ایمان اور مدرسۂ تربیت کا اثر تھا اور اس اسوۂ حسنہ کا اثر تھا جو انھیں قوتِ ارادی، قوتِ ایمان، قوتِ دلیل، قوتِ محاسبۂ نفس اور عدل و انصاف سے بھر دیتا تھا۔

غور کیجیے! جعفر بن ابی طالب اور ان کے رفقاء ہجرت کر کے حبشہ کو جا رہے ہیں۔ بے سروسامان ہیں۔ سرکش اور شریر لوگوں نے نکلنے پر مجبور کر دیا ہے۔ ظالم و جابر لوگ ظلم و جبر کی شمشیریں لے کر ان پر ٹوٹ پڑے ہیں۔ وہ حبشہ پہنچتے ہی ہیں کہ قریش

نے پیچھے سے آدمی بھیج دیے تاکہ انھیں دوبارہ اپنی قید و بند اور رسوائی میں مبتلا کر سکیں۔ اسی دوران وہ شاہ حبشہ کے دربار میں پہنچ جاتے ہیں۔ اور سر اٹھا کر اس حالت میں داخل ہوتے ہیں کہ ان کے دل اس بات پر مطمئن ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی نصرت و مدد ضرور نازل ہو گی۔ یہ دیکھتے ہوئے درباری پادری آگے بڑھتے ہیں اور کہتے ہیں: ''باقی رعایا کی طرح تم بھی جھک جاؤ۔'' لیکن دین کے لیے ہجرت کرنے والے سیدنا جعفر رضی اللہ عنہ بڑے فخر، ایمان اور عزت سے کہتے ہیں: ''ہرگز نہیں، ہم صرف اللہ کے آگے جھکتے ہیں۔''

آپ نے دیکھا کہ دنیا ان کی نظر میں کس قدر بے وقعت ہو گئی تھی۔ اور کس طرح ان کے دل قوتِ ایمان سے بھر گئے تھے۔ انھیں صرف اللہ کا خوف تھا اور وہ صرف اللہ کے عذاب سے ڈرتے تھے۔

ایرانی فوج کا سپہ سالار رستم سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کو لکھتا ہے کہ آپ کوئی آدمی ہماری طرف بھیجیں تاکہ ہم اس کے ذریعے مسلمانوں کا تعارف حاصل کر سکیں۔ آپ رضی اللہ عنہ نے ربعی بن عامر کو بھیجا۔ وہ آئے اور دیکھا کہ ایرانیوں نے بڑے قیمتی اور ریشمی تکیے لگائے ہوئے ہیں۔ بڑے قیمتی یاقوت سجا رکھے ہیں۔ رستم نے تاج پہنا ہوا ہے اور سونے کی چارپائی پر بیٹھا ہوا ہے۔

دوسری طرف ربعی بن عامر رضی اللہ عنہ اس حالت میں داخل ہوتے ہیں کہ بڑے پرانے اور بوسیدہ کپڑے زیب تن ہیں۔ معمولی سا گھوڑا ہے۔ گھوڑے سے اترے نہیں بلکہ ان کے قالین کو روندتے ہوئے دربار میں پہنچے اور پھر اتر کر وہیں کسی تکیے کے ساتھ گھوڑے کو باندھا اور رستم کی طرف چل دیے۔ اسلحہ، زرہ اور خود سر پر ہے۔ محافظ

آگے بڑھے اور کہنے لگے: ''اپنا اسلحہ اتارو۔'' انھوں نے کہا: ''میں تمھارے پاس خود چل کر نہیں آیا، تم نے دعوت دی تھی۔ اگر اسی حالت میں اندر جانے دیتے ہو تو ٹھیک ہے، ورنہ میں واپس چلا جاتا ہوں۔'' رستم نے کہا: ''انھیں اندر آنے دو۔'' آپ آئے اور تکیے پر نیزہ رکھ کر اس کی ٹیک لگائی جس کی وجہ سے وہ تکیہ پھٹ گیا۔

اس نے ربعی بن عامر سے پوچھا: ''تمھارا کیا پیغام ہے؟ آپ نے جواب دیا: ''اللہ تعالیٰ نے ہمیں بھیجا ہے تاکہ ہم بندوں کو بندوں کی عبادت سے ہٹا کر اللہ کی عبادت پر لگا دیں۔ دنیا کی تنگیوں سے نکال کر آخرت کی وسعت کی طرف توجہ دلائیں اور باطل ادیان کے ظلم و زیادتی سے اسلام کے عدل کی طرف لے آئیں۔''

غور فرمایئے! ربعی نے کہا: ''اللہ تعالیٰ نے ہمیں بھیجا ہے۔'' کیسا عظیم جواب ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انھیں لوگوں پر حملہ کرنے کے لیے نہیں بلکہ لوگوں کے دلوں کی دنیا بدل دینے کے لیے بھیجا تھا۔ آپ نے ان کے سامنے منہج اسلام کی چند بنیادی باتیں رکھیں اور کہا کہ صرف اللہ وحدہ لاشریک کی عبادت کی جائے۔ بندوں کو بندوں کی غلامی اور خواہشات کی غلامی سے نکالا جائے۔ اسلام کا نظام عدل قائم کیا جائے اور عوام الناس کو منحرف اور گمراہ لوگوں کے جال سے نکالا جائے۔

ایک بدوی (دیہاتی) اسلام کا تعارف حاصل کرنے کے لیے آتا ہے۔ نبی ﷺ کی ہر مجلس میں شرکت کرتا ہے اور ہر ہر بات نوٹ کرتا ہے حتی کہ علم و حکمت سے پر ہو جاتا ہے۔ جب غزوۂ خیبر ہوا اور مال غنیمت آیا تو آپ ﷺ نے اس کا حصہ بھی نکالا۔ یہ مسلمانوں کی سواریوں کی دیکھ بھال کرتا تھا۔ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اس کا حصہ لے کر آئے تو اس نے کہا: ''یہ کیا ہے؟'' انھوں نے جواب دیا: ''رسول اللہ ﷺ نے

تمھارے لیے غنیمت میں سے حصہ نکالا ہے۔'' وہ حصہ لے کر رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا اور کہا: ''اے اللہ کے رسول! یہ کیا ہے؟'' آپ ﷺ نے فرمایا: ''یہ میں نے تمھارے لیے مال غنیمت کا حصہ نکالا ہے۔'' اس نے کہا: ''میں نے اس مقصد کے لیے تو آپ کی اتباع نہیں کی تھی۔ میں نے تو اس مقصد کے لیے آپ کی اتباع کی تھی کہ میں ادھر اُدھر دیکھوں (یہ کہتے ہوئے اس نے اپنے اسلحہ کی طرف اشارہ کیا) شہید ہو جاؤں اور پھر جنت میں چلا جاؤں۔'' آپ ﷺ نے فرمایا: ''اگر تم مخلص ہو تو اللہ تعالیٰ تمھاری اس بات کو ضرور سچا ثابت کر دے گا۔'' پھر کچھ عرصہ بعد اللہ کے دشمنوں کے ساتھ قتال کا موقع آیا تو یہ شہید ہو گئے۔ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اس کی میت کو نبی ﷺ کی خدمت میں لائے تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''کیا یہ وہی بدوی ہے؟'' جواب ملا: جی ہاں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اس نے دل سے سچی بات کی تھی، اللہ تعالیٰ نے سچ ثابت کر دی۔''[1]

اے امت محمد! تمھیں ان جیسے لوگوں پر رشک کیوں نہیں آتا۔ سلمان رضی اللہ عنہ بھی انھی لوگوں میں سے تھے۔

[1] زاد المعاد: 190/2.



دوسری آیت

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

﴿مَنْ كَفَرَ بِاللّٰهِ مِنْ بَعْدِ اِيْمَانِهٖٓ اِلَّا مَنْ اُكْرِهَ وَقَلْبُهٗ مُطْمَئِنٌّۢ بِالْاِيْمَانِ وَلٰكِنْ مَّنْ شَرَحَ بِالْكُفْرِ صَدْرًا فَعَلَيْهِمْ غَضَبٌ مِّنَ اللّٰهِ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ۝﴾

''جو شخص اپنے ایمان کے بعد اللہ سے کفر کرے، سوائے اس کے جس پر جبر کیا گیا اور اس کا دل ایمان پر مطمئن تھا، لیکن جس نے کفر کے لیے (اپنا) سینہ کھول دیا (راضی خوشی کفر کیا) تو ایسے لوگوں پر اللہ کا غضب ہے، اور ان کے لیے بہت بڑا عذاب ہے۔''[1]

---

[1] النحل 16:106.

نزولِ آیات کے متعلق علماء کے اقوال

مفسرین کا کہنا ہے کہ یہ آیت سیدنا عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما کے متعلق نازل ہوئی تھی۔

دیکھیے : تفسیر القرطبي:10/180.

تفسیر الطبري:14/122.

تفسیر ابن کثیر:2/587.

تفسیر فخر الرازي:5/351.

تفسیر البغوي و الخازن:4/95-96.

تفسیر الدر المنثور:4/357۔

آیئے! سیدنا عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما کے بارے میں پڑھتے ہیں۔



سیدنا عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما

آپ سابقون اولون صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم میں سے ہیں۔ بیعتِ رضوان میں بھی شامل تھے۔ آپ اس عظیم معرکۂ بدر میں بھی شامل تھے جس میں اللہ کے فرشتے مومنوں کے ساتھ مل کر کفار سے لڑے تھے۔ آپ کے والد یاسر بھی سابقون میں سے ہیں۔ انھیں قریش نے کمزور سمجھ کر عذاب الیم میں مبتلا کیے رکھا تھا۔ انھیں گرم تپتی ریت پر لٹا دیا جاتا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم قریب سے گزرتے تو فرماتے: ''اے آل یاسر! صبر کرنا، تمھارا ٹھکانا جنت ہے۔''[1]

آپ کی والدہ محترمہ کا نام سمیہ رضی اللہ عنہا تھا۔ وہ اسلام کی راہ میں شہید ہونے والی پہلی خاتون ہیں۔ آپ کا ایک بھائی عبداللہ تھا جسے بنو دیل نے جاہلیت کے دور میں قتل کر دیا تھا۔

حلیہ اور صفات

آپ اونچے قد کے مالک تھے۔ بیٹھے بھی ہوتے تو ایسا معلوم ہوتا کہ کھڑے ہیں۔ چلتے تو معلوم ہوتا کہ سوار ہیں۔ آنکھیں سرمگین تھیں۔ کندھوں کے درمیان فاصلہ زیادہ

[1] الطبقات لابن سعد: 249/3.

تھا۔ بال گھنگریالے تھے۔ کنپٹیوں کے بال سفید تھے۔ کم گو تھے، خاموش طبع تھے۔ ہر وقت اللہ تعالیٰ سے پناہ مانگتے تھے۔ دعوت اسلام سرِ آغاز ہی سن چکے تھے۔ جب رسول اللہ ﷺ خانہ کعبہ میں قرآن پاک کی تلاوت کرتے تو یہ سنتے تھے، انھوں نے فیصلہ کیا کہ محمد ﷺ کے قریب جا کر ان کا قرآن سنا جائے لیکن یہ کیسے ممکن تھا؟ جبکہ سارے قریش ماسوائے ان کے جنھیں اللہ تعالیٰ نے بچا رکھا تھا، جاسوسی کر رہے تھے، دار ارقم جانے والے رستے پر گھات لگائے بیٹھے تھے اور وہاں جانے والوں کو شدید تکلیف پہنچاتے تھے۔ ان تمام باتوں سے عمار رضی اللہ عنہ آگاہ تھے لیکن ان کے بس میں نہیں تھا کہ وہ محمد ﷺ سے دور رہ سکیں کیونکہ نور قرآن اور ایمان کی مٹھاس انھیں محمد ﷺ کی طرف کھینچے لیے جا رہی تھی۔

سیدنا عمار رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں دار ارقم کے دروازے پر سیدنا صہیب رضی اللہ عنہ سے ملا۔ رسول اللہ ﷺ دار ارقم میں موجود تھے۔ میں نے ان سے پوچھا: ''آپ یہاں کس مقصد کے لیے آئے ہیں؟'' انھوں نے مجھ سے پوچھ لیا: ''آپ کا کیا ارادہ ہے؟'' میں نے کہا: ''میرا ارادہ ہے کہ میں محمد ﷺ کے پاس جاؤں اور ان کا کلام سنوں۔'' انھوں نے کہا: ''میرا بھی یہی ارادہ ہے۔'' چنانچہ ہم آپ ﷺ کے پاس پہنچے۔ آپ ﷺ نے ہمیں اسلام کی دعوت دی تو ہم مسلمان ہو گئے۔ ہم نے پورا دن وہاں گزارا، جب شام ہوئی تو ہم چھپتے چھپاتے وہاں سے نکل آئے۔[1]

سیدنا عمار رضی اللہ عنہ نے اپنے گھر میں ایک مسجد بنا لی۔ اپنے گھر میں گھر والوں کے ساتھ نماز پڑھتے تھے کیونکہ وہ بھی محمد ﷺ پر ایمان لا چکے تھے۔ اس مسجد میں عمار رضی اللہ عنہ

[1] الطبقات لابن سعد: 247/3.

قرآن کی آیات تلاوت کرتے تھے اور گھر والوں کو قرآن سکھاتے تھے۔ وہ حتی المقدور آواز کو پست رکھنے کی کوشش کرتے لیکن بعض اوقات ایمانی جذبے اور قرآن کی مٹھاس کی وجہ سے ان کی آواز بلند ہو جاتی تھی اور وہ قرآن اونچی آواز میں پڑھنے لگتے تھے۔ قرآن کی یہ آواز قریش نے سن لی۔ ان کی نظریں اس گھر پر مرکوز ہو گئیں۔ قریش نے عمار اور ان کے گھر والوں کی نمازوں کا مشاہدہ کیا اور ان کا خشوع دیکھا تو ان کے گھر پر ٹوٹ پڑے اور ان پر عذاب کا کوڑا برسانے لگے۔ اسی پر بس نہیں، ظالم قریشیوں نے انھیں گھر سے نکال دیا اور صحرا کی طرف لے گئے، ان کے کپڑے اتارتے اور انھیں تپتی ریت پر لٹاتے، ان پر بھاری پتھر رکھتے اور اتنے کوڑے برساتے کہ جسم چھلنی ہو جاتا، وہ ان کے پہلوؤں پر انگارے رکھتے تاکہ دوبارہ بتوں کی عبادت پر آجائیں اور محمد ﷺ کی دعوت کا انکار کر دیں۔

عمرو بن میمون کہتے ہیں: مشرکین نے عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما کو آگ میں جلایا۔ رسول اللہ ﷺ ان کے پاس سے گزرتے تو ان کے سر پر ہاتھ پھیر کر کہتے: ''اے آگ! عمار کے لیے اسی طرح ٹھنڈی اور سلامتی والی بن جا جس طرح ابراہیم علیہ السلام کے لیے بن گئی تھی۔'' [1]

سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں اور رسول اللہ ﷺ وادئ بطحاء میں چل رہے تھے۔ آپ ﷺ نے میرا ہاتھ پکڑا ہوا تھا۔ ہم ابو عمار، عمار اور ان کی ماں کے پاس سے گزرے۔ مشرکین انھیں عذاب دے رہے تھے۔ سیدنا یاسر رضی اللہ عنہ نے کہا: کیا یہی حالت برقرار رہے گی؟ آپ ﷺ نے انھیں مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:

---

[1] الطبقات لابن سعد: 248/1.

''صبر کرو، اے اللہ! تو آل یاسر کو معاف فرما۔''

ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں: ''اے آل یاسر! خوش ہو جاؤ، بے شک تمھارا ٹھکانا جنت ہے۔''[1]

عذاب کی یہی حالت برقرار رہتی ہے۔ ظالم عذاب پہنچانے میں کوئی کسر باقی نہیں چھوڑ رہے تھے۔ اس دوران میں ابوجہل سمیہ رضی اللہ عنہا کے قریب سے گزرتا ہے۔ ان کے سینے پر لات مارتا ہے۔ اور وہ کہتی ہیں: ''اللہ ایک ہے، اللہ ایک ہے۔'' ابوجہل بپھرے ہوئے بیل کی طرح باؤلا ہو جاتا ہے اور جب بھی سمیہ رضی اللہ عنہا کے منہ سے یہ کلمہ سنتا ہے تو انھیں پیٹنے لگ جاتا ہے تاکہ وہ یہ کلمہ نہ کہے۔ اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو (نعوذ باللہ) برا بھلا کہے لیکن وہ رکتی نہیں بلکہ اپنا محبوب ترین کلمہ اَحد، اَحد، اللہ ایک ہے، اللہ ایک ہے، دہرائے جاتی ہیں۔ ابوجہل سے یہ معاملہ برداشت نہ ہوا۔ اس نے اپنا نیزہ نکالا، شیطان نے اس کی مدد کی، ظالم نے سیدہ سمیہ رضی اللہ عنہا کے سینے میں ایسا زوردار نیزہ مارا کہ وہ آر پار ہو گیا جس سے ان کی موت واقع ہو گئی اور یوں انھوں نے اسلام میں پہلی شہید خاتون ہونے کا اعزاز حاصل کیا۔[2]

اس واقعے کے بعد کیا قریش کو ترس آیا اور کیا وہ اپنے مظالم سے باز آئے؟

حقیقت یہ ہے کہ سمیہ رضی اللہ عنہا کو قتل کرنے کے بعد وہ گناہ پر اور زیادہ مصر ہو گئے اور جو لوگ کہتے تھے کہ ہمارا رب اللہ ہے انھیں اپنے ظلم کا نشانہ بنایا۔ اس تمام صورت حال سے رحمتِ عالم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو شدید دکھ ہوتا لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اختیار میں کچھ نہ تھا۔ آخر آپ صلی اللہ علیہ وسلم انھیں حبشہ کو ہجرت کرنے کا حکم دیتے ہیں، لہٰذا اہل ایمان

---

[1] الطبقات لابن سعد: 229/1. [2] البداية والنهاية، جلد: 1، والكامل لابن الأثير: 67/2.

لگاتار وہاں جانے لگے۔ انھیں حبشہ میں نجاشی کے پڑوس میں امن اور سکون حاصل ہوا۔ اور وہ اپنے رب تعالیٰ کی عبادت کرنے پر قادر ہوئے۔

لیکن عمار رضی اللہ عنہ ہجرت نہ کر سکے۔ مکہ والے قریشی ان کی راہ میں حائل ہو گئے اور یوں وہ ایک مدت تک مکہ میں ان کے ظلم وستم کا نشانہ بنے رہے۔ تاہم دوسری ہجرت حبشہ کے وقت انھیں بھی ہجرت کا موقع مل گیا۔ اور حبشہ کے بادشاہ کی سرپرستی میں انھیں سکھ کا سانس نصیب ہوا لیکن وہ اپنے محبوب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی جدائی برداشت نہ کر سکے۔

اس دوران قریش نے ایک چال چلی اور یہ بات مشہور کر دی کہ انھوں نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کو قبول کر لیا ہے۔ یہ بات جب مہاجرین حبشہ نے سنی تو وہ دوڑے دوڑے مکہ آ گئے۔ انھی میں سیدنا عمار رضی اللہ عنہ بھی شامل تھے۔ وہ ابھی مکہ میں تھوڑا ہی عرصہ رہے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں یثرب (مدینہ) کی طرف ہجرت کرنے کا حکم دے دیا۔ عمار رضی اللہ عنہ بھی دیگر صحابہ کے ساتھ مدینہ ہجرت کر گئے۔ مدینہ پہنچ کر بھی آپ کی نظریں مکہ کے راستے پر جمی رہتی تھیں کہ کب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لاتے ہیں۔ وہ روزانہ مدینہ کے داخلی راستوں پر جاتے اور گزرنے والے قافلوں سے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا حال پوچھتے۔

پھر ایک دن ایسا آیا کہ اس جیسا دن پہلے کبھی نہیں آیا تھا۔ مدینہ کے مرد، عورتیں، جوان، بوڑھے اور بچے مدینہ سے باہر آ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ساتھی ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا استقبال کر رہے تھے اور یہ میٹھا ترانہ گا رہے تھے:

طلع البدر علینا من ثنیات الوداع
وجب الشکر علینا ما دعا للہ داع

أيها المبعوث فينا جئت بالأمر المطاع
جئت شرفت المدينة مرحباً يا خير داع

''چودھویں کا چاند ہم پر مدینے کے اطراف سے طلوع ہوا۔ جب تک اللہ کو پکارنے والا پکارے، ہم پر اللہ کا شکر واجب ہے۔ اے مبعوث کیے گئے نبی ﷺ! آپ واجب الاتباع دین لے کر آئے۔ اے عمدہ تعلیم دینے والے خوش آمدید! آپ کے آنے سے مدینہ کو عزت وشرف ملا۔''[1]

سیدنا عمار رضی اللہ عنہ نے محسوس کیا کہ اللہ تعالیٰ نے انھیں ان کی توقع سے بڑھ کر نوازا۔ اور ان کی ہر تمنا کو پورا کیا ہے۔ کفر سے ہٹا کر اسلام کی دولت سے نوازا۔ بنو مخزوم کی غلامی سے نکال کر اللہ نے اپنی غلامی عطا کر دی۔ بے گھر تھا، اللہ کے رسول ﷺ نے گھر بھی عطا کر دیا۔ اکیلا تھا، کوئی دوست نہیں تھا۔ اللہ کے رسول ﷺ نے ان کے اور حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ کے درمیان بھائی چارہ قائم کر دیا۔

سیدنا حذیفہ رضی اللہ عنہ بہت سی صفات اور نظریات میں عمار رضی اللہ عنہ کے موافق تھے۔ اگر عمار رضی اللہ عنہ علم کی دولت سے مالا مال تھے تو حذیفہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کے راز دان اور منافقین کو پہچاننے والے تھے۔ دونوں اسلامی بھائی رسول اللہ ﷺ کے ہر ایک حکم پر لبیک کہنے والے تھے۔ اگر عمار رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کر کے بڑے بڑے شیطانوں کو پچھاڑ دیتے تھے تو حذیفہ رضی اللہ عنہ بھی رسول اللہ ﷺ کے حکم پر لبیک کہتے اور دشمن کی خبریں لے آتے تھے حتی کہ ایک خوفناک موقعے پر، یعنی غزوۂ خندق کے وقت جب مسلمان شدید مصیبت و پریشانی سے دوچار ہوئے جسے قرآن نے ان الفاظ میں

[1] السيرة النبوية لابن هشام: 494/1، و زادالمعاد: 55/2.

بیان کیا ہے:

﴿إِذْ جَآءُوكُم مِّن فَوْقِكُمْ وَمِنْ أَسْفَلَ مِنكُمْ وَإِذْ زَاغَتِ الْأَبْصَارُ وَبَلَغَتِ الْقُلُوبُ الْحَنَاجِرَ وَتَظُنُّونَ بِاللَّهِ الظُّنُونَا ۝ هُنَالِكَ ابْتُلِيَ الْمُؤْمِنُونَ وَزُلْزِلُوا زِلْزَالًا شَدِيدًا ۝﴾

''جب دشمن تم پر تمھارے اوپر (کی طرف) سے اور تمھارے نیچے (کی طرف) سے چڑھ آئے، اور جب آنکھیں (خوف و ہراس کی وجہ سے اصل جگہ سے) ہٹ گئیں، اور کلیجے حلقوں کو پہنچ گئے، اور تم اللہ کے بارے میں طرح طرح کے گمان کرنے لگے۔ وہاں مومن آزمائے گئے اور شدت سے ہلا مارے گئے۔'' [1]

سیدنا حذیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بلایا اور فرمایا: ''حذیفہ! جاؤ اور دشمن قوم میں ضم ہو جاؤ اور جائزہ لو کہ وہ کیا کر رہے ہیں لیکن کسی سے کچھ نہ کہنا۔''

وہ فرماتے ہیں: میں چل پڑا اور دشمن کی صفوں میں گھس گیا۔ اس وقت تیز ہوا چل رہی تھی اور اللہ کے لشکر اپنا کام دکھا رہے تھے۔ کوئی ہنڈیا چولہے پر نکتی، نہ آگ بھڑکتی تھی، نہ کوئی خیمہ ٹک رہا تھا۔ ابوسفیان کھڑا ہوا اور کہنے لگا: اے جماعت قریش! ہر بندہ اپنے ساتھی کا تعارف حاصل کرے۔ حذیفہ رضی اللہ عنہ نے کہا: میں نے فوراً اپنے ساتھ بیٹھے ہوئے شخص کا ہاتھ پکڑ لیا اور پوچھا: آپ کون ہیں؟ اس نے کہا: فلاں بن فلاں۔

پھر ابوسفیان نے کہا: اے گروہ قریش! اللہ کی قسم! تم نے کسی اچھی جگہ پڑاؤ نہیں کیا۔ سواریاں ہلاک ہوگئی ہیں، بنو قریظہ نے ہمیں دھوکا دیا ہے اور تم دیکھ رہے ہو کہ کس قدر تیز ہوا چل رہی ہے۔ نہ دیگیں اپنی جگہ پر رہتی ہیں اور نہ آگ جلتی ہے۔ خیمے بھی اڑتے جا رہے ہیں، لہٰذا یہاں سے کوچ کرو، میں بھی کوچ کر رہا ہوں۔ [2]

[1] الأحزاب 33:10، 11. [2] السيرة النبوية لابن هشام: 3/250، 251.

پھر وہ اپنے اونٹ کی طرف گیا، وہ بندھا ہوا تھا، اس پر بیٹھا اور اسے کچوکا مارا تو وہ اٹھ کھڑا ہوا۔ اللہ کی قسم! جب اس نے اپنا اونٹ کھولا تو وہ ٹھیک میرے نشانے پر تھا۔ اگر رسول اللہ ﷺ کا مجھے یہ حکم نہ ہوتا کہ کسی سے کوئی تعرض نہیں کرنا تو میں اسے تیر مار کر ہلاک کر دیتا۔ حذیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: پھر میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں واپس آیا۔ آپ ﷺ اپنی کسی بیوی کی چادر میں نماز پڑھ رہے تھے۔ جب آپ ﷺ نے مجھے دیکھا تو مجھ پر وہ چادر بھی ڈالی۔ پھر آپ ﷺ نے سجدہ کیا اور جب سلام پھیرا تو میں نے آپ کو ساری رپورٹ پیش کر دی۔ [1]

سیدنا حذیفہ رضی اللہ عنہ کے اعمال میں اپنے آپ کو قربان کرنے کا جذبہ صاف ظاہر ہے، یعنی بلا تردد رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کرنا اور ہدف تک کامیابی سے پہنچنا۔ انھوں نے دشمن کی خوب خبر لی۔ وہ دشمن کی صفوں میں کھڑے تھے۔ چاہتے تو لشکر کفار کے کمانڈر کو قتل کر سکتے تھے لیکن چونکہ انھیں اس بات کا حکم نہیں تھا، اس لیے سیدھے رسول اللہ ﷺ کے پاس واپس تشریف لے آئے، اسی میں آپ ﷺ کی خوشی اور رضا مندی تھی۔ انھی صفات کو سامنے رکھتے ہوئے آپ ﷺ نے انھیں عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما کا بھائی بنایا۔

مدینہ میں رسول اللہ ﷺ نے اپنے صحابہ کو جن بڑے فضیلت والے کاموں پر لگایا ان میں سے ایک مسجد نبوی کی تعمیر تھی۔ اس عمل جلیل میں آپ ﷺ نے خود بھی شرکت فرمائی۔ آپ ﷺ کام بھی کر رہے تھے اور ساتھ ساتھ یہ شعر بھی پڑھ رہے تھے:

[1] السیرۃ النبویۃ لابن ہشام: 251/3.

لا عیش إلا عیش الآخرة

اللّٰهم ارحم الأنصار و المهاجرة

''اصل زندگی تو آخرت کی زندگی ہے۔ اے اللہ! انصار اور مہاجرین پر رحم فرما۔''

اس دوران میں عمار رضی اللہ عنہ آئے، صحابہ کرام نے ان پر اینٹیں لادیں ہوئیں تھیں۔ انھوں نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! انھوں نے مجھے مار ڈالا ہے۔ مجھ پر اتنا وزن لاد دیا ہے جو میں اٹھا نہیں سکتا۔ سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: ''میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ ان کے سر کے بال اپنے مبارک ہاتھ سے جھاڑ رہے تھے۔ عمار رضی اللہ عنہ کے بال گھنگریالے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان سے فرما رہے تھے: ''نہیں، ابن سمیہ! یہ تجھے قتل نہیں کریں گے بلکہ ایک باغی فرقہ تجھے قتل کرے گا۔''[1]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عمار رضی اللہ عنہ کے قاتلوں کی تحدید فرما دی کہ تجھے میرے صحابہ قتل نہیں کریں گے اور یہ کہ وہ کوئی کافر یا مشرک نہیں ہوں گے بلکہ مسلمانوں ہی کی ایک جماعت ہوگی لیکن وہ حق سے پھر چکے ہوں گے۔

مسلمان مسجد نبوی کی تعمیر سے فارغ ہوئے۔ دن گزرتے رہے اور ایک دن کچھ لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو عمار رضی اللہ عنہ کی وفات کی خبر دینے آ گئے، انھوں نے بتایا کہ ان پر ایک دیوار گر پڑی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''عمار رضی اللہ عنہ فوت نہیں ہوئے۔ ابن سمیہ کو تو ایک باغی فرقہ قتل کرے گا۔''[2]

رسول اللہ کا فرمان سچ ثابت ہوا اور کیوں نہ ہوتا جبکہ اللہ تعالیٰ خود فرماتا ہے:

﴿وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ۝ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى ۝﴾

[1] السيرة النبوية لابن هشام: 114/2، والطبقات: 251/3. [2] الطبقات: 254/3.

''اور وہ (محمد ﷺ) اپنی خواہش سے نہیں بولتے مگر وہ وحی ہوتی ہے جو ان کی طرف کی جاتی ہے۔'' [1]

سیدنا عمار رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تمام غزوات میں شریک رہتے تھے۔ غزوۂ بدر میں وہ ایک زبردست شکاری بنے ہوئے تھے، جو مشرک رسول اللہ ﷺ تک پہنچنا چاہتا تھا وہ اس کی کھوپڑی کا شکار کر رہے تھے۔ غزوۂ احزاب کے موقع پر خندق بھی کھودی تھی۔ بیعت رضوان میں آگے بڑھ کر انھوں نے رسول اللہ ﷺ کے ہاتھ پر موت کی بیعت کی تھی۔ حجۃ الوداع کے موقع پر رسول اللہ ﷺ کے مبارک الفاظ انھوں نے یاد کر لیے تھے اور آپ ﷺ کے اعمال کے داعی بنے تھے۔ جب سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے رسول اکرم ﷺ کی موت کی خبر دی تھی تو ان کے آنسو تھمتے نہ تھے۔ اسی دن سے انھوں نے اللہ کی راہ میں ہجرت کرنے کی ٹھان لی تھی۔ آپ اپنے رب سے شہادت کی دعا کرتے رہتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا قبول کر لی۔

رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد جزیرہ نمائے عرب میں بڑی عجیب و غریب سازشیں اور فتنے شروع ہو گئے۔ مردوں کے ساتھ ساتھ عورتوں نے بھی نبوت کے دعوے شروع کر دیے اور بہت سارے لوگ مرتد ہو گئے اور بعض لوگوں نے زکاۃ کا انکار کر دیا۔

ان سازشی اور مرتد گروہوں کے خلاف سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اٹھ کھڑے ہوئے انھوں نے ان کذاب مدعیان نبوت کے خلاف ایک لشکر تیار کیا۔ انھی معرکوں میں ایک

[1] النجم 53:3،4۔

یمامہ کا معرکہ بھی ہے۔ ان حالات میں عمار رضی اللہ عنہ کہاں تھے؟ کیا اس نازک گھڑی میں وہ غائب تھے؟ نہیں، ایسا نہیں ہو سکتا تھا۔ وہ ایک بلند ٹیلے پر باغ کے دروازے کے سامنے دلیرانہ لڑ رہے تھے اور مجاہدین اسلام کو پکار رہے تھے۔

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ میں نے یمامہ کے دن عمار رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ وہ ایک چٹان پر کھڑے ہیں اور زور زور سے پکار رہے ہیں: ''اے مسلمانو! کیا جنت سے دور بھاگ رہے ہو؟ میں عمار بن یاسر ہوں، میری طرف آؤ۔'' میں دیکھ رہا تھا کہ ان کا کان کٹ چکا تھا، خون تیزی سے بہہ رہا تھا اور وہ دشمن کے خلاف بڑی زوردار لڑائی لڑ رہے تھے۔

مسلمانوں نے نصرت الٰہی کے ساتھ جزیرہ نمائے عرب کو پھر اپنے قبضے میں لے لیا۔ پھر خلیفۂ رسول سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بھی فوت ہو گئے۔ ان کے بعد سیدنا عمر رضی اللہ عنہ خلیفہ بنے۔ انھوں نے ایک اللہ کی عبادت اور دین کی نشر و اشاعت کی غرض سے کچھ لوگوں کو فارس اور روم بھیجا۔ صحابۂ کرام میں سے کچھ لوگوں کو ان لشکروں کا کمانڈر بنایا، کچھ کو مشاورت کے لیے اپنے ساتھ رکھا، کچھ کو صوبوں کا گورنر اور عاملین زکاۃ بنایا جبکہ کچھ حضرات کو دعوت دین اور مسائل شرعیہ سکھانے کے لیے منتخب کیا۔ آپ نے سیدنا عمار رضی اللہ عنہ کو کوفے کا گورنر بنایا۔ اور ان (اہل کوفہ) کو ایک خط لکھا:

''اما بعد! میں نے عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما کو تمھارا امیر اور ابن مسعود رضی اللہ عنہما کو معلم اور وزیر بنا کر بھیجا ہے۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہما کو بیت المال کا مسئول بھی بنایا ہے۔ یہ دونوں اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم میں سے جلیل القدر صحابی ہیں اور اہل بدر میں سے ہیں۔ تم ان دونوں بزرگوں کی بات سنو اور اطاعت کرو۔'' [1]

[1] الاستيعاب في معرفة الأصحاب: 114/2، والطبقات: 255/3.

سیدنا عمار رضی اللہ عنہ اہل کوفہ کے ساتھ ایک عرصہ تک رہے۔ اس عرصے میں آپ ان کے اسی طرح فیصلے کرتے اور معاملات نمٹاتے رہے جس طرح اللہ اور اس کے رسول چاہتے تھے۔ آپ ایک زاہد، متقی اور اپنی رعایا سے محبت کرنے والے حاکم تھے۔ آپ کی طبیعت میں دیگر حکمرانوں کی طرح سختی اور بد خلقی نہ تھی۔ اپنا کام خود کرتے تھے، اپنا بوجھ بھی خود ہی اٹھاتے تھے۔

ابن ابی ہذیل کہتے ہیں: ''میں نے عمار رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ آپ نے ایک درہم میں کھیرا خریدا، اسے ایک رسی سے باندھا، پھر اپنی پیٹھ پر اٹھا لیا۔ اس وقت آپ کوفہ کے امیر تھے۔[1]

لیکن یہ عمدہ سیرت اہل کوفہ کو پسند نہ آئی۔ انھوں نے ان پر یہ تہمت لگائی کہ یہ امیر ہونے کے لائق نہیں، سیاست کو یہ نہیں جانتے اور انھیں یہ بھی معلوم نہیں کہ انھیں کس چیز کا مسئول اور عامل بنایا گیا ہے، چنانچہ سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے انھیں امارت سے ہٹا دیا اور پوچھا: ''میرا تمھیں معزول کرنا برا تو نہیں لگا؟ انھوں نے جواب دیا: ''جب مجھے امیر بنایا گیا تھا تو مجھے کوئی خوشی نہیں ہوئی تھی لیکن یوں معزول کیا جانا مجھے اچھا نہیں لگا۔'' امیر المومنین نے فرمایا: ''مجھے معلوم ہے کہ آپ عامل ہونے کے لائق نہیں ہیں لیکن میں نے تاویل کی تھی۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ وَنُرِيدُ أَن نَّمُنَّ عَلَى الَّذِينَ اسْتُضْعِفُوا فِي الْأَرْضِ وَنَجْعَلَهُمْ أَئِمَّةً وَنَجْعَلَهُمُ الْوَارِثِينَ ۝ ﴾

''اور ہم چاہتے ہیں کہ زمین میں کمزور سمجھے جانے والوں پر احسان کریں اور ہم انھیں امام اور وارث بنائیں۔''[2]

[1] الکامل لابن الأثیر:3/31. [2] القصص 28:5.

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا یہ قول کہ ''مجھے پتا تھا کہ آپ میں عامل بننے کی صفات پوری نہیں ہیں۔''

اس جملے میں سیدنا عمار رضی اللہ عنہ کے لیے کوئی عیب نہیں ہے۔ آپ صاحب عقل وشعور اور قلب سلیم کے مالک تھے جس نے انھیں اسلام کی طرف راغب کیا۔ آپ علم وحکمت سے پر تھے جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان گزر چکا ہے۔ آپ ماہر شہسوار تھے۔

جنگ صفین کے موقع پر آپ لوگوں کے پاس آئے اور گویا ہوئے: ''اے اللہ! تو جانتا ہے کہ اگر مجھے پتا چل جائے کہ تیری رضا اس میں ہے کہ میں اس سمندر میں کود جاؤں تو میں کود جاتا۔ اے اللہ! تو خوب جانتا ہے کہ اگر مجھے معلوم ہو جائے کہ تیری رضا اس میں ہے کہ میں اپنی اس تلوار کے ذریعے سے اپنی جان ختم کر دوں تو میں یہ بھی کر گزرتا۔ آج میں کوئی ایسا عمل نہیں جانتا جو مجھے ان فاسق لوگوں کے خلاف جہاد سے بڑھ کر افضل معلوم ہو۔ اور اگر مجھے اس سے بھی بڑھ کر کوئی عمل معلوم ہو جائے تو میں وہی عمل کرنے لگ جاؤں گا۔ اللہ کی قسم! میں ایسی قوم کو دیکھ رہا ہوں کہ وہ تمھیں ایسی ضرب لگائیں گے کہ باطل لوگ بھی اس پر پریشان ہو جائیں گے۔ اور اللہ کی قسم! اگر وہ ہمیں مار مار کر لہولہان بھی کر ڈالیں تب بھی مجھے یقین ہے کہ میں حق پر ہوں اور وہ باطل پر ہیں۔''[1]

پھر فرمایا: ''کون ہے جو اپنے رب تعالیٰ کی رضا چاہتا ہے اور اپنے مال و اولاد کی طرف واپس نہیں جانا چاہتا؟'' یہ سن کر ایک جماعت آپ کے پاس جمع ہو گئی۔ پھر آپ نے فرمایا: ''ہمارے ساتھ مل کر اس قوم کی طرف چلو جو عثمان رضی اللہ عنہ کے خون کا بدلہ

[1] مجمع الزوائد: 258/9.

چاہتی ہے۔ اللہ کی قسم! وہ عثمان رضی اللہ عنہ کے خون کا بدلہ نہیں چاہتے۔ اصل میں انھوں نے دنیا کی لذت چکھ لی ہے اور یہ لذت انھیں بہت اچھی لگ رہی ہے اور وہ جانتے ہیں کہ ہماری دنیاوی خواہشات کے راستے میں حق حائل ہو جائے گا، ان لوگوں نے کوئی ایسا کارنامہ بھی انجام نہیں دیا کہ جس کے عوض وہ لوگوں کی اطاعت کے حق دار ہوں یا وہ ان کے حاکم بنیں، پس انھوں نے اپنے پیچھے چلنے والوں کو دھوکا دیا ہے اور کہا ہے کہ ہمارے امام کو بے دردی سے قتل کر دیا گیا ہے تاکہ وہ بادشاہ اور جابر بن سکیں، چنانچہ وہ اس حد تک پہنچ گئے جسے تم دیکھ رہے ہو۔ اگر ان کے پاس یہ ایشو نہ ہوتا تو دو آدمی بھی ان کے ساتھ نہ ہوتے۔ اے اللہ! تو ہماری مدد کر اور تو نے ہمیشہ ہماری مدد کی ہے اور اگر تو معاملہ ان کے سپرد کرنا چاہتا ہے تو ان کا ہر عمل لکھ لے جو وہ تیرے بندوں پر ظلم کرنے کے لیے کر رہے ہیں۔''

اس کے بعد وہ جماعت کو ساتھ لے کر چل پڑے، وہ جس وادی سے بھی گزرتے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم میں سے جو حضرات بھی وہاں ہوتے وہ آپ کے ساتھ ہو لیتے۔[1]

سیدنا عمار رضی اللہ عنہ ہاشم بن عتبہ بن ابی وقاص کے پاس آئے۔ وہ لمبے قد والا انسان تھا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف سے علم بردار اور نابینا تھا۔ آپ رضی اللہ عنہ نے اس سے کہا: اے ہاشم! کیا تم نابینا ہو؟ اس نابینا میں کوئی بھلائی نہیں جو لڑائی نہیں کرتا۔ ہاشم سوار ہو جاؤ، چنانچہ وہ سوار ہوا اور عمار رضی اللہ عنہ کے ساتھ چل پڑا، وہ کہہ رہا تھا:

أعور يبغي أهله محلا   قد عالج الحياة حتى ملا
لابد أن يفل أو يفلا   يتلُّهُم بذي الكعوب تلا[2]

---

[1] الكامل لابن الأثير: 3/308، و الطبقات لابن سعد: 3/258. [2] الكامل لابن الأثير: 3/259، والمستدرك للحاكم: 3/447.

اور عمار رضی اللہ عنہ کہہ رہے تھے: ''ہاشم آگے بڑھو۔ جنت تلواروں کے سائے تلے ہے اور موت نیزے کی دھار کے نیچے ہے۔ آسمان کے دروازے کھل چکے، حوریں بناؤ سنگھار کیے انتظار میں بیٹھی ہیں۔ آج محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کی جماعت سے جاملو۔''[1]

سیدنا عمار رضی اللہ عنہ عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کے پاس جا پہنچے اور انھیں مخاطب کرتے ہوئے فرمایا: ''اے عمرو! تم نے ایک شہر کی خاطر اپنا دین بیچ ڈالا۔ یہ بڑی ہلاکت والا سودا ہے۔''[2] عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے کہا: ''نہیں، میں عثمان رضی اللہ عنہ کے خون کا بدلہ چاہتا ہوں۔'' عمار رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''مجھے تمھارے بارے میں جو کچھ معلوم ہے اس کے مطابق میں گواہی دیتا ہوں کہ تمھارا موجودہ فعل اللہ کی رضا کے لیے نہیں ہے۔ اگر تم آج قتل نہ ہوئے تو کل بہرحال مرنا ہی ہے۔ خوب غور وفکر کرلو کہ کل جب لوگوں کو ان کی نیت کے مطابق بدلہ دیا جائے گا تو تمھاری کیا نیت سامنے آئے گی۔ اے عمرو! جس راہ پر تم چل پڑے ہو یہ کوئی نیکی یا تقویٰ والی راہ نہیں ہے۔''

سیدنا عمار رضی اللہ عنہ نے اس باغی گروہ کو جس نے مسلمانوں کی جمعیت کو پارا پارا کر دیا تھا، بے نقاب کیا اور جو کچھ وہ اپنے دلوں میں چھپائے ہوئے تھے اسے ظاہر کر دیا۔ اور اپنے متبعین کو وہ جو دھوکا دے رہے تھے اسے عیاں کیا۔ وہ عثمان رضی اللہ عنہ کے خون کا بدلہ نہیں چاہتے تھے، نہ وہ اللہ کے لیے مسلح ہو کر نکلے تھے بلکہ یہ تو اس شخص کے خلاف خروج کیے ہوئے تھے جس کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ یہ میرے نزدیک وہی مقام رکھتے ہیں جو موسیٰ علیہ السلام کے نزدیک ہارون علیہ السلام کا تھا۔ ان کا اصل مقصد دنیاوی مفاد تھا۔ اس مال کا لالچ تھا جو انسان کو جرائم پر آمادہ کرتا ہے ان کی

[1] الطبقات:3/258، 259. [2] الكامل لابن الأثير:3/209.

طلب وہ محلات تھے جو محفوظ اور مأمون تھے اور جس کے سامنے پردے حائل ہوتے ہیں۔ انھیں حکومت وسطوت کی تڑپ تھی، ملک وسلطنت کا لالچ تھا۔ درحقیقت وہ طالبِ دنیا تھے، طالبِ دین نہیں۔

کیا حق کے خلاف خروج کرنے والے اس قابل تھے کہ وہ عمار رضی اللہ عنہ کی ان باتوں کا انکار کر دیں۔ اور عمار بھی وہ کہ جب وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہونا چاہتے تھے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کی آواز پہچان کر فرماتے تھے: ''اس پاک باز انسان کو خوش آمدید، انھیں آنے دو۔''

وہ عمار رضی اللہ عنہ جن کے بارے میں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ میں سے جس کے بارے میں جو کچھ کہنا چاہتی ہوں کہتی ہوں سوائے عمار رضی اللہ عنہ کے کیونکہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کے بارے میں فرماتے ہوئے سنا ہے کہ ''عمار قدموں کے تلووں تک ایمان سے بھرے ہوئے ہیں۔'' [1]

سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا: ''جس نے عمار رضی اللہ عنہ سے بغض کیا اللہ اس سے بغض رکھے گا۔'' خالد فرماتے ہیں: میں اس دن سے عمار رضی اللہ عنہ سے محبت کرتا ہوں۔

عمار رضی اللہ عنہ نے صفین کے دن آواز دی کہ میرے پاس دودھ لاؤ' میں دودھ پینا چاہتا ہوں کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا: ''تو اس دنیا میں جو آخری مشروب پیے گا وہ دودھ ہوگا۔'' [2]

انھیں دودھ پیش کیا گیا تو انھوں نے دودھ پیا، پھر آگے بڑھے اور یہ اشعار کہنے

[1] الاستیعاب:3/1137، 1138. [2] الطبقات:3، والبدایۃ والنہایۃ:8.

لگے:

نحن ضربناكم على تنزيله   فاليوم نضربكم على تاويله

ضرباً يزيل الهام عن مقيله   ويذهل الخليل عن خليله

أو إلي يرجع الحق سبيله

''ہم نے اللہ کے حکم کے مطابق تم سے جنگ کی ہے۔ آج ہم اس حکم کی تاویل کرتے ہوئے تمھیں ماریں گے۔ ہم ایسی ضرب لگائیں گے کہ کھوپڑی تن سے جدا ہو جائے گی۔ اور دوست کو دوست یاد نہیں رہے گا یا پھر حق اپنی راہ پر لوٹ آئے گا۔'' [1]

بعدازاں آپ آگے بڑھے اور لڑتے لڑتے شہید ہو گئے۔

وہ عمار جو رسول اللہ ﷺ کا محبوب صحابی اور پاک باز تھا، شہید کر دیا گیا۔ انھیں ایک باغی گروہ نے قتل کیا تھا جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے غلام ھُنَی سے روایت ہے کہ میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے خلاف معاویہ رضی اللہ عنہ کے لشکر میں موجود تھا۔ معاویہ کے ساتھی کہا کرتے تھے: اللہ کی قسم! ہم عمار رضی اللہ عنہ کو کبھی قتل نہیں کریں گے کیونکہ اگر ہم نے انھیں قتل کیا تو آپ ﷺ کے کہنے کے مطابق ہم باغی گروہ قرار پائیں گے۔ چنانچہ صفین کے دن میں مقتولین کو دیکھنے لگا تو ان میں عمار رضی اللہ عنہ بھی تھے۔

ھُنَی کہتے ہیں: میں عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما کے پاس گیا، وہ چار پائی پر بیٹھے تھے۔ میں نے کہا: اے ابو عبداللہ! انھوں نے کہا: کیا بات ہے؟ میں نے کہا: ایک بات کرنا چاہتا

[1] الطبقات: 3، و البداية والنهاية: 8.

ہوں، چنانچہ وہ میری طرف متوجہ ہوئے تو میں نے پوچھا: آپ نے عمار رضی اللہ عنہ کے بارے میں کچھ سنا ہے؟ انھوں نے کہا: اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا: ''اے عمار! تجھے ایک باغی گروہ قتل کرے گا۔'' میں نے کہا: اللہ کی قسم! وہ تو قتل ہو چکے ہیں۔ انھوں نے کہا: یہ جھوٹ ہے۔ میں نے کہا: میں نے اپنی آنکھوں سے ان کی لاش دیکھی ہے۔ انھوں نے کہا: چلو، مجھے بھی دکھاؤ۔ میں انھیں لے کر گیا اور عمار رضی اللہ عنہ کی لاش کے پاس کھڑا ہو گیا۔ جونہی انھوں نے عمار رضی اللہ عنہ کو دیکھا، ان کا رنگ فق ہو گیا، پھر انھوں نے اپنا رخ موڑ لیا اور دیکھا کہ دو آدمی جھگڑ رہے ہیں اور ان میں سے ہر ایک عمار رضی اللہ عنہ کو قتل کرنے کا دعویٰ کر رہا ہے۔

عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما نے فرمایا: یہ دونوں جھگڑنے والے جہنم میں جائیں گے۔ یہ بات معاویہ رضی اللہ عنہ نے سنی۔ جب دونوں آدمی چلے گئے تو معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا: اے عمرو! آج آپ نے جو کچھ کہا ہے میں نے پہلے آپ کو ایسا کہتے نہیں سنا۔ جن لوگوں نے ہمارے لیے اپنی جانیں قربان کر دی ہیں آپ ان کے بارے میں کہتے ہیں کہ وہ جہنمی ہیں؟ عمرو رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: اللہ کی قسم! ایسا ہی ہے۔ یہ بات آپ بھی اچھی طرح جانتے ہیں۔ کاش! میں اس واقعے سے بیس سال پہلے ہی مر چکا ہوتا۔''[1]

اسی دوران میں ہر طرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان عام ہو جاتا ہے۔ ہر کان اور ہر دل میں رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ کلمات گونجنے لگتے ہیں: ''اے ابن سمیہ! تجھ پر افسوس، تجھے ایک باغی جماعت قتل کرے گی۔''

رفتہ رفتہ یہ بات جیشِ معاویہ رضی اللہ عنہ کی صفوں میں پھیلتی چلی گئی۔ قریب تھا کہ

[1] الطبقات لابن سعد: 254/3.

معاویہ رضی اللہ عنہ کے قائدین میں سے بہت سے جیش علی رضی اللہ عنہ میں شامل ہو جائیں۔ معاویہ رضی اللہ عنہ سامنے آئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان دہرانے لگے اور کہنے لگے: جو کچھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے وہ برحق ہے۔ لیکن عمار رضی اللہ عنہ کو کن لوگوں نے قتل کیا؟ اے لوگو! بات کرو اور اپنے امیر کو جواب دو۔ لیکن امیر نے خود یہ کہہ کر انھیں لاجواب کر دیا کہ عمار رضی اللہ عنہ کو انھی لوگوں نے قتل کیا ہے جو انھیں ان کے گھر سے نکال کر میدان قتال تک لائے ہیں۔ [1]

اس کے بعد زندگی کا پہیہ اپنی مخصوص رفتار کے ساتھ اس طرف چل پڑا جہاں اللہ چاہتا تھا۔ عمار رضی اللہ عنہ کو سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے اپنے سینے پر اٹھایا، پھر ان کی نماز جنازہ دیگر مسلمانوں کے ساتھ مل کر ادا کی، پھر انھیں ان کے کپڑوں ہی میں دفن کر دیا گیا۔ جنت عمار رضی اللہ عنہ کی آمد کی مشتاق تھی جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا یوں عمار رضی اللہ عنہ بھی جنت کی طرف چل دیے۔

[1] الطبقات: 3/259.



آیات کا سبب نزول

ابو عبیدہ بن محمد بن عمار بن یاسر سے مروی ہے، وہ کہتے ہیں: مشرکین نے عمار رضی اللہ عنہ کو پکڑ کر اس وقت تک نہیں چھوڑا جب تک انھوں نے رسول اللہ ﷺ کے بارے میں نازیبا کلمات نہیں کہے اور ان کے خداؤں کی تعریف نہیں کی۔ پھر جب وہ نبی ﷺ کے پاس آئے تو آپ ﷺ نے پوچھا: ''کیا حالات ہیں وہاں کے؟'' انھوں نے ادب سے جواب دیا: اے اللہ کے رسول! بہت برا ہوا ہے۔ مجھے ظالموں نے اس وقت تک نہیں چھوڑا جب تک میں نے آپ کے بارے میں برا نہیں کہا اور ان کے خداؤں کی تعریف نہیں کی۔ آپ ﷺ نے دریافت فرمایا: ''تمھارا دل کس بات پر مطمئن ہے؟'' انھوں نے جواب دیا: دل تو ایمان پر مطمئن ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اگر وہ دوبارہ اس پر مجبور کریں تو پھر بھی کہہ ڈالنا۔'' اس پر اللہ تعالیٰ نے درج ذیل آیت نازل فرمائی:

﴿ إِلَّا مَنْ أُكْرِهَ وَقَلْبُهُ مُطْمَئِنٌّ بِالْإِيمَانِ ﴾

''مگر وہ شخص جسے مجبور کر دیا جائے اور اس کا دل ایمان پر مطمئن ہو۔''[1]

[1] أسباب نزول القرآن للواحدي، النحل 16:106.

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: یہ آیت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما کے بارے میں نازل ہوئی تھی۔ مشرکین نے انھیں، ان کے والد یاسر، والدہ سمیہ اور صہیب، بلال، سالم اور خباب رضی اللہ عنہم کو پکڑ لیا تھا۔ وہ انھیں شدید عذاب میں مبتلا کرتے تھے۔ سمیہ رضی اللہ عنہا کو تو دو اونٹوں کے درمیان باندھ دیا گیا اور ان کی شرمگاہ میں نیزہ مارا گیا اور ظالموں نے کہا: تو نے صرف مردوں کے لیے اسلام قبول کیا۔ انھیں اور ان کے خاوند کو شہید کر دیا گیا۔ یہ دونوں اسلام کے پہلے شہید تھے۔ عمار رضی اللہ عنہ نے بے بس ہو کر ان کی پسند کے مطابق نازیبا کلمات کہہ دیے تھے حتی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر دی گئی کہ عمار کافر ہو چکے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”یہ ہرگز نہیں ہو سکتا۔ عمار رضی اللہ عنہ تو سر کے بالوں سے لے کر پیروں تک ایمان سے بھرے ہوئے ہیں۔ ایمان ان کے گوشت اور خون میں حل ہو چکا ہے۔“

عمار رضی اللہ عنہ روتے ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے آنسو صاف کرنے لگے اور فرمانے لگے: ”اگر وہ دوبارہ تمھیں مجبور کریں تو پھر وہی کلمات کہہ دینا۔“ اس وقت اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: ﴿ إِلَّا مَنْ أُكْرِهَ وَقَلْبُهُ مُطْمَئِنٌّ بِالْإِيمَانِ ﴾ [1]

مفسر قرآن امام مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اسلام میں پہلی شہید ہونے والی خاتون ام عمار رضی اللہ عنہا ہیں۔ انھیں ابوجہل نے شہید کیا تھا۔ اور مردوں میں سے اسلام کے پہلے شہید حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے غلام مہجع ہیں۔

انھی سے ایک روایت یہ بھی ہے کہ سب سے پہلے سات لوگوں نے اسلام کا اظہار

[1] تفسير الطبري، النحل 106:16.

کیا، ان کے نام یہ ہیں: رسول اللہ ﷺ، ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، بلال رضی اللہ عنہ، خباب رضی اللہ عنہ، صہیب رضی اللہ عنہ، عمار رضی اللہ عنہ، سمیہ ام عمار رضی اللہ عنہا۔

رسول اللہ ﷺ کا دفاع تو ابو طالب نے کیا اور ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی قوم نے ان کا دفاع کیا۔ باقیوں کو ظالموں نے پکڑ لیا۔ ان پر لوہے کی کنگھیاں چلائیں، پھر انھیں دھوپ میں رکھا گیا، تپتے ہوئے لوہے سے داغ کر اور چلچلاتی ہوئی دھوپ میں لٹا کر انھیں شدید اذیت میں مبتلا کیا گیا۔ شام ہوئی تو ابوجہل ان کے پاس آیا، اس کے ہاتھ میں نیزہ تھا، وہ انھیں گالیاں دے رہا تھا اور نیزہ چبھو رہا تھا، پھر وہ سمیہ رضی اللہ عنہا کے پاس آیا۔ اس نے ان کے منہ پر تھوکا اور گالیاں دیں، پھر ان کی فرج میں نیزہ مارا جس سے وہ شہید ہو گئیں۔[1]

سیدنا عمار رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ہم میں سے ہر ایک نے اسی طرح کا کلمہ اپنی زبان سے نکالا جیسا کہ وہ (کافر) چاہتے تھے۔ کاش! اللہ تعالیٰ ہمیں اس سے بھی بچا لیتا۔ سوائے بلال رضی اللہ عنہ کے، انھوں نے اللہ کے لیے یہ بھی برداشت نہ کیا، وہ زبردست تکلیفیں سہہ گئے لیکن احد احد کی پکار جاری رکھی۔

قتادہ رحمہ اللہ کہتے ہیں: اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان: ﴿مَنْ كَفَرَ بِاللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ اِيْمَانِهٖٓ اِلَّا مَنْ اُكْرِهَ وَقَلْبُهٗ مُطْمَىِٕنٌّۢ بِالْاِيْمَانِ﴾ عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما کے بارے میں نازل ہوا تھا۔ انھیں بنو مغیرہ نے پکڑ لیا تھا، بئر میمون میں بند کر دیا تھا اور کہا تھا: محمد (ﷺ) کا انکار کر دو۔ انھوں نے بے بسی میں نہ چاہتے ہوئے ایسا کہہ دیا تھا۔ پھر انھوں نے یہ بات رسول اللہ ﷺ کو بتائی تو آپ ﷺ نے فرمایا: ”تم اپنے دل کو کیسا پاتے

[1] تفسیر الخازن: 136/3.

ہو؟'' انھوں نے کہا: دل ایمان پر مطمئن ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''دوبارہ بھی ضرورت پڑے تو تم ایسا کہہ سکتے ہو۔''[1]

جامع ترمذی میں عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''عمار رضی اللہ عنہ نے ہمیشہ بہتر پہلو ہی کو اختیار کیا ہے۔''[2]

سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ''جنت علی، عمار، سلمان اور بلال رضی اللہ عنہم کی آمد کی مشتاق رہی ہے۔''[3]

[1] تفسير الطبري: 14/181، وابن الأثير: 2/67. [2] جامع الترمذي، حديث: 3799. [3] الاستيعاب: 3/1137.

ضمیمہ

سیدنا عمار رضی اللہ عنہ ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں فتنوں سے پناہ مانگا کرتے تھے۔ خصوصاً اس فتنے سے جو مسلمانوں پر نازل ہو اور مسلمانوں کی وحدت کو پارہ پارہ کر دے جبکہ اللہ تعالیٰ نے ان پر احسان کرتے ہوئے انھیں ظاہری اور باطنی ہر قسم کی نعمتوں سے نوازا ہے اور انھیں وحدت و اتحاد والے دین اسلام کی ہدایت سے سرفراز کیا ہے۔ آپ کی ہمیشہ یہی خواہش رہی کہ مسلمان ہمیشہ آپس میں محبت و یگانگت کے ساتھ رہیں جبکہ اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے دنیا کو مسخر کر دیا تھا اور بہت سے لوگ توحید و ایمان والے دین اسلام کو قبول کر رہے تھے۔ اسی طرح آپ کی یہ تمنا بھی تھی کہ مسلمانوں کی تلواریں بلد اسلام سے باہر جہاد کرتی رہیں تاکہ اللہ تعالیٰ کے دین کی نشر و اشاعت ہوتی رہے اور اللہ تعالیٰ کا کلمہ بلند ہو اور ہر طرف عدل و انصاف اور سلامتی کا بول بالا ہو۔

آخر وہ کون سے اسباب تھے جن کی بنا پر مسلمانوں میں خانہ جنگی ہوئی؟

کیا طمع اور حرص کی وجہ سے؟ یا ملک و بادشاہی کے حصول کے لیے؟ یا پھر اس وجہ سے کہ بعض لوگ خوف اور لالچ کی وجہ سے اسلام میں داخل ہوئے تھے اور ان میں

ابھی جہالت برقرار تھی؟

انسان کا دل دہل جاتا اور سر چکرانے لگتا ہے جب وہ یاد کرتا ہے کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو ایک گناہ گار ہاتھ نے خنجر مارا تھا۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو ایک خارجی گروہ نے شہید کیا تھا۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے خلاف ایک باقاعدہ سازش کی گئی اور انھیں دھوکے اور غدر سے شہید کیا گیا۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نواسے حسین رضی اللہ عنہ اور ان کے چھوٹے چھوٹے بچوں اور کمزور عورتوں کو پانی کا ایک گھونٹ بھی نہ پینے دیا گیا اور انھیں بری طرح شہید کر دیا گیا۔ آخر کیوں؟ کیا حسین رضی اللہ عنہ نے کوئی جرم کیا تھا؟ کیا وہ کسی کے خلاف لڑے تھے؟ کیا انھوں نے کوئی ملک یا خلافت چھینی تھی؟

ہرگز نہیں! بس وہ ایک فتنہ تھا جس سے عمار رضی اللہ عنہ پناہ مانگا کرتے تھے۔

اسی طرح عثمان رضی اللہ عنہ سے خلافت کی قمیص چھینی گئی محض امت مسلمہ کے اتحاد کو توڑنے، فتنہ پھیلانے اور مسلمانوں کی جمعیت میں انتشار پھیلانے کے لیے...... سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کو بھی محض اسی مقصد کے لیے شہید کیا گیا۔ جب ہم تاریخ کی ورق گردانی کرتے ہیں تو ہمارے دل دہل جاتے ہیں کہ کیسے تھے وہ لوگ اور ان کے قائد جنھوں نے اپنے دین کے لیے ہجرت کی اور اپنا سب کچھ چھوڑ دیا، مال کے ساتھ ساتھ اولاد اہل وعیال اور دوست احباب کو بھی چھوڑ دیا تھا۔

کس چیز نے ان نفوس مقدسہ کو تبدیل کر دیا تھا؟ کس نے ان کے مزاج بدل ڈالے تھے؟ ان دلوں کو کس نے مردہ کر دیا تھا؟ روایات کے مطابق حسین رضی اللہ عنہ کا سر مبارک کوفہ کے قلعہ میں لے جایا گیا جہاں امویوں کا نیا گورنر عبیداللہ بن زیاد بیٹھا ہوا تھا۔ لشکرِ زیاد نے ایک بے یارو مددگار مقدس خانوادے کو شکست دے کر گویا ایک

تاریخی کارنامہ انجام دیا تھا لیکن ابھی حسین رضی اللہ عنہ اور ان کے گھر والوں کا خون خشک نہیں ہوا تھا کہ کوفہ والوں نے ایک بہت بڑا لشکر دیکھا۔ یہ لشکر ان میں سے تیار ہوا تھا جو اس شخص کے پیچھے چلے تھے جو صرف حکومت و بادشاہی کا خواہاں تھا۔ اس لشکر کی زبان پر صرف ایک ہی نعرہ تھا: ''حسین رضی اللہ عنہ کا بدلہ دو۔'' اس جماعت نے عبید اللہ بن زیاد کے لشکر کو گھیرے میں لے لیا۔ لشکر کو شکست ہوئی، ابن زیاد بری طرح قتل کر دیا گیا اور اس کا سر کوفہ کے اس قلعے میں لایا گیا جہاں حسین رضی اللہ عنہ کا مبارک سر لایا گیا تھا۔ ابن زیاد کا سر مختار ثقفی کے سامنے رکھا گیا۔

اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پیرو! یہ سب کیا تھا؟

یہ وہی فتنہ تھا جس سے عمار رضی اللہ عنہ ہمیشہ پناہ مانگا کرتے تھے۔

مختار ثقفی بھی اس فتنے کو روک نہ پایا۔ ہر نفس اور ہر دل میں انتشار پھیل گیا۔ مختار ثقفی زیادہ عرصے تک خیر وسلامتی سے نہ رہ سکا۔ اس نے جو حسین خواب دیکھے تھے وہ شرمندۂ تعبیر نہ ہو پائے جن کی خاطر اس نے مسلمانوں کو ایک نقصان دہ معرکہ میں دھکیل دیا تھا۔ جہاں بھائی اپنے بھائی کو، باپ اپنے بیٹے کو قتل کر رہا تھا اور اسے یہ بھی معلوم نہیں تھا کہ وہ کیا کر رہا ہے۔ یہ سب طوفانی فتنے کی آندھی تھی جو کسی کو باقی نہیں چھوڑ رہی تھی۔

ایک دن مختار ثقفی آرام کی نیند سو رہا تھا کہ ایک بلند آہنگ شور سنائی دیا، وہ بیدار ہو گیا۔ یہ مصعب بن زبیر رضی اللہ عنہما کا لشکر تھا جو اپنے بھائی عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کے لیے جو مکہ میں تھے، بیعت کا مطالبہ کر رہا تھا۔ دونوں لشکروں کے درمیان خون ریز معرکہ ہوا۔ درہم و دینار نے جادو دکھایا، مختار ثقفی کو شکست ہو گئی۔ اس کا سر تن سے جدا کیا

گیا۔ اب اسی کوفے کے قلعہ میں مصعب بن زبیر رضی اللہ عنہما مختار کے سر کا انتظار کر رہے تھے، جہاں حسین رضی اللہ عنہ اور ابن زیاد کا سر لایا گیا تھا۔ ان کے دل میں ایک قلق بھی تھا اور خوف بھی۔ گویا شیطان نے ان حکومت خواہوں کی قمیص پہن رکھی تھی۔ حالات میں ابھی ٹھہراؤ نہیں آیا تھا کہ وہ اپنے سامنے اپنے دشمن کا سر دیکھ رہے تھے۔

مصعب بن زبیر رضی اللہ عنہما کا چہرہ کھل اٹھا اور وہ ایک لکڑی سے مختار ثقفی کے سر پر ضربیں لگانے لگے، پھر انھوں نے اپنے شہسواروں کو اپنے قریب کیا اور اپنے کاتب کو کہا کہ وہ ان کے بھائی عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کو مکہ کی طرف خوشخبری کا خط لکھ بھیجے۔

حالات ابھی ٹھنڈے نہیں ہوئے تھے، ہوتے بھی کیسے۔ یہی تو وہ فتنہ تھا جس سے عمار رضی اللہ عنہ پناہ مانگا کرتے تھے۔ جس وقت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کو بھائی کا خط موصول ہوا اس وقت ایک لشکر حجاج بن یوسف ثقفی کی سرکردگی میں کعبے کا گھیراؤ کر رہا تھا۔ کعبے کا محاصرہ کیا گیا، اس پر منجنیق کے ذریعے پتھراؤ کیا گیا اور کعبے کی عمارت کو شدید نقصان پہنچایا گیا۔ بیت اللہ کی دیواروں کے پتھر صحن میں گر گئے۔

اے شیطان کے پیرو! تمھارے ہاتھ شل ہو جائیں۔

بے شک ابرہہ اپنے ہاتھیوں کے ذریعے وہ کام نہیں کر سکا جو ان ظالموں نے کیا تھا۔ ان کے دل پتھر سے بھی زیادہ سخت ہو چکے تھے۔ ان کے جسم میں رحم کی کوئی رگ نہیں پھڑکتی تھی۔ اور اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں سے ایمان چھین لیا تھا اب ان کے دل بھلائی کی طرف رہنمائی نہیں کر سکتے تھے۔

اِدھر حجاج کے آدمی ابن زبیر کو قتل کر کے ان کا مثلہ کر چکے تھے اور اُدھر کوفہ میں اس قلعے کا محاصرہ کیا جا چکا تھا جس میں مصعب بن زبیر رضی اللہ عنہما براجمان تھے۔ اسی قلعے

میں مصعب بن زبیر رضی اللہ عنہما کا سر عبدالملک بن مروان کے سامنے رکھا گیا۔

اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پیرو! یہ اس امت کی تاریخ کا ایک سیاہ باب اور تلخ حقیقت ہے۔ کیا اچھا ہوتا کہ یہ تاریخ ہی نہ ہوتی لیکن یہ ایک نصیحت اور عبرت ہے، اسے ہم سب کو یاد رکھنا اور اس سے سبق حاصل کرنا چاہیے۔

''بے شک فتنہ کبھی خیر نہیں لاتا۔''



تیسری آیت

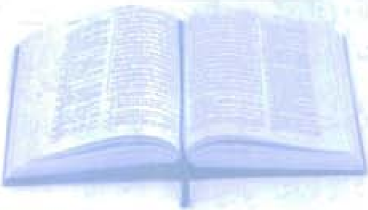
بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَوَصَّيْنَا الْاِنْسٰنَ بِوَالِدَيْهِ حَمَلَتْهُ اُمُّهٗ وَهْنًا عَلٰى وَهْنٍ وَّفِصٰلُهٗ فِيْ
عَامَيْنِ اَنِ اشْكُرْ لِيْ وَلِوَالِدَيْكَ اِلَيَّ الْمَصِيْرُ ۝ وَاِنْ جٰهَدٰكَ عَلٰٓى اَنْ تُشْرِكَ
بِيْ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا وَصَاحِبْهُمَا فِي الدُّنْيَا مَعْرُوْفًا وَّاتَّبِعْ
سَبِيْلَ مَنْ اَنَابَ اِلَيَّ ثُمَّ اِلَيَّ مَرْجِعُكُمْ فَاُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝﴾

''اور ہم نے انسان کو اس کے والدین کے متعلق (حسن سلوک کا) حکم دیا ہے، اس کی ماں نے اسے (پیٹ میں) کمزوری پر کمزوری کے باوجود اٹھائے رکھا، اور اس کا دودھ دو سال میں چھڑانا ہوتا ہے، (اور) یہ کہ تو میرا اور اپنے والدین کا شکر کر (بالآخر) میری ہی طرف لوٹ کر آنا ہے۔ اور اگر وہ دونوں تجھ پر زور ڈالیں کہ تو میرے ساتھ شرک کرے، جس کا تجھے علم نہیں، تو ان کی اطاعت نہ کرنا، اور دنیا میں بھلے طریقے سے ان دونوں سے اچھا سلوک کر، اور اس شخص

کے طریقے کی اتباع کر جو میری طرف رجوع کرتا ہے، پھر میری ہی طرف تمھاری واپسی ہے، پھر میں تمھیں بتاؤں گا جو کچھ تم عمل کیا کرتے تھے۔'' [1]



[1] لقمان 31: 14، 15.



آیات کے نزول کے متعلق علماء کے اقوال

بعض مفسرین کا کہنا ہے کہ یہ آیات سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے متعلق نازل ہوئی تھیں۔ دیکھیے، تفسیر طبري:85/20.

مزید دیکھیے:

تفسیر القرطبي:328/13.

تفسیر ابن کثیر:405/3.

تفسیر البغوي و الخازن: 156/5.

تفسیر الدر المنثور:141/5-142.

امام ابوالحسن علی بن احمد واحدی نے اپنی کتاب «أسباب نزول القرآن» ص: 365 میں اسی بات کا ذکر کیا ہے کہ یہ آیات سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے متعلق نازل ہوئی تھیں۔

سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کون تھے؟

آیئے! ان کے بارے میں آگہی حاصل کرتے ہیں۔



سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ

ان کے والد مالک بن أھیب بنو عبد مناف میں سے تھے اور ان کی ماں حمنہ سفیان بن امیہ کی بیٹی تھیں۔ جب ان کے والد کا انتقال ہو گیا تو ان کی والدہ نے ان کی اور ان کے بھائی کی تعلیم و تربیت شروع کر دی۔ وہ اپنی ماں کے پاس بہت پیار محبت سے اکٹھے رہتے تھے یہاں تک کہ دعوتِ اسلام کا ظہور ہو گیا تو ان کی راہیں جدا جدا ہو گئیں۔

سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ زمانہ جاہلیت میں تیر اندازی کرتے اور تیر بنایا کرتے تھے۔ اسلام میں داخل ہونے تک وہ بہترین تیر انداز اور شہسوار بن چکے تھے۔

سعد رضی اللہ عنہ کی شخصیت ایسی نمایاں اور روشن نقوش والی تھی کہ جو انھیں ایک مرتبہ دیکھ لیتا تھا، اس کے حافظے سے ان کی شکل و صورت کبھی محو نہیں ہوتی تھی۔

سیدنا سعد رضی اللہ عنہ کا حلیہ

سیدنا سعد رضی اللہ عنہ کا قد پست اور پیٹ بڑا تھا۔ وہ پاؤں کو زمین پر مضبوطی سے جما کر چلتے تھے۔ ان کی انگلیاں موٹی اور بال گھنگریالے تھے۔

ان کی بیٹی عائشہ اسی طرح ان کے اوصاف بیان کیا کرتی تھیں، وہ کہا کرتی تھیں کہ میرے باپ دعوتِ اسلام کے آغاز ہی میں سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی دعوت پر

لبیک کہتے ہوئے اسلام میں داخل ہو گئے تھے۔

امام بخاری رحمہ اللہ نے ان کا قول نقل کیا ہے: ''میں سات دن اس حیثیت میں رہا کہ میں اسلام کا تیسرا فرد تھا۔''[1]

اس وقت ان کی عمر سترہ سال تھی۔ یہ عمر کا وہ حصہ ہوتا ہے جسے جوانی کے ابتدائی مراحل میں شمار کیا جاتا ہے۔ اس عمر میں دل ہر پیش آنے والی چیز کو قبول کرنے کے لیے آمادہ رہتا ہے۔ اس لیے کہ دل بالکل صاف، پاکیزہ اور خالی ہوتا ہے۔ اور آدمی کی شخصیت بتدریج کامل ہونی شروع ہوتی ہے اور صلاحیت میں اضافہ ہونے لگتا ہے۔

سیدنا سعد رضی اللہ عنہ کا دل بھی نئے نور اور نئی ہدایت کے لیے کشادہ ہو گیا۔ انھوں نے شروع ہی میں اسلام قبول کر لیا۔ وہ زمانۂ جاہلیت کے رسم و رواج سے ناواقف تھے۔ بڑے تجربہ کار اور عمدہ شہسوار تھے۔ جنگ قادسیہ اور مدائن کسریٰ کے ممتاز کمانڈر تھے۔ عراق کے فاتح اور زمین پر اللہ کے نام کو پھیلانے والے عظیم انسان تھے۔

سیدنا سعد رضی اللہ عنہ ان چھ افراد میں سے ایک تھے جنھیں سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے اپنی زندگی کے آخری لمحات میں خلافت اور شوریٰ کے لیے منتخب کیا تھا۔ اور ان کے بارے میں فرمایا تھا کہ اگر معاملۂ خلافت سعد تک پہنچ جائے تو بہتر ہے ورنہ جو بھی خلیفہ مقرر ہو وہ ان سے مدد حاصل کرے۔ میں نے انھیں نا اہلی اور خیانت کی وجہ سے معزول نہیں کیا تھا۔[2] یہ تو اس سے پہلے بھی اور بعد میں بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ماموں ہیں۔

سیدنا جابر بن عبداللہ روایت کرتے ہیں کہ سیدنا سعد رضی اللہ عنہ ہمارے سامنے آئے تو

[1] صحيح البخاري، فضائل الصحابة، حديث: 3858. [2] الاستيعاب في معرفة الأصحاب: 609/2.

نبی مکرم ﷺ نے فرمایا: ''یہ میرے ماموں ہیں۔ کوئی شخص مجھے (ان جیسا) اپنا ماموں دکھائے۔''[1]

سیدنا سعد رضی اللہ عنہ وہ پہلے شخص ہیں جنھوں نے اسلام میں (دشمن کا) خون بہایا۔

ابن اسحاق رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے صحابہ نماز پڑھنے کے لیے گھاٹیوں میں چلے جاتے اور اپنی قوم سے چھپ کر نماز ادا کرتے تھے۔ اسی دوران سیدنا سعد رضی اللہ عنہ نبی مکرم ﷺ کے چند ساتھیوں کے ساتھ مکہ کی گھاٹیوں میں سے ایک گھاٹی میں تھے اور نماز میں مشغول تھے کہ اچانک ان کے پاس مشرکین کی ایک جماعت آ پہنچی۔ انھوں نے ان کے نماز پڑھنے کو ناپسند کیا اور اس میں عیب نکالنے شروع کر دیے، یہاں تک کہ ان کی آپس میں لڑائی شروع ہو گئی تو سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے مشرکین کے ایک آدمی کو اونٹ کی ہڈی ماری اور اسے زخمی کر دیا۔ یہ پہلا خون تھا جو اسلام میں بہایا گیا۔[2] اس وقت انسان آپس میں ایک دوسرے سے سوال کرنے لگے: آخر یہ معاملات کہاں تک پہنچیں گے؟............

اگر قریش محمد ﷺ اور ان کے ساتھیوں کو اسی حالت میں چھوڑ دیتے کہ وہ اپنے رب کے حکم کے مطابق اس کی عبادت کرتے رہیں اور وہ مار کٹائی، مذاق و استہزاء کے ذریعے اسلام کی تبلیغ میں مداخلت نہ کرتے تو کیا ہجرت مکمل ہو جاتی؟ کیا اللہ تعالیٰ اسلام کے لیے مکہ مکرمہ میں انصار جیسے آدمیوں کو مقرر فرماتا؟

یقیناً اللہ تعالیٰ جب کسی کام کا ارادہ کر لیتا ہے تو اس کے اسباب پیدا کر دیتا ہے۔

سیدنا سعد رضی اللہ عنہ وہ پہلے تیر انداز ہیں جنھوں نے اللہ کے راستے میں سب سے

[1] جامع الترمذي، المناقب، حديث:3752، والطبقات:137/3۔ [2] السيرة النبوية لا بن هشام: 275/1

پہلے تیر چلایا جس وقت ان کا آمنا سامنا عبیدہ بن حارث کے لشکر سے ہوا۔ انھوں نے تیر اندازی کی۔ جب رسول اللہ ﷺ نے انھیں مکہ مکرمہ کے قریب ایک مقام ''رابغ'' کی طرف بھیجا تا کہ قریش کے قافلے کو روکیں تو انھوں نے تیر اندازی کر کے قریش کو مناسب جواب دیا۔ سعد رضی اللہ عنہ پہلے آدمی ہیں جنھوں نے اللہ کی راہ میں تیر چلایا اور کہا:

ألا هل أتى رسول الله أني حميت صحابتي بصدور نبلي

أذود بها أوائلهم زيادا بكل حذونة و بكل سهل

فما يعتد رام في عدو بسهم يا رسول الله قبلي

وذلك أن دينك دين صدق وذو حق أتيت به وعدل

''کیا رسول اللہ ﷺ کو یہ بات معلوم ہوگئی ہے کہ میں نے اپنے ساتھیوں کی حفاظت تیروں کے ذریعے کی؟ میں اپنے ہراول دستے سے تیروں کے ذریعے ہر سخت اور نرم چیز کو ہٹاتا رہا۔ اے اللہ کے رسول! دشمن نے مجھ سے پہلے کسی کو تیر چلانے والا شمار نہیں کیا۔ یہ اس لیے کہ یقیناً آپ ﷺ کا دین سچا ہے اور آپ حق و انصاف والے ہیں۔''[1]

یثرب میں ایک رات نبی ﷺ پر بے خوابی طاری ہوئی تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''کاش میرے صحابہ میں سے کوئی نیک آدمی ایسا ہوتا جو میرا پہرا دیتا۔'' سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ آپ ﷺ کو یہ ارشاد فرمائے ہوئے ایک لمحہ بھی نہیں گزرا تھا

[1] الطبقات لابن سعد:3/142، والسيرة النبوية لابن هشام:1/275.

کہ ہم نے ہتھیاروں کی جھنکار سنی۔ رسول اللہ ﷺ نے پوچھا: ''کون ہے؟'' کہا: میں سعد بن ابی وقاص ہوں۔ اے اللہ کے رسول! میں آپ کی چوکیداری کروں گا، تو رسول اللہ ﷺ نے ان کے حق میں دعا فرمائی۔

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ پھر رسول اللہ ﷺ سو گئے اور میں نے آپ ﷺ کے خراٹے لینے کی آواز سنی۔[1]

یقیناً سیدنا سعد رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کی چوکیداری کی بلکہ آپ رضی اللہ عنہ سے ایک نبی کی پاسبانی کرائی گئی۔ اور قریبی زمانے میں آپ کو پوری امت مسلمہ کی حفاظت کا مشن سونپنے کے لیے طلب کیا گیا۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ دشمن پر حملہ کرنے کی ایسی قوت و صلاحیت کے مالک تھے جسے اس وقت کے لوگ بخوبی جانتے تھے، یعنی شہسواری کی صلاحیت و قدرت ایسی بہترین تھی کہ ایسی صلاحیت کے مالک کو عرب میں باڈی گارڈ، گورنر، معاون اور محافظ مقرر کیا جاتا تھا۔

اے قادسیہ کے ہیرو اور شہسوار! تجھے مبارک ہو۔

بدر کی لڑائی میں سیدنا سعد رضی اللہ عنہ نے بڑی بہادری دکھائی اور جنگ بدر میں شہادت کے طلب گاروں کی وکالت کی۔ وہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جنھیں کم سنی کے باعث واپس کیا جا رہا تھا انھوں نے ان کی سفارش کی۔

سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں، سعد اور عمار جنگ بدر میں شریک ہوئے لیکن میں نے اور عمار رضی اللہ عنہ نے غنیمت میں سے کچھ نہیں پایا۔ سعد رضی اللہ عنہ دو قیدی لے کر آئے۔ میں نے سعد رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ وہ اتنی آسانی اور جوانمردی سے دشمن پر

[1] صحيح البخاري، حديث: 7231، و صحيح مسلم، حديث: 2410.

حملہ آور ہوتے تھے جیسے شہسوار پیدل آدمی پر بے خوفی سے حملہ کرتا ہے۔ [1]

غزوۂ بدر میں ان کے بھائی عمیر بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے شہادت پائی۔ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم سے سعد اپنے بھائی کے بارے میں کہنے لگے کہ غزوۂ بدر کے موقع پر بدر کی طرف نکلنے سے پہلے جب ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیش کیا گیا تو میں نے اپنے بھائی عمیر کو دیکھا، وہ چھپ رہا تھا۔ میں نے اسے کہا: میرے بھائی! کیا بات ہے؟ وہ کہنے لگا کہ میں اس بات سے ڈر رہا ہوں کہ کہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے دیکھ لیں اور کم سن ہونے کی وجہ سے مجھے واپس نہ بھیج دیں، حالانکہ میں اللہ کی راہ میں جہاد کے لیے نکلنا چاہتا ہوں، ممکن ہے اللہ تعالیٰ مجھے شہادت عطا کر دے۔

سیدنا سعد رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ پھر انھیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیش کیا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں کم عمر ہونے کی وجہ سے فرمایا: ''واپس چلے جاؤ۔'' یہ سن کر عمیر رضی اللہ عنہ رونے لگے۔ ان کی اس کیفیت اور جذبۂ جہاد کو دیکھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں اجازت دے دی۔ اور وہ بخوشی جہاد میں شریک ہوئے اور اسی غزوہ میں شہید ہو گئے۔ إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ. اس وقت ان کی عمر 16 سال تھی۔ [2]

اے اسلام کے بہادر بیٹو! تمھاری وجہ سے اسلام سر بلند ہوا اور تم نے اس کی نصرت کی اور جس چیز کی تم تمنا کرتے تھے اس میں تم کامیاب ہو گئے۔

یقیناً یہ جواں ہمت قتال کرنے میں ایک دوسرے سے سبقت لے جاتے تھے۔ ان کی صورتِ حال یہ تھی کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان میں سے کسی کو جنگ میں شرکت کی اجازت دے دیتے اور اسلامی لشکر میں شامل کر لیتے تو دوسرے حضرات اس خوش نصیب کو مبارکباد دیا کرتے تھے۔

[1] البداية والنهاية: 73/8. [2] طبقات ابن سعد: 149/3.

ان کا یہ سخت مقابلہ اور قتال کرنے میں سبقت لے جانا فخر اور غرور کی وجہ سے نہیں تھا، نہ وہ دولت اور مالِ غنیمت کے حصول کی کوشش کرتے تھے بلکہ ان کا ہر جوان صرف شہادت کی تمنا کرتا تھا۔

اب کہاں ہیں جہاد کے لیے نکلنے والے ہمارے جواں ہمت؟

سامراجی نظام نے ان کی شخصیتوں کو تباہ کر دیا اور جہاد کی روح کو ختم کر دیا اور انھیں نرم و نازک ہیجڑے بنا دیا یعنی وہ لذتوں کے شیدائی بن گئے ہیں، گانے والی عورتوں پر جھپٹتے ہیں اور ان پر فریفتہ ہوتے ہیں لیکن اُنھیں چھو نہیں سکتے۔ وہ اپنے بالوں کو سنوارتے ہیں کہ کہیں انھیں خوشگوار ہوائیں منتشر نہ کر دیں۔

کیا اچھا ہوتا کہ آج اسلام کی سربلندی کے لیے جواں ہمت لوگ سینہ سپر ہوتے۔

بے شک رسول اللہ ﷺ کے مدرسے کی یہ حالت تھی کہ نمازوں کے بعد مسجد کے صحن میں حلقے لگتے تھے جس میں مرد، نوجوان اور بچے اپنے استاد مکرم حضرت محمد ﷺ کے اردگرد حلقہ بنا کر بیٹھ جاتے تھے۔ ایک دن اسی طرح لوگ جمع تھے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اس دروازے سے تمھارے پاس ایک جنتی شخص آئے گا۔'' سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ہم میں سے ہر ایک کی دلی تمنا تھی کہ کاش! اس دروازے سے داخل ہونے والا ہمارے گھر کا کوئی فرد ہو، پس اچانک سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ اس دروازے سے داخل ہوئے۔

جب رسول اللہ ﷺ اس مجلس سے تشریف لے گئے تو سیدنا عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما نے سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے کہا کہ میری اور میرے باپ کی آپس میں کچھ رنجش ہو گئی ہے اور میں نے قسم کھائی ہے کہ میں تین راتیں ان کے پاس نہیں

جاؤں گا۔ اگر آپ رضی اللہ عنہ مناسب سمجھیں تو مجھے اپنے گھر رہنے کا موقع دیں یہاں تک کہ میری قسم پوری ہو جائے، چنانچہ سعد رضی اللہ عنہ نے انھیں اپنا مہمان بنا لیا۔

سیدنا انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما نے ان کے ہاں رات گزاری یہاں تک کہ فجر ہو گئی۔ سعد رضی اللہ عنہ بستر پر لیٹنے کے بعد صبح تک نماز وغیرہ پڑھنے کے لیے کھڑے نہیں ہوئے، البتہ اپنے بستر پر جب کروٹ بدلنے لگتے تو اللہ کا ذکر کرتے اور اس کی کبریائی بیان کرتے یہاں تک وہ صرف نماز فجر کے لیے کھڑے ہوئے۔ پھر انھوں نے فرض نماز کی ادائیگی کے لیے پورے اہتمام سے وضو کیا اور نمازِ فجر ادا کی۔ اور دن کو روزہ بھی نہیں رکھا۔[1]

سیدنا عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ میں انھیں تین دن اور تین راتیں دیکھتا رہا لیکن انھوں نے اس عمل پر کوئی اضافہ نہیں کیا، البتہ ان ایام میں ان سے میں نے خیر کے علاوہ اور کوئی بات نہیں سنی۔ جب میں نے تین راتیں گزار لیں اور قریب تھا کہ میں ان کے اس عمل کو کم سمجھنے لگتا، میں نے ان سے حقیقت حال بیان کرتے ہوئے عرض کیا کہ میرے اور میرے والد کے درمیان کوئی رنجش نہیں، نہ میں نے انھیں چھوڑا ہے لیکن میں نے تین مختلف مجلسوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ ''ابھی تمھارے پاس اہل جنت میں سے ایک آدمی آئے گا۔'' اللہ تعالیٰ کی شان کہ تینوں مرتبہ آپ ہی تشریف لائے۔ چنانچہ میں نے ارادہ کر لیا کہ میں آپ کے پاس کچھ وقت گزاروں گا اور آپ کے اعمال دیکھوں گا اور پھر ان جیسے اعمال خود بھی کروں گا تاکہ مجھے بھی وہ سعادت مندی حاصل ہو جو آپ کو حاصل ہے۔ لیکن میں نے

[1] البداية و النهاية:8/74.

آپ کو بہت زیادہ عمل کرتے ہوئے نہیں دیکھا۔ آخر آپ کا وہ کون سا عمل ہے جس کی وجہ سے رسول اللہ ﷺ نے آپ کے متعلق یہ بشارت دی؟

سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ فرمانے لگے کہ میرے اعمال تو بس وہی ہیں جو آپ نے دیکھ لیے۔ عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ جب میں واپس جانے لگا تو آپ نے مجھے بلایا اور فرمایا: ''میں کسی مسلمان سے کینہ نہیں رکھتا، نہ کسی سے بُرائی کا ارادہ رکھتا ہوں، اور نہ کسی کو بُری بات کہتا ہوں۔''

عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ میں ان کی یہ بات سن کر بے ساختہ پکار اٹھا کہ یہی تو آپ کا وہ عمل ہے جس کی وجہ سے رسول اللہ ﷺ نے آپ کو جنت کی بشارت دی۔ اور یہی عمل ہے جس کی مجھ میں طاقت نہیں۔ [1]

پہلے لوگوں کے دل محبت سے لبریز ہوتے تھے اور وہ ایک دوسرے پر مہربان ہوتے تھے، لہٰذا ان کے لیے دنیا مسخر کر دی گئی اور اس کی چابیاں ان کے سپرد کر دی گئیں۔ فتوحات کا سلسلہ شروع ہوا، پھر آہستہ آہستہ یہ صورت حال ختم ہونے لگی، آپس کے اختلافات بڑھتے چلے گئے تو مسلمان ہر دشمن کا ہدف بن گئے اور ان کے شہر اور ملک ہر لالچی آدمی کی نظر کا مرکز بن گئے۔

سیدنا سعد بن أبي وقاص رضی اللہ عنہ کے دل میں یہی ایمانی محبت تھی جس سے ان کا دل لبریز تھا۔ اسی کی بدولت انھوں نے ملک شام اور عراق فتح کیا اور افریقہ اور عرب کے تمام مغربی علاقوں میں اسلام پھیلایا۔

جن دلوں میں کینہ اور بغض بھرا ہوا تھا انھوں نے ان شہروں کو برباد کر دیا۔ آپس

---

[1] البداية والنهاية: 74/8.

کے کینے، بغض اور حسد کی بدولت ہی تاتاریوں نے بغداد کو فتح کر لیا تھا۔

اندلس کے مسلم حکمران جب اپنے ساتھیوں پر عیب لگانے اور غیروں کے قریب ہونے میں ایک دوسرے سے سبقت لے جانے لگے تو اندلس کی عظیم الشان اسلامی سلطنت زوال پذیر ہوگئی۔

جس وقت فلسطین کے گورنروں میں سے ایک نے عرب اور دیگر مسلمانوں پر اپنی برتری بڑھانے کا لالچ کیا تو فلسطین زوال پذیر ہو گیا۔

یہاں پہنچ کر راستے جُدا جُدا ہو جاتے ہیں ان کے مابین جو قرآن کریم سیکھتے اور اس پر عمل کرتے ہیں اور وہ لوگ جنھوں نے کمیونزم اور اس کے طریقۂ حیات کو قبول کیا۔ ان دونوں گروہوں کے مابین بہت بڑا فرق اور فاصلہ ہے۔

اے سعد! تم کہاں ہو؟...... یہ غزوۂ اُحد میں صحابہ کرام اور اپنے محبوب رسول ﷺ کے انتہائی قریب تھے۔ یہی وہ غزوہ ہے جس میں مومنین کی اس جماعت کو، جسے اللہ تعالیٰ نے اپنے دین کی نشر و اشاعت کے لیے منتخب فرمایا تھا، سخت آزمائش اور مشقت سے دوچار ہونا پڑا۔ غزوۂ اُحد کے موقع پر رسول اللہ ﷺ نے مدینہ منورہ سے باہر نکلنا پسند نہیں کیا، اس موقع پر آپ ﷺ کی رائے مدینہ منورہ ہی میں ٹھہرے رہنے کی تھی۔ بہر حال جب مدینہ منورہ سے نکل پڑے تو عبداللہ بن ابی (منافقوں کا سردار) آدھے راستے سے ہی اسلامی لشکر کے تیسرے حصے کو لے کر پلٹ آیا۔

اور ''جبل رماۃ'' پر موجود مسلمانوں نے اپنے امیر کے حکم کے خلاف کیا اور مالِ غنیمت حاصل کرنے کے لیے مسلمانوں کے پیچھے والا علاقہ خالی چھوڑ دیا۔ وہاں سے دشمن حملہ آور ہوئے اور میدانِ جنگ کا نقشہ بدل گیا۔ اس وقت مسلمانوں پر بہت سخت

آزمائش آ پڑی۔ اور مشرکین کی امیدیں ہری بھری ہونے لگیں۔

اس موقع پر سیدنا سعد رضی اللہ عنہ کی بے مثال سرداری، ان کی ایمانی قوت اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دفاع کرنے کے لیے ان کے دل کی مضبوطی ظاہر ہوئی۔ وہ پہاڑ کی طرح ڈٹ کر کھڑے ہو گئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دفاع کرنے لگے اور کینہ ور مشرکوں کے اچانک حملے کو روکنے لگے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پیچھے کھڑے ہو کر انھیں تیر پکڑاتے جاتے تھے، ان کا حوصلہ بلند کرتے تھے اور فرماتے تھے: «اِرْمِ سَعْدُ! فِدَاكَ أَبِي وَأُمِّي» ''اے سعد! تجھ پر میرے ماں باپ قربان ہوں، تیر چلا۔''[1]

سیدنا علی بن أبي طالب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے سیدنا سعد رضی اللہ عنہ کے علاوہ کسی اور کے بارے میں نہیں سنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر اپنے ماں باپ میں سے کسی ایک کو قربان کرنے والا جملہ کہا ہو لیکن اُحد کے دن میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا: ''اے سعد! تیر چلا! تجھ پر میرے ماں باپ قربان ہوں۔''[2]

سیدنا سعد بن أبي وقاص رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی عائشہ رضی اللہ عنہا اللہ تعالیٰ کی نعمتوں اور احسانات کا تذکرہ کرتے ہوئے کہا کرتی تھیں کہ میں اس مہاجر کی بیٹی ہوں جس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ماں باپ کو قربان کیا۔ میں سعد بن أبي وقاص رضی اللہ عنہ کی بیٹی ہوں۔[3]

اے سعد رضی اللہ عنہ! آپ پر تمام مسلمانوں کے ماں باپ قربان ہوں اور آپ کو مبارک ہو وہ جنت جس کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بشارت دی۔

کیا سعد رضی اللہ عنہ کی خدمات اس مقام پر موقوف ہو گئیں؟

نہیں، اللہ کی قسم! ان کی خدمات بڑھتی ہی رہیں۔ یہ غزوۂ خندق میں بھی شریک

---

[1] البداية والنهاية لابن كثير: 75/8. [2] الطبقات لابن سعد: 141/3، والاستيعاب في معرفة الأصحاب: 607/2. [3] الطبقات لابن سعد: 142/3، والبداية والنهاية: 75/8.

ہوئے۔ اور انھوں نے حدیبیہ کے مقام پر درخت کے نیچے بیعتِ رضوان بھی کی۔ اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ مل کر خیبر کے قلعے کو خاک آلود کر دیا۔ اور فتح مکہ کے موقع پر جھنڈے اٹھانے والے تین مہاجرین میں سے ایک یہ بھی تھے۔

اللہ کی مدد اور کامیابی پوری ہوگئی اور اللہ تعالیٰ نے مومنین سے کیا ہوا اپنا وعدہ پورا کر دیا۔ فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿لَتَدْخُلُنَّ الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ اٰمِنِيْنَ مُحَلِّقِيْنَ رُءُوْسَكُمْ وَمُقَصِّرِيْنَ لَا تَخَافُوْنَ فَعَلِمَ مَا لَمْ تَعْلَمُوْا فَجَعَلَ مِنْ دُوْنِ ذٰلِكَ فَتْحًا قَرِيْبًا ۝ هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا ۝﴾

”اگر اللہ نے چاہا تو تم اپنے سر منڈاتے اور بال کترواتے ہوئے مسجد حرام میں ضرور داخل ہوگے، تم (کسی سے) نہ ڈرتے ہوگے، چنانچہ اللہ وہ بات جانتا تھا جو تم نہیں جانتے تھے، لہٰذا اس نے اس سے پہلے ایک فتح جلد ہی عطا کر دی۔ اور وہ (اللہ) ہی تو ہے جس نے اپنا رسول ہدایت اور دین حق کے ساتھ بھیجا تاکہ وہ اسے سب ادیان پر غالب کر دے، اور اللہ بطور گواہ کافی ہے۔“ [1]

اور جو لوگ گھوڑوں کی پشتوں پر ڈٹے رہتے ہیں، اللہ تعالیٰ انھیں بڑھا دیتا ہے۔ اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھی یا تو ہمیشہ معرکے میں رہتے تھے یا معرکے میں جانے کی امید لگائے رکھتے تھے۔

حجۃ الوداع کے موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا سعد رضی اللہ عنہ کو نہ پایا تو ان کی عدم موجودگی کی وجہ دریافت فرمائی۔ پتہ چلا کہ سعد رضی اللہ عنہ بیمار ہیں، چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان

[1] الفتح 48:27، 28.

کی مزاج پرسی کرنے کے لیے تشریف لے گئے۔

اس موقع پر سیدنا سعد رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! میں مالدار ہوں اور میرے ورثاء میں میری صرف ایک بیٹی ہے تو کیا میں اسے اپنے دوثلث مال کی وصیت کر دوں؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''نہیں۔'' انھوں نے کہا: آدھے مال کی وصیت کر دوں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''نہیں۔'' انھوں نے عرض کیا۔ ایک تہائی مال کی وصیت کر دوں؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''(ٹھیک ہے) ایک تہائی اور ثلث بھی زیادہ ہے۔'' اس کے بعد فرمایا: ''تیرا اپنے مال میں سے اپنے اوپر خرچ کرنا صدقہ ہے اور تیرا اپنے بچوں پر اور اپنے گھر والوں پر خرچ کرنا صدقہ ہے۔ اگر تو اپنے اہل و عیال کو اس حال میں چھوڑے کہ ان کے پاس مال کی فراوانی ہو تو یہ اس سے بہت بہتر ہے کہ تو انھیں اس حالت میں چھوڑے کہ وہ لوگوں کے سامنے ہاتھ پھیلاتے پھریں۔''[1]

اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی: ''اے اللہ! میرے اصحاب کی ہجرت مکمل فرما اور انھیں پیچھے واپس نہ جانے دے۔''

ان کی بیٹی عائشہ کہتی ہیں کہ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا ہاتھ ان کی پیشانی پر رکھا، ان کے چہرے سینے اور پیٹ پر اپنا ہاتھ پھیرا اور فرمایا: ''اے اللہ! سعد کو شفا عطا فرما اور اس کی ہجرت مکمل فرما۔''

سیدنا سعد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں اپنے سینے پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دستِ مبارک کی ٹھنڈک قیامت تک محسوس کرتا رہوں گا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سعد رضی اللہ عنہ کے لیے ایک آدمی مقرر کر دیا اور فرمایا: ''اگر سعد مکہ

[1] صحيح مسلم، حديث: 1628، و مسند أحمد: 168/1، والبداية والنهاية: 75/8.

مکرمہ میں فوت ہو جائیں تو انھیں سر زمین مکہ میں دفن نہ کرنا۔'' میں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول ﷺ! کیا آپ اس بات کو ناپسند کرتے ہیں کہ آدمی اس زمین میں مرے جہاں سے وہ ہجرت کر گیا؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جی ہاں۔''

لیکن سیدنا سعد بن اَبی وقاص رضی اللہ عنہ اس موقع پر فوت نہیں ہوئے۔ وہ رسول اللہ ﷺ کی تیمارداری کی برکت سے صحت و عافیت کے ساتھ مکہ مکرمہ سے واپس آ گئے۔

پھر امت اسلامیہ پر ایسے حالات و حوادث ظاہر ہوئے جنھوں نے سعد کی تاریخ سے غافل کر دیا......

اللہ کے رسول ﷺ وفات پا گئے۔ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ خلیفہ بنے تو اس وقت بھی مرتدوں اور صف اسلام سے خروج کرنے والوں، نماز اور زکاۃ میں فرق کرنے والے گروہوں کے خلاف جنگیں ہوتی رہیں۔

پھر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ خلیفہ بنے تو انھوں نے کوشش کی کہ یہ لوگ جزیرۂ عرب سے باہر منتقل ہو جائیں۔ اس کے بعد جب فتنہ ختم ہو گیا تو سب کے سب اسلام کے سایۂ رحمت میں جمع ہو گئے۔

شام کے اطراف میں خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے جرأت مندانہ حملوں اور اَبو عبیدہ رضی اللہ عنہ کی ایمانی قوت کی بدولت اسلام پھیل رہا تھا۔ یہ دونوں عظیم جرنیل علاقے پر علاقے فتح کرتے ہوئے مسلسل فتح و کامیابی حاصل کر رہے تھے۔ اور عراق کے اطراف میں مثنیٰ بن حارثہ رضی اللہ عنہ ایسے لشکر سے برسرپیکار تھے جو لاکھوں فوجیوں پر مشتمل تھا اور یہ لوگ بڑے سخت جنگجو تھے، وہ صحرا کے بیٹوں (عرب بدوؤں) کو پچھاڑ دینا چاہتے تھے۔ وہ اپنے ساتھ بھاری مال و اسباب اور تمام جنگی ہتھیار لائے تھے وہ ایسے جنگجو بھی لائے

تھے جو اس وقت کی بہترین جنگی چالوں کے ماہر تھے۔ مزید یہ کہ انھوں نے لڑاکے ہاتھیوں کے غول سے بھی مدد لی تھی۔

مثنیٰ بن حارثہ رضی اللہ عنہ نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے پاس قاصد بھیجا، وہ آپ رضی اللہ عنہ سے مدد بھی طلب کر رہے تھے اور عراق کے اطراف میں موجود مسلمانوں کے احوال سے بھی آگاہ کر رہے تھے۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: اللہ کی قسم! میں عجم کے بادشاہوں کو عرب کے سرداروں کے ذریعے ختم کر دوں گا۔[1]

پھر انھوں نے لوگوں کو جہاد کے لیے پکارا۔ جب وہ ان کے پاس جمع ہو گئے تو یہ ان کے ساتھ مدینہ منورہ سے نکلے اور اس چشمے پر اترے جسے ''ضرار'' کہا جاتا ہے۔

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے ان سے مطلوبہ سفر اور منزل کے متعلق سوال کیا تو انھوں نے فرمایا: میں عراق کی طرف چلنے کا ارادہ رکھتا ہوں۔ اس بات پر اکثر لوگوں نے ان کی موافقت کی اور کہنے لگے: آپ چلیے، ہم بھی آپ کے ساتھ جائیں گے۔ لیکن سیدنا عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ نے اس بات سے اختلاف کیا کہ امیر المومنین بذات خود عراق جائیں۔ انھوں نے کہا کہ آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھیوں میں سے کسی آدمی کو اپنی جگہ بھیج دیں اور اسے لشکروں کا سردار بنا دیں، اگر فتح حاصل ہو جائے تو ٹھیک ہے ورنہ آپ مزید لشکر تیار کریں اور دوسروں کو بھیج دیں۔ یہ بات دشمن کے غصے میں اضافہ کرنے کا سبب بنے گی۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دریافت فرمایا: وہ آدمی کون ہو گا؟ کسے یہ ذمہ داری سونپی

[1] الكامل في التاريخ لابن الأثير: 451/2.

جائے؟

اس شخص کے انتخاب کے لیے جو اس مشکل ترین اور اہم مہم کو سر کرنے پر قادر ہو، مسلمانوں کی مجلس شوریٰ کا اجلاس ہوا۔

ابھی زیادہ دیر نہیں گزری تھی کہ عبدالرحمٰن بن عوف بآواز بلند بول پڑے:

اے امیر المومنین! میں نے وہ آدمی پالیا ہے۔

عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: وہ کون ہے؟ عبدالرحمٰن نے کہا: وہ بار بار حملہ کرنے والا شیر سعد بن مالک ہے۔[1]

اس وقت سعد رضی اللہ عنہ کہاں تھے؟ وہ تو اس وقت نجد میں صدقات کی وصولی پر مامور تھے۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے 6 ہزار جنگجوؤں کا لشکر تیار کیا اور انھیں اس کا امیر مقرر کر دیا۔ اس لشکر میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی بہت بڑی جماعت شامل تھی۔ وہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی شریک تھے جو غزوۂ بدر میں حاضر ہوئے تھے۔ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ ''جیش الفتح'' کو رخصت کرنے نکلے اور لشکر کے سپہ سالار کے ساتھ ساتھ چلتے رہے۔

اور ان سے فرمانے لگے: اے سعد! تمھیں یہ بات دھوکے میں نہ ڈال دے کہ تمھیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ماموں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ساتھی کہا جاتا ہے۔ بے شک اللہ تعالیٰ برائی کو برائی سے نہیں مٹاتا، البتہ اللہ تعالیٰ برائی کو اچھائی سے مٹا دیتا ہے۔ اللہ اور اس کے بندوں کے درمیان کوئی رشتہ داری نہیں سوائے یہ کہ اس کی اطاعت کی جائے۔[2]

---

[1] البدایة والنهایة: 35/7. [2] اللہ کے ہاں مرتبہ حسب نسب سے نہیں ملتا بلکہ اس کی اطاعت و فرمانبرداری سے ملتا ہے۔

تمام لوگ اللہ کے معاملے میں برابر ہیں۔ اللہ ان کا رب ہے اور وہ اس کے بندے ہیں جو عافیت کے ذریعے ایک دوسرے پر فضیلت رکھتے ہیں اور اطاعت کے ذریعے وہ چیز حاصل کر سکتے ہیں جو اللہ کے پاس ہے۔ پس تم تمام معاملات پر غور کرو، جس چیز کو تم نے دیکھا ہو کہ رسول اللہ ﷺ اسے لازم سمجھتے تھے، اسے تم بھی اپنے اوپر لازم کرلو۔[1]

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے ان وصایا کے ذریعے ایسے سنہرے اصول بتائے اور ایسے قواعد و ضوابط کی بنیاد رکھی کہ جس پر ہر ملک اور ہر زمانے کے مسلمانوں کے تمام لیڈروں کو عمل کرنا چاہیے اور ان کی روشنی میں آگے بڑھنا چاہیے۔

ایمان اور کوشش کے بغیر لوگوں کی قرابت داریاں اللہ تعالیٰ کے ہاں کھجور کی گٹھلی کے چھلکے کے برابر بھی فائدہ نہیں دے سکتیں۔

دشمن اتنی ہی شکست کھاتا ہے جتنا وہ اللہ کی ہدایت سے دور ہوتا ہے۔ مسلمان اتنے ہی غالب آتے ہیں جتنے وہ اللہ کے دین کی مدد و نصرت اور اللہ تعالیٰ کے احکام کی اتباع کرتے ہیں۔

برائی اور بُری باتیں ان جیسی بُرائی کے ذریعے ختم نہیں ہوتیں، البتہ بُرائی اچھے افعال کے ذریعے مٹ جاتی ہے۔ اور لوگوں میں سے کوئی بلندی و بزرگی والا اور کم تر نہیں ہے۔ سب انسان اللہ تعالیٰ کے بندے اور اس کی مخلوق ہیں۔ ان میں سے اللہ تعالیٰ کے زیادہ قریب وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کے دین کے زیادہ قریب ہے۔

پھر سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے آخر میں تمام اصول و قواعد میں سب سے اہم اصول یہ بتایا کہ ہر حال میں رسول اللہ ﷺ کے طریقے کی اتباع کی جائے اس طرح انھوں

[1] البداية والنهاية لابن كثير: 35/7، والكامل في التاريخ لابن الأثير: 451/2.

نے ایسا خط کھینچا جو قتال کے میدانوں اور سلامتی کے مقامات ہر جگہ یکساں طور پر لازمی ہے۔

سیدنا سعد رضی اللہ عنہ اپنا لشکر لے کر چل پڑے اور مجاہدینِ اسلام کو دشمن پر حملہ کرنے کے لیے ابھارتے رہے۔ عراق کی سرسبز و شاداب زمین میں انھوں نے اپنے لشکر کو تیار کیا اور لشکر کے مختلف حصوں پر امراء متعین کیے۔ سیدنا سعد رضی اللہ عنہ نے قادسیہ کے بلند مقامات پر اپنا پڑاؤ ڈال لیا۔ دوسری طرف رستم کو بھی معلوم ہو گیا کہ شیر اپنے کچھار میں پہنچ چکا ہے، یعنی سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ میدان میں آ چکے ہیں۔ چنانچہ رستم بھی اونٹوں، ہاتھیوں اور بہت سارے ساز و سامان پر مشتمل بہت بڑا لشکر لے کر نکل پڑا۔

جب رستم ان کے قریب پہنچ گیا تو اس نے سعد رضی اللہ عنہ کی طرف پیغام بھیجا کہ آپ ہمارے پاس اپنا ایک سفیر بھیجیں تا کہ ہم آپس میں بات چیت کریں۔

جنگ کے وقت اس انتہائی اہم کام کے لیے سفیر کا انتخاب کرنا دراصل اپنے آپ کو لڑائی میں پیش کر دینے سے کم نہیں ہوتا بلکہ بعض اوقات تو ساری جنگ ایسی سفارت کاری ہی پر موقوف ہو جاتی ہے۔

سعد رضی اللہ عنہ نے اپنے ارد گرد نظر دوڑائی، وہ ایسے آدمی کو تلاش کر رہے تھے جو اس سفارت کے لیے مناسب ہو۔ ان کی عقابی نظر نے زیادہ دیر نہیں لگائی، انھوں نے ربعی بن عامر رضی اللہ عنہ کو منتخب کیا۔ یہ بہادر لوگوں میں سے تھے۔ جب ربعی بن عامر رضی اللہ عنہ روانہ ہوئے اور رستم کو ان کی روانگی کا علم ہوا تو اس نے اپنی شان و شوکت اور (مال و دولت) کی نمائش کی۔ اور خوب بن سنور کر سونے کے تخت پر گاؤ تکیہ لگا کر بیٹھ گیا۔

ربعی بن عامر رضی اللہ عنہ اپنے گھوڑے پر سوار ہو کر آئے، ان کی تلوار اور نیزہ چادر میں

لپٹا ہوا تھا۔

جب یہ اس کے تخت تک پہنچے تو ان سے کہا گیا نیچے اتریے۔ انھوں نے اپنے گھوڑے کو قالین پر چڑھا دیا، نیچے اتر آئے۔ اور گھوڑے کو تکیے کے ساتھ اس طرح باندھا کہ تکیے کو پھاڑا اور اس میں رسی کو ڈال کر اسے باندھ دیا۔

دربانوں نے ان سے مطالبہ کیا کہ ہتھیار اتار دیں۔

انھوں نے کہا: میں تمھارے پاس اس لیے نہیں آیا کہ تمھارے حکم سے اپنے ہتھیار اتاروں۔ تمھی نے مجھے بلایا ہے، پس تم رستم کو اطلاع دو۔ رستم نے کہا: انھیں اسی طرح آنے دو۔[1]

ربعی بن عامر رضی اللہ عنہ اپنے نیزے کا سہارا لیتے ہوئے اس شان سے آگے بڑھے کہ ان کے نیزے کی نوک قالین کو پھاڑتی چلی جا رہی تھی۔ انھوں نے نہ ان کی عزت کا خیال کیا، نہ ان کے پر شکوہ قالین کو خاطر میں لائے بلکہ اسے پھاڑتے ہوئے اور ان کی عزت کو خاک میں ملاتے ہوئے رستم کے قریب جا پہنچے۔

ربعی بن عامر رضی اللہ عنہ رستم کے قریب پہنچنے کے بعد خود زمین پر بیٹھ گئے اور اپنا نیزہ قالین پر گاڑ دیا۔

ان سے سوال کیا گیا کہ تم نے ایسا کیوں کیا؟

انھوں نے جواب دیا کہ ہم تمھاری زیب و زینت پر بیٹھنا پسند نہیں کرتے۔

رستم کے ترجمان نے ان سے پوچھا: تم اس سرزمین پر کیوں آئے ہو؟

انھوں نے جواب دیا: ''اللہ تعالیٰ ہمیں یہاں لے آیا ہے اور اسی اللہ نے ہمیں بھیجا

[1] الكامل في التاريخ لابن الأثير: 2/463.

ہے تا کہ اپنے بندوں میں سے جسے وہ چاہے اسے ہم دنیا کی تنگیوں سے آخرت کی وسعت وکشادگی کی طرف اور جملہ مذاہب کے ظلم وستم سے اسلام کے عدل وانصاف کی طرف لے آئیں۔ اس نے ہمیں اپنا دین دے کر اپنی مخلوق کی طرف بھیجا ہے، پس جو شخص اس دین کو قبول کرلے گا تو ہم بھی اسے قبول کریں گے اور ہم وہاں سے واپس چلے جائیں گے، اسے اور اس کی زمین کو اُسی کے پاس رہنے دیں گے۔ اور جس شخص نے اس دین کو قبول کرنے سے انکار کر دیا تو پھر ہم اس سے لڑائی کریں گے یہاں تک کہ ہم فتح مند ہو جائیں یا شہید ہو کر جنت میں پہنچ جائیں۔''

رستم نے ان سے کہا: ہم نے تمھاری بات سن لی ہے، کیا تم اس معاملے کو کچھ دیر مؤخر کرتے ہو تا کہ ہم غور وفکر کرلیں۔

کسی انسان کو دین میں داخل کرنے کے لیے کوئی بھی مناسب طریقہ اختیار کیا جا سکتا ہے۔

مسلمان تو انسانوں کو انسانوں کی بندگی سے نکال کر اللہ کی بندگی میں داخل کرنے کے لیے پیدا ہوا ہے جیسا کہ ربعی بن عامر رضی اللہ عنہ نے کہا تھا: ''تا کہ ہم اللہ کے بندوں کو، جسے وہ چاہتا ہے، نجات دلائیں۔''

وہی چاہتا ہے اور وہی ارادہ رکھتا ہے۔ اس جیسا نہ کوئی چاہ سکتا ہے، نہ کوئی ارادہ کر سکتا ہے۔

﴿ اُدْعُ اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ ﴾

''دعوت دیجیے اپنے رب کے راستے کی طرف حکمت اور اچھی نصیحت کے

ساتھ۔“[1]

﴿لَآ اِكْرَاهَ فِی الدِّيْنِ﴾

”دین میں کوئی جبر نہیں۔“[2]

وہ صرف ان سرکش اور جابر حکمرانوں سے ٹکراتے تھے جو اپنے پیروکاروں کو دین حنیف قبول کرنے سے روکتے تھے اور اسلام کی راہ میں رکاوٹ کھڑی کرتے تھے۔ کیونکہ جب لوگ اللہ کے دین میں داخل ہو جائیں تو نہ کسی لڑائی کا جواز رہتا ہے اور نہ قتل و غارت کا، اس لیے کہ ان کے حقوق و فرائض بھی وہی ہوتے ہیں جو مسلمانوں کے ہیں۔

اگلے دن رستم نے سعد رضی اللہ عنہ کی طرف دوبارہ پیغام بھیجا کہ ہماری طرف اپنا قاصد بھیجیں۔ چنانچہ سعد رضی اللہ عنہ نے اس دفعہ حذیفہ بن محصن رضی اللہ عنہ کو ان کی طرف قاصد بنا کر روانہ کیا۔ وہ بھی پہلے قاصد کی طرح شانِ بے نیازی سے پہنچے اور اپنے گھوڑے سے اترے بغیر رستم کے سامنے کھڑے ہو گئے۔

رستم نے ان سے کہا: گھوڑے سے نیچے اترو۔

انھوں نے جواب دیا: ”میں ایسا نہیں کروں گا۔“

رستم نے پوچھا: کل والا قاصد کیوں نہیں آیا؟

ان کا جواب تھا: ”ہمارے امیر یہ پسند کرتے ہیں کہ سختی اور آسانی میں ہمارے درمیان عدل و انصاف کا برتاؤ کریں، اس لیے آج میری باری ہے۔“

رستم نے سوال کیا: تم یہاں کیوں آئے ہو؟

---

[1] النحل 16:125. [2] البقرة 2:256.

انھوں نے اپنے پیش رو جیسا ہی جواب دیا۔

رستم نے سوال کیا: یہ مہلت کس دن تک ہے؟

انھوں نے اس کے جواب میں کہا: ”گزشتہ دن کو ملا کر تین دن تک۔“

یہ کہہ کر وہ اپنے ساتھیوں میں لوٹ آئے۔

ان کے جانے کے بعد رستم نے اپنے درباریوں سے کہا: افسوس ہو تم پر، کیا تم وہ نہیں دیکھتے جو میں دیکھ رہا ہوں؟ کل پہلا قاصد ہمارے پاس آیا اور ہماری ہی زمین پر ہمیں پچھاڑ گیا۔ اس نے ہماری تحقیر کی اور ہماری شان و شوکت کو اپنے گھوڑے کے سموں تلے روند ڈالا۔ اور آج یہ قاصد ہمارے پاس آیا، یہ کس قدر بارعب چہرے والا تھا، ہماری ہی زمین پر ہمارے سامنے سینہ تانے کھڑا تھا۔[1]

کیا میں نے تم سے نہیں کہا تھا کہ یہ کوئی دو لشکروں کے درمیان صلح کے پیغامات نہیں ہیں، نہ یہ جنگ یا سلامتی کے معاملے کی کوئی بات چیت ہے۔ یہ تو حقیقی جنگ تھی سعد رضی اللہ عنہ ایک آدمی کی صورت میں پورا لشکر بھیج رہے تھے جو ہمارے مفروضات کو ریزہ ریزہ کر دیتا تھا، پھر جہاں سے آتا تھا وہیں لوٹ جاتا تھا۔ قیادت ایسی ہی ہونی چاہیے۔

رستم اندرونی مخالفت ختم کرنے کے بعد اپنے درباریوں پر برس رہا تھا۔ یہ مخالفت کی سب سے خطرناک قسم ہے۔ اگر قیادت مطیع ہو جائے تو پورا لشکر بھیڑ بکریوں کے ریوڑ کی مانند ہوتا ہے جس کا آسانی سے صفایا کیا جا سکتا ہے۔

سیدنا سعد رضی اللہ عنہ نے اسی طرح کیا۔ انھوں نے ایرانی قیادت کو مرعوب کر دیا۔

[1] الكامل في التاريخ لابن الأثير: 463/2، والبداية والنهاية: 40/7.

اگلے دن رستم نے ایک بار پھر پیغام بھیجا کہ ہماری طرف اپنا ایک قاصد بھیجیں۔ اس بار سیدنا سعد رضی اللہ عنہ نے سیدنا مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کو مسلمانوں کا سفیر بنا کر روانہ کیا۔ سیدنا مغیرہ رضی اللہ عنہ جب وہاں پہنچے تو انھوں نے دیکھا کہ تمام درباری شاہی ٹوپیاں اور ایسا لباس پہنے ہوئے ہیں جو سونے کے تاروں سے بُنا گیا تھا۔ سیدنا مغیرہ رضی اللہ عنہ سیدھے رستم کے پاس پہنچے اور اس کے تخت پر جا بیٹھے۔ رستم کے درباری فوراً آگے بڑھے اور انھیں تخت سے نیچے اتارا۔ اس پر مغیرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''ہمیں تمھاری عقل و دانش کا اندازہ ہو گیا۔ میں نے تم سے زیادہ بیوقوف کوئی قوم نہیں دیکھی۔ ہم عرب کے باشندے ہیں جو کسی کی غلامی قبول نہیں کرتے۔ میں نے سمجھا کہ تم اپنی قوم کی مدد کرتے ہو گے جیسے ہم کرتے ہیں لیکن امر واقع اس کے برعکس ہے۔ اب تک تم نے جو کیا اس سے بہتر تھا کہ تم مجھے بتا دیتے کہ تم میں سے کچھ غلام ہیں اور کچھ آقا ہیں۔ آقا و غلام کی یہ تقسیم تمھاری بقا برقرار نہیں رکھ سکتی۔ میں تمھارے پاس خود چل کر نہیں آیا بلکہ تم نے مجھے بلایا ہے۔ آج میں جان گیا ہوں کہ تم شکست خوردہ ہو کیونکہ ملک ایسی عقلوں اور ایسے چال چلن سے نہیں چلا کرتے۔''[1]

تمھارا کیا خیال ہے کہ اس تیسرے لشکر نما انسان نے کیا کر دکھایا؟

اس پیغام کا رومیوں پر بہت گہرا اثر ہوا کیونکہ ربعی بن عامر اور حذیفہ بن محصن رضی اللہ عنہما کی سفارتی مہمات نے ان کے اندرونی اتحاد کو پارہ پارہ کر دیا تھا اور ان میں یہ سوچ پروان چڑھ رہی تھی کہ وہ ان عرب کے باشندوں کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ جبکہ مغیرہ رضی اللہ عنہ کی سفارتی مہم نے ان کے جوانوں میں اپنے سرداروں کے خلاف جواں مردی پیدا کر

[1] البداية والنهاية: 40/7، والكامل في التاريخ لابن الأثير: 464/2.

دی جوان سے غلاموں کا سا برتاؤ کرتے تھے۔ کیونکہ وہ آقا اور غلام، سردار اور کمی کمین کے درجوں میں منقسم تھے۔ چند با اثر لوگوں نے دوسروں کو غلام بنایا ہوا تھا، وہ کمزوروں کو بچی کھچی چیزوں کے سوا کچھ نہیں دیتے تھے۔

گویا مغیرہ رضی اللہ نے ان کے لشکروں کو مخاطب کر کے کہا تھا:

''ان لوگوں کے خلاف اٹھ کھڑے ہو جنھوں نے تمھیں جینے کے حق سے محروم کر رکھا ہے۔

اٹھ کھڑے ہو! ان کے خلاف جنھوں نے تمھیں ظلم و استبداد کے ذریعے غلام بنایا ہوا ہے۔

ان جلادوں کو ختم کر دو۔

ہمارا دین اس تفریق کو برداشت نہیں کرتا۔

ہم غنیمتیں جمع کرنے یا سامانِ عیش حاصل کرنے نہیں آئے۔ ہم آئے ہیں تو صرف تمھارے لیے تاکہ ہم ''جسے اللہ چاہے'' اسے انسانوں کی بندگی سے نکال کر اللہ کی بندگی میں داخل کریں۔ دنیا کی تنگی سے نکال کر کشادگی میں لے جائیں۔ حکمرانوں کے ظلم و ستم سے نکال کر اسلام کی شفقت کے سائے میں پناہ دیں۔''

مغیرہ رضی اللہ کی نیت وارادہ اس قدر پختہ و خالص تھا کہ رومی فوج کے سپاہی پکار اٹھے: ''اللہ کی قسم! اس عربی نے بالکل سچ کہا ہے۔''

بڑے بڑے سرداروں نے کہا: ''اللہ کی قسم! انھوں نے ایسی بات کہی ہے جس کی طرف ہمارے غلام ہمیشہ مائل ہوتے رہیں گے۔ اللہ پہلوں کو ہلاک کرے جنھوں

نے اس امت کے معاملے کو حقیر سمجھا۔''[1]

مغیرہ رضی اللہ عنہ سعد رضی اللہ عنہ کے پاس لوٹ آئے اور فرمایا: ''یہ جنگ ہے۔''

سیدنا سعد رضی اللہ عنہ شیر کی مانند اپنے لشکر میں تشریف لائے اور یہ آیت تلاوت فرمائی:

﴿ وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبُورِ مِنْ بَعْدِ الذِّكْرِ أَنَّ الْأَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصَّالِحُونَ ۝ ﴾

''اور ہم زبور میں نصیحت کے بعد یہ لکھ چکے ہیں کہ زمین کے وارث میرے نیک بندے ہی ہوں گے۔''[2]

پھر ظہر کی نماز ادا کی اور چار تکبیرات کہہ کر دشمن پر حملہ کر دیا۔ انھوں نے اپنے سپاہیوں کو حکم دیا کہ وہ یہ دعا پڑھیں:

« لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ »

''نہیں ہے نیکی کرنے کی طاقت اور نہ گناہ سے بچنے کی قوت مگر اللہ کے ساتھ۔''[3]

قریب تھا کہ ہاتھی مسلمانوں کی صفوں کو روند ڈالتے لیکن مومن قیادت نے اس نئی طرز کے حملے کو پسپا کر دیا جسے عرب جانتے ہی نہیں تھے۔

قعقاع رضی اللہ عنہ نے اپنی قوم کو پکارا کہ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پیروکارو! اب ہم کیا کریں؟ جنگ کا پانسہ پلٹنے لگا۔ لیکن چند لمحوں ہی کے بعد مسلم قیادت نے اس کا حل نکال لیا، انھوں نے اونٹوں پر اونٹ بانوں کو بٹھا کر ان کے ہاتھوں میں مشعلیں تھمائیں اور

[1] البداية والنهاية: 40/7، والكامل في التاريخ لابن الأثير: 464/2. [2] الأنبياء 105:21.
[3] البداية والنهاية: 43/7.

ان پر بڑی بڑی چادریں ڈال دیں جنھیں چاروں طرف سے جنگجو سپاہیوں نے گھیرا ہوا تھا۔

جب ہاتھیوں نے یہ خوفناک چیزیں دیکھیں تو ڈر کر پیچھے بھاگے اور اہلِ فارس ہی کی صفوں کو روندتے چلے گئے۔ رومی فوج کی صفوں میں کھلبلی مچ گئی، لہٰذا مسلمان گھڑسوار بھی ان ہاتھیوں کے پیچھے اہلِ فارس کی صفوں میں گھس گئے۔

دوسری جانب ایک آواز تھی جو معرکے میں ہدایات جاری کر رہی تھی اور مسلمانوں کے دلوں کو گرما رہی تھی۔ یہ سیدنا سعد رضی اللہ عنہ کی آواز تھی:

''اے قعقاع! آگے بڑھو۔

اے ابن عامر! میمنہ کی طرف رہو۔

اے مغیرہ! ان گھڑسواروں کو پیچھے دھکیلو۔

اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھیو!

اے اہلِ بدر! اے جنگِ یمامہ میں حصہ لینے والو! آگے بڑھو۔ اللہ تمھارے ساتھ ہے اور تمھارا مددگار ہے۔''

سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے اپنی ہتھیلیاں اللہ تعالیٰ کے سامنے پھیلا دیں۔

''اے اللہ! مدد کر جس کا تو نے وعدہ کیا ہے۔ اے اللہ! ہمیں ان پر غلبہ عطا فرما، اپنی طرف سے ہماری مدد فرما۔''

پھر اہلِ بدر اور قادسیہ والے آگے بڑھے، ناپاک مشرکوں کو ختم کرنے لگے۔ وہ زمین کو آگ کے پجاریوں اور بت پرستوں سے پاک کر رہے تھے۔

اچانک ایک آواز بلند ہوئی اور ''اللہ اکبر'' کی گونج پورے میدان میں پھیل گئی۔

اس آواز کو سیدنا سعد رضی اللہ عنہ پہچانتے تھے۔

یہ آواز ہلال بن علقمہ رضی اللہ عنہ کی تھی جو رستم کے تخت پر چڑھ کر مسلمانوں کو رومی لشکر کے سپہ سالار رستم کے قتل کی خوشخبری دے رہے تھے اور کہہ رہے تھے:

''رب کعبہ کی قسم! میں نے رستم کو قتل کر دیا ہے۔''

مسلمان ان کے گرد جمع ہو گئے اور تکبیر کا نعرہ بلند کیا۔ جنگ ختم ہو گئی۔ سیدنا سعد رضی اللہ عنہ کی دعا قبول ہوئی اور اللہ تعالیٰ نے اپنے مومن بندوں کو فتح عطا فرمائی۔

سیدنا سعد رضی اللہ عنہ کے لشکر کے روانہ ہونے کے بعد کیا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے آرام کیا؟

کیا انھیں نیند آئی؟

کیا انھیں سکون نصیب ہوا؟

کیا ان کے دل کو قرار آیا؟

صحیح ترین تاریخی کتب میں عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے بارے میں ایک روایت ملتی ہے کہ وہ روزانہ صبح شہرِ مدینہ سے باہر چلے جاتے اور وہاں سے گزرنے والے قافلوں اور تاجروں سے قادسیہ کے معرکے کے متعلق معلومات حاصل کرتے۔ وہ ان سے اس سکینت واطمینان کے متعلق دریافت کرتے جو اس دور دراز مقام پر مسلمانوں کے لشکر کو ڈھانپ لیتی ہے۔ اور مسلمانوں کی تیاری، ہتھیاروں کی معلومات غذائی رسد، غرض ہر پہلو سے ان کے متعلق خبریں حاصل کرنے کی کوشش کرتے کہ شاید ان میں فتح کی نوید بھی شامل ہوتی کہ دوپہر ہو جاتی۔ پھر اپنے گھر لوٹ آتے۔

ایک دن عمر رضی اللہ عنہ اپنے معمول کے مطابق مدینہ سے باہر قادسیہ کی طرف سے آنے والے کسی قاصد کا انتظار کر رہے تھے کہ انھیں ایک آدمی ملا جو مدینے کی طرف آ رہا

تھا۔ دراصل وہ معرکۂ قادسیہ کی خوشخبری لے کر آیا تھا۔ عمر رضی اللہ عنہ نے اس سے سوال کیا کہ ''کہاں سے آ رہے ہو؟'' خوشخبری دینے والے نے اس جگہ کا نام بتایا جہاں سے وہ آ رہا تھا۔

عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''اے اللہ کے بندے! مجھے بتاؤ کیا خبر لائے ہو؟''

قاصد نے جواب دیا: ''اللہ تعالیٰ نے مشرکین کو شکست سے دو چار کر دیا ہے۔'' یہ کہہ کر اس نے اپنی اونٹنی کو دارالخلافہ کی طرف ایڑھ لگا کر بھگا دیا جبکہ عمر رضی اللہ عنہ اس کے پیچھے پیچھے بھاگ رہے تھے اور سوال کرتے جا رہے تھے حتیٰ کہ وہ دونوں مدینے میں داخل ہو گئے۔ جب لوگ عمر رضی اللہ عنہ کو ''امیر المومنین'' کہہ کر سلام کرنے لگے تو قاصد کو پتا چلا کہ آپ ہی امیر المومنین ہیں۔

قاصد کہنے لگا: ''اللہ آپ پر رحم فرمائے، آپ نے مجھے کیوں نہ بتایا کہ آپ امیر المومنین ہیں؟''

عمر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: ''کوئی حرج نہیں، میرے بھائی!''

اے عمر! اللہ آپ پر رحم کرے اور آپ سے راضی ہو۔

اے سعد! اللہ آپ پر بھی اس قدر رحم کرے جتنی آپ نے فتح ونصرت حاصل کی۔

مدائن کے معرکے میں سیدنا سعد رضی اللہ عنہ کو بہت بڑی آزمائش کا سامنا کرنا پڑا۔

مدائن کے معرکے اور جنگِ قادسیہ کے درمیان دو سال کا وقفہ تھا۔ اس عرصہ کے دوران میں بھی مسلمانوں اور اہل فارس کے درمیان چھوٹی چھوٹی جھڑپیں ہوتی رہیں حتیٰ کہ تمام شکست خوردہ فارسی لشکر اور باقی ماندہ سپاہی مدائن میں جمع ہو گئے اور ایک آخری اور فیصلہ کن ٹکراؤ کی تیاری کرنے لگے۔

سیدنا سعد رضی اللہ عنہ نے محسوس کیا کہ وقت ان کے دشمنوں کے حق میں ہے، لہٰذا انھوں نے فیصلہ کر لیا کہ وہ ان سے یہ برتری چھین لیں گے لیکن مسئلہ یہ تھا کہ ان کے اور مدائن کے درمیان دریائے دجلہ پڑتا تھا جو ان دِنوں اپنے جوبن پر تھا۔

سیدنا سعد رضی اللہ عنہ نے غور و فکر کے بعد لشکر کو دریا میں کودنے کا حکم دے دیا۔ اس سے پہلے کہ اسلامی لشکر دریائے دجلہ عبور کرنا شروع کرتا، سیدنا سعد رضی اللہ عنہ نے دریا کے دوسرے کنارے کو محفوظ بنانے کا اقدام کیا جسے دشمنوں نے گھیر رکھا تھا۔

سیدنا سعد رضی اللہ عنہ نے اس مقصد کے لیے دو چھوٹے لشکر تیار کیے۔ ایک لشکر ''الاھوال'' تھا جس پر انھوں نے سیدنا عاصم بن عمرو کو امیر بنایا اور دوسرا ''الخرساء'' تھا جس پر سیدنا قعقاع بن عمر کو امیر مقرر کیا۔ ان دونوں لشکروں کے ذمے یہ کام لگایا گیا کہ وہ دوسری طرف جا کر دشمن پر حملہ آور ہوں اور ان میں گھس جائیں تا کہ ان کے پیچھے باقی لشکر امن و امان سے دریا عبور کر لے۔

چنانچہ انھوں نے اپنا کام بڑی مہارت سے انجام دیا۔ اور سیدنا سعد رضی اللہ عنہ نے ایسی کامیابی حاصل کی جس نے مؤرخین کو حیرت زدہ کر دیا۔ سیدنا سعد رضی اللہ عنہ خود بھی حیرت زدہ تھے اور انھوں نے اس معرکے میں اپنے ساتھی اور رفیق کار سیدنا سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کو بھی ششدر کر دیا جنھوں نے اپنے ہاتھ پر ہاتھ مارتے ہوئے کہا: ''اسلام ترقی کر گیا۔ اللہ کی قسم! ان کے لیے دریا بھی مطیع ہو گئے ہیں جیسے خشکی ان کی مطیع ہے۔ اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں سلمان کی جان ہے! جس طرح اسلام میں لوگ فوج در فوج داخل ہوئے ہیں، اسی طرح خارج ہو جائیں گے۔''[1]

[1] ابن الأثیر: 2/512۔

ابن کثیر اپنی کتاب "البداية والنهاية" میں فرماتے ہیں:

"سیدنا سعد رضی اللہ عنہ نے مسلمانوں کو حکم دیا کہ وہ یہ دعا پڑھیں:

« حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ »

"اللہ ہی ہمیں کافی ہے اور وہ بہتر کارساز ہے۔"

پھر انھوں نے اپنا گھوڑا دریائے دجلہ میں ڈال دیا اور ان کے پیچھے تمام لوگوں نے اپنے گھوڑے دریا میں ڈال دیے۔ کوئی بھی پیچھے نہ رہا۔ وہ پانی پر اس طرح چل رہے تھے جیسے وہ زمین پر چل رہے ہوں حتی کہ دریا دونوں کناروں تک اسلامی لشکر کے سپاہیوں سے بھر گیا اور گھڑ سواروں اور پیادوں کی وجہ سے پانی کی سطح دکھائی نہیں دے رہی تھی۔ لوگ پانی پر چلتے ہوئے اسی طرح باتیں کر رہے تھے جیسے وہ زمین پر چلتے ہوئے باتیں کرتے تھے۔ یہ سب اطمینان اور امن، اللہ کے وعدے، اس کی نصرت اور تائید کی وجہ سے تھا۔" [1]

سیدنا سعد رضی اللہ عنہ نے قصرِ ابیض (سفید محل) میں پڑاؤ ڈالا اور کسریٰ کے ایوان میں نماز ادا کی۔ اور اس میں کوئی تبدیلی نہ کی۔

سیدنا سعد رضی اللہ عنہ جب ایوان میں داخل ہوئے تو آپ نے یہ آیت تلاوت کی:

﴿ كَمْ تَرَكُوْا مِنْ جَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ ۝ وَّزُرُوْعٍ وَّمَقَامٍ كَرِيْمٍ ۝ وَّنَعْمَةٍ كَانُوْا فِيْهَا فٰكِهِيْنَ ۝ كَذٰلِكَ ۗ وَاَوْرَثْنٰهَا قَوْمًا اٰخَرِيْنَ ۝ ﴾

"وہ بہت سے باغات اور چشمے چھوڑ گئے اور کھیتیاں اور راحت بخش ٹھکانے، اور وہ آرام کی چیزیں جن میں عیش کر رہے تھے۔ اسی طرح ہو گیا اور ہم نے

[1] البداية والنهاية: 7/66.

ان سب کا وارث دوسری قوم کو بنا دیا۔''[1]

سیدنا سعد رضی اللہ عنہ نے وہاں نمازِ فتح کی آٹھ رکعتیں اکٹھی ادا کیں[2] اور مال غنیمت لشکر کے سپاہیوں میں تقسیم کیا۔ ہر سوار کے حصے میں نو ہزار اشرفیاں اور 9 جانور آئے۔

سیدنا سعد رضی اللہ عنہ نے خمس (پانچواں حصہ) عمر رضی اللہ عنہ کے پاس مدینہ بھیج دیا۔

جب عمر رضی اللہ عنہ نے یاقوت اور ہیرے جواہرات دیکھے تو رونے لگے۔

عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے پوچھا: ''اے امیر المومنین! آپ کیوں روتے ہیں؟ اللہ کی قسم! یہ تو مقامِ شکر ہے۔''

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: ''اللہ کی قسم! میں اس وجہ سے نہیں رو رہا۔ جب بھی اللہ کسی قوم کے لوگوں کو مال عطا کرتا ہے تو وہ آپس میں حسد و بغض کرنے لگتے ہیں۔ اور جب وہ آپس میں حسد کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ان کے مابین پھوٹ ڈال دیتا ہے۔''[3]

اللہ کی قسم! جو کچھ عمر رضی اللہ عنہ نے کہا اور ان سے پہلے جو کچھ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، وہ سچ ثابت ہوا۔

دنیا کی حرص کی ابتدا ہو گئی۔ شروع میں یہ چند آدمیوں میں ظاہر ہوتی ہے، پھر حرص و لالچ سے آپس میں تلواریں کھنچ جاتی ہیں۔ اس دفعہ کسی خارجی خطرے کی وجہ سے ایسا نہیں ہوا تھا بلکہ مسلمان آپس میں ایک دوسرے کے دشمن ہو گئے تھے۔

پھر سیدنا سعد رضی اللہ عنہ نے اپنے لشکر کا ایک وفد عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے پاس بھیجا تاکہ تکریت اور موصل کی فتح کے بارے میں آپ سے مشورہ کر سکیں۔

[1] الدخان 44: 25-28 [2] ابن الأثیر: 514/2 [3] ابن الأثیر: 522/2.

جب سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے انھیں دیکھا تو ان کی حالت یہ تھی کہ ان کے پیٹ پتلے ہو گئے تھے، اعضاء سوکھ گئے تھے اور رنگ بدل گیا تھا۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے سعد رضی اللہ عنہ کو پیغام بھیجا: ''مجھے بتایئے کہ عربوں کے رنگ اور جسمانی حالت کیوں تبدیل ہو گئی ہے؟''

انھوں نے جواب میں لکھا: ''شہروں کی آب و ہوا نے ان کے رنگ تبدیل کر دیے ہیں۔ عربوں کو وہی آب و ہوا راس آتی ہے جو ان کے اونٹوں کو راس آئے۔''[1]

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے انھیں پیغام بھیجا کہ ''سلمان رضی اللہ عنہ اور حذیفہ رضی اللہ عنہ کو ایسی جگہ کی تلاش میں بھیجیں جو خشک ہو اور سمندری آب و ہوا بھی رکھتی ہو، میرے اور تمھارے درمیان اس جگہ پر کوئی رکاوٹ بھی نہ ہو۔

اس مقصد کے لیے کوفہ کی سرزمین کو چنا گیا۔ سیدنا سعد رضی اللہ عنہ نے اس شہر کا نقشہ تیار کیا اور بنیاد رکھی۔ بنیاد رکھتے ہوئے آپ نے یہ دعا فرمائی: ''اے اللہ! اس شہر کو دشمن سے بچاؤ کے لیے مسلمانوں کی ڈھال بنا۔''

چنانچہ کوئی بیرونی دشمن اس قلعے میں داخل نہ ہو سکا، نہ عراق کی سرزمین کو روند سکا ہاں خلیفہ عبدالملک بن مروان کے عہد میں مسلمانوں کا یہ قلعہ منہدم ہو کر کھنڈر میں تبدیل ہو گیا۔

ایک دفعہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو خبر ملی کہ سعد رضی اللہ عنہ نے اپنے لیے ایک محل تعمیر کیا ہے جسے قصرِ سعد (سعد کا محل) کہا جاتا ہے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے محمد بن مسلمہ کو کوفہ بھیجا اور حکم دیا کہ اس محل کا دروازہ توڑ دو اور واپس آ جاؤ۔ ساتھ ہی آپ رضی اللہ عنہ نے سیدنا سعد رضی اللہ عنہ کو

[1] ابن الأثير: 527/2.

پیغام بھیجا:

''مجھے یہ خبر پہنچی ہے کہ آپ نے اپنے لیے ایک محل بنایا ہے جسے آپ قلعے کے طور پر استعمال کرتے ہیں اور اسے قصرِ سعد کہا جاتا ہے۔ یہ آپ اور لوگوں کے درمیان ایک دروازہ ہے، لہٰذا یہ آپ کا محل نہیں۔ یہاں سے نکل جائیں اور بیت المال کے قریب ایک گھر میں منتقل ہو جائیں، اس محل کو بند کر دیں اور اپنے گھر میں ایسا دروازہ نہ رکھیں جو لوگوں کو اپنے مسائل آپ کے پاس لانے سے روکے۔''[1]

جو فتوحات سیدنا سعد رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں نے عراق کی سرزمین میں حاصل کیں وہ ایک اسلامی ورثہ ہیں۔

وہ سب اللہ کے لشکر اور اس کے راستے کے داعی تھے لیکن یہ سب فضائل و خصائل مل کر بھی اسلام کی رو سے اور عمر رضی اللہ عنہ کی رائے کے مطابق سیدنا سعد رضی اللہ عنہ کو اس بات کی اجازت نہیں دیتے تھے کہ وہ اپنے لیے ایک محل بنا لیں۔

لشکر کے کسی سپاہی کا بھی ایسا محل نہیں تھا کیونکہ روم اور فارس کے حکمرانوں کے لیے ایسے محل بنانا ٹھیک تھا لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھیوں کو یہ کام زیب نہیں دیتا تھا۔

ان کے لیے یہ بھی جائز نہیں کہ وہ اپنے اور رعایا کے درمیان دروازے اور دیواریں کھڑی کریں یا دربان بٹھائیں تاکہ وہ لوگوں کو ان کے پاس آنے سے روکیں۔

یوسف علیہ السلام بھی مصر کے خزانوں کے نگران تھے لیکن کبھی انھوں نے پیٹ بھر کے کھانا نہیں کھایا تھا۔ اور جب ان سے اس کے متعلق پوچھا گیا تو انھوں نے یہ مشہور مقولہ کہا:

''مجھے ڈر ہے کہ جب میں پیٹ بھر کے کھاؤں گا تو بھوکے لوگوں کو بھول جاؤں گا۔''

[1] ابن الأثیر: 530/2۔

"اے سعد! اس محل سے نکل جائیے اور اسے بند کر دیجیے۔ اپنے گھر میں ایسا دروازہ نہ لگوایئے جو لوگوں کو اپنے مسائل آپ کے پاس لانے سے روکے۔"

سیدنا سعد رضی اللہ عنہ نے اس کے جواب میں کہا: "اے امیر المومنین! آپ کے حکم کی تعمیل کی جائے گی۔"

لیکن سیدنا سعد رضی اللہ عنہ کے متعلق شکایات زیادہ ہو گئیں، لوگ انھیں ان کے دین کے بارے میں متہم کرنے لگے اور الزام دینے لگے کہ وہ ٹھیک طرح نماز نہیں پڑھاتے۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے ایک وفد کوفہ بھیجا تا کہ وہ سیدنا سعد رضی اللہ عنہ پر ان الزامات کی تحقیق کرے، چنانچہ وفد کے ارکان اہلِ مسجد میں جس سے بھی ملے اس نے سیدنا سعد رضی اللہ عنہ کی تعریف کی، کسی قسم کی شکایت کا اظہار نہ کیا۔ لیکن جب وہ بنوعیسیٰ کی مسجد میں گئے تو وہاں انھیں ایک آدمی ملا جس کا نام ابوسعدہ اسامہ بن قتادہ تھا، اس نے کہا:

"سعد جنگ میں خود شریک نہیں ہوتے اور نہ غنیمتیں برابر تقسیم کرتے ہیں اور نہ فیصلہ کرنے میں عوام کے ساتھ انصاف کرتے ہیں۔"

سیدنا سعد رضی اللہ عنہ کو جب اس بات کا پتا چلا تو انھوں نے فرمایا:

"اے اللہ! اگر تیرے اس بندے نے تکبر اور ریاکاری کی وجہ سے یہ کام کیا ہے تو اس کی عمر دراز کر دے۔ اسے غربت کا مزہ چکھا، اسے اندھا کر دے اور فتنوں میں مبتلا کر دے۔"[1]

اس کے بعد سیدنا سعد رضی اللہ عنہ اپنے عہدے سے سبکدوش ہو گئے۔

سیدنا سعد رضی اللہ عنہ مستجاب الدعوات (ایسی شخصیت جس کی دعا رد نہ ہو) تھے۔ سیدنا

[1] البداية والنهاية لابن كثير: 76/8.

ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سعد رضی اللہ عنہ کے لیے دعا کرتے ہوئے سنا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے تھے:

"اے اللہ! سعد کا نشانہ درست کر دے، اس کی دعا قبول کر اور اسے اپنے بندوں میں محبوب بنا دے۔"[1]

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ سیدنا سعد رضی اللہ عنہ نے درخواست کی: اے اللہ کے رسول! اللہ تعالیٰ سے دعا کیجیے کہ وہ میری دعا قبول فرمائے، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"اللہ تعالیٰ اس بندے کی دعا قبول کرتا ہے جس کا کھانا پینا حلال کا ہو۔"

ایک روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"اپنا کھانا پینا حلال اور پاک کر لو، تم مستجاب الدعوات بن جاؤ گے۔"[2]

تمام صحابہ رضی اللہ عنہم سیدنا سعد رضی اللہ عنہ کے بارے میں یہ بات جانتے تھے کہ جب وہ دشمن پر تیر چلاتے ہیں تو وہ ٹھیک نشانے پر لگتا ہے اور جب وہ اپنے رب سے دعا کرتے ہیں تو قبول ہوتی ہے۔

ایک دفعہ سیدنا سعد رضی اللہ عنہ کی ایک لونڈی نئی قمیص پہن کر باہر نکلی۔ تیز ہوا چل رہی تھی جس سے اس کا پردہ کھل گیا تو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اسے کوڑے لگائے۔

سیدنا سعد رضی اللہ عنہ آئے تاکہ عمر رضی اللہ عنہ کو روکیں تو عمر رضی اللہ عنہ نے انھیں بھی آڑے ہاتھوں لیا۔ سیدنا سعد رضی اللہ عنہ عمر رضی اللہ عنہ کے لیے بد دعا کرنے لگے تو عمر رضی اللہ عنہ نے کوڑا سعد رضی اللہ عنہ کو پکڑا دیا اور کہنے لگے: "اے سعد! مجھ سے قصاص لے لو۔" لیکن سیدنا سعد رضی اللہ عنہ نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو معاف کر دیا۔

---

[1] الاستيعاب في معرفة الأصحاب: 608/2. [2] البداية والنهاية: 76/8، والاصابة في تمييز الصحابة: 32/2.

اس کے بعد سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو شہید کر دیا گیا۔

جب سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ خلیفہ بنے تو انھوں نے سیدنا سعد رضی اللہ عنہ کو کوفہ کی گورنری کی پیشکش کی۔ لیکن سیدنا سعد رضی اللہ عنہ نے یہ کہہ کر انکار کر دیا: ''میں ایسی قوم کا حاکم نہیں بن سکتا جو میرے بارے میں یہ کہتی ہو کہ میں نماز ٹھیک طرح ادا نہیں کرتا۔''

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ شہید کر دیے گئے تو مسلمانوں میں فتنہ و فساد پھیل گیا لیکن سیدنا سعد رضی اللہ عنہ اس سے بالکل الگ تھلگ رہے۔

سیدنا سعد رضی اللہ عنہ کے پاس ان کا بھتیجا ہاشم بن عتبہ بن ابی وقاص آیا اور آپ سے کہا: ''اے چچا جان! ایک لاکھ تلواریں آپ کا انتظار کر رہی ہیں کہ آپ انھیں استعمال کرنے کے سب سے زیادہ حقدار ہیں۔''

سیدنا سعد رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: ''میں ان ایک لاکھ تلواروں میں سے ایسی تلوار تلاش کر رہا ہوں کہ جب میں اسے کسی مومن پر چلاؤں تو کام نہ کرے لیکن جب میں اس سے کسی کافر پر وار کروں تو اسے کاٹ کر رکھ دے۔''[1]

ایک دفعہ سیدنا سعد رضی اللہ عنہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس گئے۔ معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان سے پوچھا: ''آپ ہمارے ساتھ مل کر کیوں نہیں لڑتے؟''

سیدنا سعد رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: ''مجھ پر ایک کالی آندھی چھا گئی تھی۔ میں نے اپنی سواری کو بٹھانے کے لیے اخ اخ کہا تو وہ بیٹھ گئی حتی کہ آندھی چھٹ گئی۔ پھر میں نے راستہ تلاش کیا اور چل پڑا۔''[2]

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا: ''کتاب اللہ میں اخ اخ نہیں ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا

[1] الطبقات لابن سعد: 142/3. [2] البداية والنهاية لابن كثير: 77/8.

ہے:

﴿وَإِن طَآئِفَتَانِ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ اقْتَتَلُوا فَأَصْلِحُوا بَيْنَهُمَا ۖ فَإِن بَغَتْ إِحْدَاهُمَا عَلَى الْأُخْرَىٰ فَقَاتِلُوا الَّتِي تَبْغِي حَتَّىٰ تَفِيءَ إِلَىٰ أَمْرِ اللَّهِ﴾

''اور اگر مومنین میں سے دو گروہ آپس میں لڑ پڑیں تو ان میں صلح کرا دو، پس اگر ایک گروہ دوسرے پر زیادتی کرے تو تم اس (گروہ) سے لڑو جس نے زیادتی کی ہو حتی کہ وہ اللہ کے حکم کی طرف لوٹ آئے۔'' [1]

اللہ کی قسم! میں نہ باغیوں سے مل کر انصاف والوں کے خلاف لڑتا ہوں اور نہ انصاف والوں سے مل کر باغیوں کے خلاف لڑ رہا ہوں۔ [2]

سیدنا سعد رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: ''میں اس آدمی سے لڑائی نہیں کروں گا جس کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''تم میرے ساتھ ایسی جگہ پر ہو جہاں پر ہارون (علیہ السلام) موسیٰ (علیہ السلام) کے ساتھ تھے مگر بات یہ ہے کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں ہو گا۔'' [3]

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے پوچھا: ''آپ کے ساتھ یہ حدیث اور کس نے سنی ہے؟''

سیدنا سعد رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: ''فلاں، فلاں اور ام سلمہ نے۔''

ایک روایت میں ہے کہ معاویہ رضی اللہ عنہ نے سیدنا سعد رضی اللہ عنہ سے پوچھا: ''آپ ابوتراب (علی رضی اللہ عنہ) کو برا بھلا کیوں نہیں کہتے۔''

سیدنا سعد رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''تمھیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کہی ہوئی تین باتیں یاد نہیں! میرے لیے ان میں سے ایک بھی ہوتی تو مجھے وہ سرخ اونٹوں سے زیادہ محبوب ہوتی۔

---

[1] الحجرات 9:49. [2] البداية والنهاية:77/8، والطبقات لابن سعد:143/3. [3] السيرة النبوية لابن هشام:386/3.

جب رسول اللہ ﷺ نے ایک غزوے میں اپنے پیچھے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو مدینہ کا نگران مقرر کیا تو میں نے آپ کو یہ ارشاد فرماتے سنا: اے علی! ”کیا تمھیں یہ بات پسند نہیں کہ تم میرے ساتھ ایسی جگہ پر ہو جہاں ہارون (علیہ السلام) موسیٰ (علیہ السلام) کے ساتھ تھے مگر بات یہ ہے کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں ہوگا۔“

میں نے رسول اللہ ﷺ کو خیبر کے موقع پر یہ فرماتے ہوئے سنا: ”میں جھنڈا ایسے شخص کو دوں گا جو اللہ اور اس کے رسول (ﷺ) سے محبت کرتا ہے اور اللہ اور اس کا رسول (ﷺ) اس سے محبت کرتے ہیں۔“

پھر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”علی کو بلاؤ۔“ چنانچہ علی رضی اللہ عنہ اس حالت میں آپ ﷺ کی خدمت میں پہنچے کہ ان کی آنکھیں دکھ رہی تھیں۔ نبی ﷺ نے اپنا لعاب مبارک ان کی آنکھوں میں لگایا اور جھنڈا انھیں تھما دیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کے ذریعے مسلمانوں کو فتح عطا کی۔“[1] اور جب یہ آیت نازل ہوئی:

﴿فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ أَبْنَاءَنَا وَأَبْنَاءَكُمْ وَنِسَاءَنَا وَنِسَاءَكُمْ وَأَنْفُسَنَا وَأَنْفُسَكُمْ﴾

”پس کہہ دیجیے: آؤ! ہم اپنے بیٹوں اور تمھارے بیٹوں اور اپنی عورتوں اور تمھاری عورتوں کو اور اپنے آپ کو اور تم کو بلائیں۔“[2]

تو رسول اللہ ﷺ نے علی، فاطمہ، حسن اور حسین رضی اللہ عنہم کو بلایا اور کہا: ”اے اللہ! یہ میرے اہلِ بیت ہیں۔“[3]

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا: ”اگر میں نے یہ سب آپ ﷺ سے سنا ہوتا تو کبھی علی رضی اللہ عنہ سے جنگ نہ کرتا۔“

---

[1] السیرة النبویة لابن ہشام:3/386. [2] آل عمران 3:61. [3] تفسیر ابن کثیر، آل عمران 3:61.

ایک تیسری روایت میں ہے کہ سیدنا سعد رضی اللہ عنہ اور سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ میں یہ بات چیت مدینہ میں حج کے دوران میں ہوئی۔ وہ دونوں سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے پاس گئے اور ان سے پوچھا۔ سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے وہی بات بیان کی جو سیدنا سعد رضی اللہ عنہ بتا چکے تھے۔

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے یہ سن کر کہا: ''اگر میں نے یہ بات آج سے پہلے سنی ہوتی تو میں علی رضی اللہ عنہ کا خادم بن جاتا حتی کہ وہ وفات پا جاتے یا مجھے موت آ جاتی۔''

اللہ ان سب پر ڈھیروں رحمتیں نازل فرمائے۔ آمین!

وقت اجل آ پہنچا اور سیدنا سعد رضی اللہ عنہ اس دنیا سے اپنے ساتھیوں اور دوستوں کی جانب حقیقی اور قدرت والے بادشاہ کے پاس کوچ کر گئے۔

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ جب سیدنا سعد رضی اللہ عنہ فوت ہوئے تو امہات المومنین نے لوگوں کو پیغام بھیجا کہ ان کا جنازہ مسجد میں رکھو۔ لوگوں نے ایسا ہی کیا۔ امہات المومنین نے اپنے حجروں میں کھڑے ہو کر ان کی نمازِ جنازہ پڑھی۔ پھر انھیں باب الجنائز کی طرف سے قبرستان لے جایا گیا۔

امہات المومنین رضی اللہ عنہن کو یہ خبر پہنچی کہ لوگوں نے اس فعل پر نکتہ چینی شروع کر دی ہے۔

لوگوں نے کہا: ''جنازے مسجد میں نہیں رکھے جاتے۔''

یہ بات سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا تک پہنچی تو انھوں نے فرمایا: ''لوگ کس قدر جلد اس بات کے بارے میں نکتہ چینی شروع کر دیتے ہیں جس کے بارے میں انھیں علم ہی نہیں ہوتا۔ انھوں نے ہم پر اعتراض کیا ہے کہ ہم نے جنازہ مسجد میں کیوں رکھوایا، حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سہیل ابن بیضاء کی نمازِ جنازہ مسجد ہی میں ادا کی تھی۔''[1]

[1] الطبقات لابن سعد: 148/3.

واقدی نے یہ سارے واقعات 55ھ میں نقل کیے تھے جب ان کی عمر 70 سال سے کچھ اوپر تھی۔ [1]

اے سعد! آپ کو اپنے رب کی جنت اور اپنے محبوب رسول ﷺ کی قربت مبارک ہو۔

[1] الاصابة:32/2، والبداية والنهاية:78/8، والإستيعاب: 61/2.

آیات کے اسبابِ نزول

مفسرین [1] کہتے ہیں کہ یہ آیت سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے متعلق نازل ہوئی۔ وہ اس طرح کہ جب انھوں نے اسلام قبول کر لیا تو ان سے ان کی والدہ حمنہ نے کہا: ''اے سعد! مجھے یہ خبر پہنچی ہے کہ تم بے دین ہو گئے ہو۔ اللہ کی قسم! میں سائے میں نہیں بیٹھوں گی، ہوا اور دھوپ کی تپش سے اپنے آپ کو نہیں بچاؤں گی۔ نہ کھاؤں گی اور نہ پیؤں گی حتی کہ تم محمد کا انکار کر دو اور اپنے پہلے دین کی طرف لوٹ آؤ۔''

سیدنا سعد رضی اللہ عنہ اپنی ماں کے سب سے پیارے بیٹے تھے لیکن انھوں نے انکار کر دیا۔ تین دن گزر گئے، ان کی والدہ نے کچھ کھایا، نہ کچھ پیا، نہ سائے میں بیٹھیں حتی کہ ان کی جان جانے کا خدشہ پیدا ہو گیا۔ سیدنا سعد رضی اللہ عنہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور ساری صورت حال بتائی تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیات نازل فرمائیں:

﴿وَوَصَّيْنَا الْإِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ حُسْنًا﴾

''اور ہم نے انسان کو اپنے والدین کے ساتھ اچھائی کرنے کا حکم دیا ہے۔'' [2]

﴿وَوَصَّيْنَا الْإِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ حَمَلَتْهُ أُمُّهُ وَهْنًا عَلَىٰ وَهْنٍ وَفِصَالُهُ فِي

[1] تفسير الطبري: 20/85، والقرطبي: 13/32، وابن كثير: 3/405. [2] العنكبوت 29:8.

عَامَيْنِ اَنِ اشْكُرْ لِيْ وَلِوَالِدَيْكَ ۭ اِلَيَّ الْمَصِيْرُ ﴾

”ہم نے انسان کو اس کے ماں باپ کے متعلق (حسنِ سلوک کی) نصیحت کی ہے، اس کی ماں نے دکھ پر دکھ اٹھا کر اسے حمل میں رکھا اور اس کی دودھ چھڑائی دو برس میں ہے، (اور) یہ کہ تو میری اور اپنے ماں باپ کی شکر گزاری کر۔ (تم سب کو) میری ہی طرف لوٹ کر آنا ہے۔“ [1]

﴿ وَوَصَّيْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ اِحْسَانًا ۭ حَمَلَتْهُ اُمُّهٗ كُرْهًا وَّوَضَعَتْهُ كُرْهًا ۭ وَحَمْلُهٗ وَفِصٰلُهٗ ثَلٰثُوْنَ شَهْرًا ۭ حَتّٰٓى اِذَا بَلَغَ اَشُدَّهٗ وَبَلَغَ اَرْبَعِيْنَ سَنَةً ۙ قَالَ رَبِّ اَوْزِعْنِيْٓ اَنْ اَشْكُرَ نِعْمَتَكَ الَّتِيْٓ اَنْعَمْتَ عَلَيَّ وَعَلٰي وَالِدَيَّ وَاَنْ اَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضٰىهُ وَاَصْلِحْ لِيْ فِيْ ذُرِّيَّتِيْ ړ اِنِّىْ تُبْتُ اِلَيْكَ وَاِنِّىْ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ ﴾

”اور ہم نے انسان کو اپنے ماں باپ کے ساتھ حسن سلوک کرنے کا حکم دیا ہے، اس کی ماں نے اسے تکلیف جھیل کر پیٹ میں رکھا اور تکلیف برداشت کر کے اسے جنا۔ اس کے حمل کا اور اس کے دودھ چھڑانے کا زمانہ تیس مہینے کا ہے یہاں تک کہ وہ اپنی پختگی اور چالیس سال کی عمر کو پہنچا تو کہنے لگا: اے میرے پروردگار! مجھے توفیق دے کہ میں تیری اس نعمت کا شکر بجا لاؤں جو تو نے مجھ پر اور میرے ماں باپ پر کی ہے اور یہ کہ میں ایسے نیک عمل کروں جن سے تو خوش ہو جائے اور تو میری اولاد کو بھی صالح بنا۔ میں تیری طرف رجوع کرتا ہوں اور میں مسلمانوں میں سے ہوں۔“ [2]

[1] لقمان 31:14. [2] الأحقاف 46:15.

مصعب بن سعد بن ابی وقاص اپنے باپ سے روایت کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ انھوں نے کہا:

''یہ آیت میرے بارے میں نازل ہوئی تھی۔''[1]

انھوں نے کہا:

سعد رضی اللہ عنہ کی والدہ نے قسم اٹھائی تھی کہ وہ سعد رضی اللہ عنہ سے کبھی کلام نہیں کرے گی، نہ کھائے گی، نہ پیے گی یہاں تک کہ وہ اسلام کو چھوڑ دے۔ ان کی والدہ تین دن اسی حال میں رہی یہاں تک کہ مشقت اور کمزوری کی وجہ سے ان پر غشی طاری ہونے لگی تو اللہ تعالیٰ نے قرآنِ کریم کی یہ آیت نازل فرمائی:

﴿ وَوَصَّيْنَا الْإِنسَانَ بِوَالِدَيْهِ حُسْنًا ﴾

''ہم نے انسان کو نصیحت کی ہے کہ وہ اپنے والدین کے ساتھ حسنِ سلوک کرے۔''[2]

سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آیت کا یہ حصہ بھی نازل ہوا:

﴿ وَإِن جَاهَدَاكَ لِتُشْرِكَ بِي مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا ﴾

''اور اگر وہ تجھ پر زور ڈالیں کہ تو میرے ساتھ کسی ایسے (معبود) کو شریک ٹھہرائے جس کا تجھے علم نہیں تو ان دونوں کی اطاعت نہ کرنا۔''[3]

سعد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں اپنی والدہ سے بہت حسن سلوک کرنے والا تھا۔ جب میں مسلمان ہو گیا تو میری والدہ نے مجھ سے کہا کہ اے سعد! میں کھاؤں گی، نہ پیوں گی یہاں تک کہ میں مر جاؤں، پس تو میری وجہ سے عار دلایا جائے گا اور تجھے اپنی

[1] جامع الترمذي، حديث: 3189. [2] العنكبوت 8:29. [3] العنكبوت 8:29.

ماں کا قاتل کہا جائے گا۔

میں نے عرض کیا: میری پیاری ماں! آپ اپنے ساتھ زیادتی نہ کریں کیونکہ ان چیزوں کی وجہ سے میں اپنا دین نہیں چھوڑ سکتا۔

سعد رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میری والدہ نے ایک دن رات کچھ نہ کھایا، وہ نہایت کمزور ہوگئی۔ میں نے یہ حالت دیکھی تو اپنی والدہ سے کہا: اللہ کی قسم! اے میری ماں! تو جانتی ہے کہ اگر تیری سو جانیں بھی ہوں اور وہ سب ایک ایک کر کے نکل جائیں، تب بھی میں تیری غلط ضدوں کی وجہ سے اسلام کو نہیں چھوڑوں گا۔ اب اگر تیرا دل چاہے تو کھا پی لے، نہ چاہے تو مت کھا۔ سعد کہتے ہیں: جب میری والدہ نے میرا یہ عزم دیکھا تو کھانا شروع کر دیا، پھر یہ آیت نازل ہوئی:

﴿ وَإِنْ جَاهَدَاكَ لِتُشْرِكَ بِي مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا ﴾ [1]

---

[1] الدر المنثور: 165/5، وتفسير الطبري: 328/13، وتفسير البغوي: 156/5.

ضمیمہ

سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی سیرت تاریخ میں روشن ستارے کی مانند ہے۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے عہدِ خلافت کو تاریخ میں وہ حیثیت حاصل ہے جو کسی اور عہد یا زمانے کو حاصل نہیں۔ انھوں نے ان شخصیات کے کردار کو خود مدون کیا اور ترتیب دیا جنھوں نے نبوی مدرسے میں قرآنی اصول کے مطابق تربیت حاصل کی تھی۔

سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کی جنگی بصیرت اور بہادری نے بہت سے حرب وضرب کے ماہرین جنگجوؤں کو جنھیں اپنے کارناموں پر فخر تھا، ورطۂ حیرت میں ڈال دیا تھا۔

مدائن کی فتح اور خاص طور پر دریائے دجلہ کو عبور کرنا، سیدنا سعد رضی اللہ عنہ کے ایسے کارنامے ہیں جنھوں نے تاریخ کے اوراق پر گہرے اثرات مرتب کیے۔ اور یہ ایسا جاری چشمہ ہے جس سے تعلیمی اور جنگی ادارے ہمیشہ فیض یاب ہوتے رہیں گے۔

اسلام کی دعوت سے پہلے یہ عمر رضی اللہ عنہ کون تھے؟

قرآن سننے اور سیکھنے سے قبل عمر رضی اللہ عنہ کس حال میں تھے؟

وہ مکہ کی وادیوں میں خطاب کے اونٹ چرایا کرتے تھے۔

اور سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ دل میں نورِ ایمان آنے سے پہلے کیا تھے؟ ایک عام

انسان تھے جو اپنے دن کا بیشتر حصہ اپنی دکان میں تیر تراشتے اور ان کی اصلاح کرتے ہوئے گزارتے تھے۔ اس کے علاوہ وہ کچھ نہیں تھے۔ اسلام اور قرآن نے ان کی صلاحیتوں کو نکھارا اور ان اونٹوں کے چرواہوں کو حق کا راہی بنا دیا۔ ان جفاکش عربوں کو، جو معمولی معمولی باتوں پر جنگ کے شعلے بھڑکا دیتے تھے، اللہ وحدہ لاشریک کے داعی کے طور پر چن لیا۔

یہ قرآن ہی تھا جس نے انھیں ہماری آنکھوں کا تارا بنا دیا۔ لیکن عبرت و نصیحت قرآن کے وجود سے نہیں آتی بلکہ اس کی تعلیمات پر عمل کرنے اور اس کے اصولوں کو اپنانے سے حاصل ہوتی ہے۔

ہمارے لیے یہ مثال بے جا نہ ہوگی کہ سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ اپنے عہدِ خلافت کے دوران میں مسلمانوں اور کفار کے درمیان ہونے والی جنگوں میں ایک زبردست کنٹرولر کی حیثیت سے شریک رہے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ مسلمانوں کے معرکوں سے غافل نہیں رہتے تھے بلکہ قائدین کو برابر ہدایات جاری کرتے رہتے تھے۔ وہ مدینہ میں رہ کر مجاہدین کے پشتیبان تھے اور ان کے ساتھ جنگوں میں اہم مفکر و مدبر کی حیثیت سے حصہ دار تھے۔ مشورے کے ذریعے سے ان کی کمر تھپتھپاتے اور کمک روانہ کرتے تھے۔

قادسیہ کے معرکے میں وہ سیدنا سعد رضی اللہ عنہ سے پل پل کی خبر لیتے اور اس بات پر زور دیتے تھے کہ سعد رضی اللہ عنہ انھیں مسلمانوں کے حالات سے باخبر رکھیں، گویا وہ ان کے ساتھ ہی ہیں اور میدانِ جنگ کا مشاہدہ کر رہے ہیں۔ یہیں پر بس نہیں بلکہ کنٹرول روم سے میدانِ جنگ پر نظر رکھنے والے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ روزانہ مدینہ کی شارعِ عام کی طرف

نکل جاتے اور میدانِ قادسیہ کی طرف سے آنے والے کسی قاصد کا انتظار کرتے رہتے۔ ان کا دل اس وقت تک مطمئن نہ ہوا جب تک جنگ قادسیہ میں فتح کی نوید لانے والا قاصد دارالامارہ نہ پہنچ گیا۔ جب سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے قاصد کو دیکھا تب ہی انھیں سکون ہوا۔ قاصد کے پیچھے بھاگتے ہوئے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے پاؤں خاک آلود ہو گئے تھے لیکن انھیں اس کی پرواہ نہیں تھی۔ وہ چاہتے تھے کہ مجاہدین کے متعلق ہر خبر سن لیں۔ مدینہ کے مسلمانوں نے جب یہ صورت حال دیکھی تو انھوں نے تعجب کیا کہ پیغام لانے والا اپنی سواری کو دارالامارہ کی جانب دوڑا رہا ہے اور امیر المومنین اس کے پیچھے پیچھے بھاگ رہے ہیں۔

دراصل سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے یہ گوارا نہیں کیا کہ وہ کسی مسلمان سپاہی کو راستے میں روکیں اور میدانِ جنگ کے متعلق حالات دریافت کر کے اس کی منزل کی راہ میں رکاوٹ کھڑی کریں اگرچہ اس کی منزل خلافت کا صدر مقام اور اس کا مطلوب خود امیر المومنین ہی تھے۔ جب قاصد کو امیر المومنین کے بارے میں علم ہوا تو اس نے ایک مومن کے شایانِ شان اور عزت نفس کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے کہا: ''آپ نے مجھے کیوں نہیں بتلایا تھا کہ آپ ہی امیر المومنین ہیں؟''

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے انتہائی عاجزی اور تواضع اختیار کرتے ہوئے جواب دیا: ''کوئی حرج نہیں اے میرے بھائی! اللہ تمھاری مغفرت کرے۔''

اہلِ کوفہ نے سیدنا سعد رضی اللہ عنہ کے خلاف سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے بہت زیادہ شکایات کیں۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے سیدنا عمرو بن معدیکرب رضی اللہ عنہ کو سیدنا سعد رضی اللہ عنہ کے اہلِ کوفہ کے ساتھ برتاؤ کی تفتیش کے لیے بھیجا۔ اہلِ کوفہ میں سے ایک آدمی نے کہا: ''سیدنا سعد رضی اللہ عنہ

منکسر مزاج، اور شجاعت میں عربی النسل اور خلافت کی پاسداری میں شیر کی مانند ہیں۔ فیصلوں میں عدل کرتے ہیں اور اموال برابر تقسیم کرتے ہیں۔ جنگی مہمات میں اسلامی لشکر کے ساتھ ہوتے ہیں۔ وہ ہم سے مہربان ماں کی طرح نرمی کا برتاؤ کرتے ہیں اور ہمارا حق پورا ادا کرتے ہیں۔"[1]

اے سعد! آپ کیوں خوفزدہ ہیں، حالانکہ وہ مدرسہ جہاں سے آپ نے جنت میں ہمیشگی کی سند پائی ہے، کس قدر سچا اور اعلیٰ ہے؟

سیدنا سعد رضی اللہ عنہ بہت عاجزی والے تھے۔ تکبر کبھی ان کے پاس بھی نہیں پھٹکا تھا۔ وہ ایسے شیر کی مانند تھے جو اپنے گھر کی حفاظت کرتا ہو۔ نہایت عادل تھے، وہ ظلم و زیادتی کے تصور ہی سے ناآشنا تھے۔ جری تھے، ہر وقت مدد کو تیار رہتے تھے۔ رحم دل اور نرم مزاج تھے۔ ان تمام خوبیوں کے باوجود سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے سیدنا سعد رضی اللہ عنہ کو کوفہ کی گورنری سے معزول کر دیا۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کہا کرتے تھے: "اللہ کی قسم! میں نے انھیں ناکام ہونے کی وجہ سے یا خیانت کی وجہ سے معزول نہیں کیا، میں نے انھیں صرف فتنے کے ڈر سے معزول کیا ہے۔" کیونکہ فارس کے لشکر اس وقت مسلمانوں پر حملے اور جنگ کے لیے جمع ہو رہے تھے اور اسلامی لشکر نہاوند کے علاقے میں ایرانیوں کے ممکنہ خطرے کے سدِ باب کے لیے جمع تھا، لہٰذا مناسب نہیں تھا کہ کوفہ میں ایسے فتنے کو ہوا دی جائے جس کے نتائج معلوم نہ ہوں۔ اور کوفہ ان دنوں مشرق میں اسلامی لشکر کا بڑا مرکزی اڈا تھا۔ شاید سیدنا عمر رضی اللہ عنہ چاہتے تھے کہ سیدنا سعد رضی اللہ عنہ ان کے پاس مدینہ میں رہیں تاکہ وہ اُن سے

[1] أسد الغابة: 292/2.

مسلمانوں کی فلاح و بہبود کے لیے مشورہ کر سکیں۔

سیدنا سعد رضی اللہ عنہ معزول کر دیے گئے اور ان کی جگہ سیدنا عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما کو کوفہ کا گورنر مقرر کر دیا گیا۔ وہ جلیل القدر صحابی، پاکیزہ دل والے اور پیروں کے تلووں تک ایمان میں شرابور تھے، جیسا کہ نبی ﷺ نے ان کے بارے میں ارشاد فرمایا تھا۔ لیکن اہل کوفہ ان سے بھی راضی نہ ہوئے۔ سیدنا عمار رضی اللہ عنہ بھی انھیں راس نہ آئے۔

اہل کوفہ نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے سامنے سیدنا عمار رضی اللہ عنہ پر الزام عائد کیا کہ وہ کمزور ہیں اور حکمرانی کا علم نہیں رکھتے۔ اس بار بھی سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے ان کا عذر قبول کیا اور سیدنا عمار رضی اللہ عنہ کو معزول کر دیا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اس موقع پر فرمایا: ''میں اہلِ کوفہ سے عاجز آ گیا ہوں۔ اگر میں ان پر کسی طاقتور شخص کو حاکم مقرر کرتا ہوں تو اسے ذلیل و رسوا کر دیتے ہیں اور اگر ان پر کسی کمزور شخص کو مقرر کروں تو اسے حقیر سمجھنے لگتے ہیں۔''[1]

اس فتنے میں جس کی آگ شہادتِ عثمان رضی اللہ عنہ کے بعد مزید بھڑک اٹھی، سیدنا سعد رضی اللہ عنہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور خلافت پر ان کی بیعت کی۔ وہ سیدنا معاویہ اور ان کے ساتھیوں کے پاس نصیحت اور مشورے کی غرض سے بھی جاتے رہے اور ان سے مطالبہ کرتے رہے کہ وہ بھی سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی بیعت کر لیں۔

لیکن انھوں نے سیدنا سعد رضی اللہ عنہ کا مشورہ نہ سنا، نہ ان کی نصیحت قبول کی، چنانچہ سیدنا سعد رضی اللہ عنہ نے انھیں ان کے حال پر چھوڑ دیا اور مستقل طور پر اپنے گھر میں مقیم ہو گئے۔ ان کی خواہش تھی کہ مسلمانوں کی وحدت قائم رہے اور صف بندی کی صورت میں تمام مسلمان ایک ایسے شخص کے پیچھے کھڑے ہوں جو رسول اللہ ﷺ سے ویسی ہی

[1] البلاذري، ص: 278، وتاريخ عمر بن الخطاب لابن الجوزي، ص: 88.

مناسبت رکھتا تھا جیسی مناسبت ہارون علیہ السلام موسیٰ علیہ السلام سے رکھتے تھے۔ لیکن ان کی یہ خواہش پوری نہ ہوئی، لہٰذا وہ فتنے سے بالکل الگ تھلگ رہے۔ جب ان کے ایک بیٹے نے ان سے اصرار کیا کہ وہ مسلمانوں کے معاملات میں شرکت کریں تو انھوں نے جواب میں کہا: ”میں ایسا ہرگز نہیں کر سکتا کیونکہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے: ”فتنوں کا دور شروع ہونے والا ہے۔ تب لوگوں میں سے بہترین شخص وہ ہو گا جو ان سے راہِ فرار اختیار کر کے بچا رہے گا۔“ اللہ کی قسم! میں اس معاملے میں کبھی دخل نہ دوں گا۔“[1]

جب سیدنا سعد رضی اللہ عنہ کے بھتیجے نے ان سے یہ کہتے ہوئے مشورہ طلب کیا: ”اے چچا جان! اس گھٹا ٹوپ اندھیرے میں سچائی کو کہاں تلاش کروں اور کس کا ساتھ دوں؟“

تو آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ”اے بھتیجے! بے شک علی رضی اللہ عنہ لوگوں میں سے خلافت کے سب سے زیادہ حق دار ہیں لیکن یہ ایسا فتنہ ہے جس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں بچنے کی تلقین کی ہے۔ میری رائے کے مطابق تم اپنے گھر ہی میں رہو اور اللہ کی عبادت کرو۔ ہاں، اگر اس فتنے میں داخل ہوئے بغیر کوئی چارہ نہیں تو ایسے شخص کے جھنڈے تلے جنگ کرو جس کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ارشاد فرمایا ہے:

”بلاشبہ علی مجھ سے ایسی ہی نسبت رکھتے ہیں جیسی ہارون علیہ السلام کو موسیٰ علیہ السلام سے تھی مگر میرے بعد کوئی نبی نہیں ہو گا۔“[2]

چنانچہ ہاشم نے اپنے چچا کا مشورہ قبول کیا۔ وہ جنگِ صفین میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے علم بردار تھے۔ سیدنا سعد رضی اللہ عنہ عقلِ سلیم کے مالک، دور اندیش، نرم مزاج اور پاکیزہ زبان

[1] البداية والنهاية: 74/8. [2] تاريخ الطبري: 49/4.

والے تھے۔ اپنے اہل خانہ پر مہربان اور اپنے ساتھیوں کے وفا شعار تھے۔ قریش کے محبوب ترین فرد تھے بلکہ لوگوں کے محبوب ترین اور ان سب سے شفیق تھے۔ پرہیز گاری اپناتے ہوئے شبہات سے بچتے اور نبی ﷺ کے طریقے اور اعمال کی پیروی کرتے تھے۔

ایک دن سیدنا سعد رضی اللہ عنہ کے بیٹے نے ان سے کہا: ''ابا جان! آپ انصار کی جماعت سے ایسا برتاؤ کرتے ہیں جو آپ دوسروں سے نہیں کرتے۔''

سیدنا سعد رضی اللہ عنہ نے اس سے پوچھا: ''کیا تمھارے دل میں اس سلسلے میں کوئی دریافت طلب بات ہے؟''

بیٹے نے جواب دیا: ''جی نہیں! لیکن میں آپ کے اس عمل سے کچھ حیران ہوا ہوں۔''

سیدنا سعد رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا:

''انصار سے صرف مومن ہی محبت کرتا ہے اور صرف منافق ہی ان سے نفرت کر سکتا ہے۔''[1]

---

[1] أسد الغابة: 2/293.



چوتھی آیت

بسم اللہ الرحمن الرحیم

﴿يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ قِتَالٍ فِيْهِ ؕ قُلْ قِتَالٌ فِيْهِ كَبِيْرٌ ؕ وَصَدٌّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَكُفْرٌۢ بِهٖ وَالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَاِخْرَاجُ اَهْلِهٖ مِنْهُ اَكْبَرُ عِنْدَ اللّٰهِ ۚ وَالْفِتْنَةُ اَكْبَرُ مِنَ الْقَتْلِ ؕ وَلَا يَزَالُوْنَ يُقَاتِلُوْنَكُمْ حَتّٰى يَرُدُّوْكُمْ عَنْ دِيْنِكُمْ اِنِ اسْتَطَاعُوْا ؕ وَمَنْ يَّرْتَدِدْ مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ فَيَمُتْ وَهُوَ كَافِرٌ فَاُولٰٓئِكَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فِى الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۚ وَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ﴾

"(اے نبی!) لوگ آپ سے حرمت والے مہینے کے بارے میں پوچھتے ہیں کہ اس میں لڑائی کیسی ہے؟ کہہ دیجیے: اس میں لڑائی کرنا بہت بڑا گناہ ہے اور لوگوں کو اللہ کے راستے سے روکنا اور اللہ کے ساتھ کفر کرنا اور مسجد حرام سے (روکنا) اور حرم کے رہنے والوں کو وہاں سے نکالنا اللہ کے نزدیک اس سے بھی بڑا (گناہ) ہے اور فتنہ انگیزی قتل سے کہیں بڑا گناہ ہے۔ اور وہ (کافر) تو ہمیشہ تم سے لڑتے رہیں گے یہاں تک کہ اگر ان کا بس چلے تو وہ تمھیں

تمھارے دین سے پھیر دیں اور تم میں سے جو شخص اپنے دین سے پھر جائے، پھر وہ حالت کفر ہی پر مر جائے، تو انھی لوگوں کے اعمال دنیا اور آخرت (دونوں) میں برباد ہو گئے اور وہ لوگ دوزخی ہیں، وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔''[1]

[1] البقرة 217:2۔



نزول آیت کے متعلق علماء کے اقوال

اکثر مفسرین کی رائے ہے کہ یہ آیت عبداللہ بن جحش الأسدی کے بارے میں نازل ہوئی، دیکھیے:

الدر المنثور :251/1.

تفسیر ابن کثیر :252/1 .

البداية والنهاية :250/3.

الكامل لابن الأثير :114/2 .

آیئے! عبداللہ بن جحش کے متعلق جانتے ہیں کہ وہ کون تھے؟



سیدنا عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ

غزوۂ احد میں ان کا مثلہ کیا گیا۔ ان کی ناک اور کان کاٹ دیا گیا۔ اس بنا پر وہ مجدع (ناک کٹے) کے نام سے معروف ہوئے۔ یہ وہ غزوہ ہے جس میں قریش اور ان کی عورتوں نے خونخوار بھیڑیوں جیسا کردار ادا کیا، پیٹ چاک کیے، ناک اور کان کاٹ ڈالے۔ عبداللہ بن جحش کے لیے یہ (مثلہ) ہمیشہ باعثِ فضیلت و اعزاز رہا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے (اس روز) سب سے پہلے انھی کے ہاتھ میں جھنڈا تھمایا اور آپ ہی وہ پہلے شخص ہیں جنھوں نے خُمس فرض ہونے سے قبل آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو تجویز پیش کی کہ یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کا حق ہے۔

ان کے والد جحش بن رئاب بن خزیمہ الأسدی ہیں، والدہ اُمیمہ بنت عبدالمطلب بن ہاشم اور بہن زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا زوجۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔

آپ کی ولادت مکہ ہی میں بیت الحرام کے قریب ہوئی۔ ذرا بڑے ہوئے تو کعبہ کا راستہ پہچانا، وہ بیت اللہ کے سامنے دیر کھڑے رہتے اور ان بڑے بڑے وفود کا مشاہدہ کرتے جو اکنافِ عالم سے اس مبارک جگہ کی زیارت کے لیے آتے تھے۔ آپ نے کئی دفعہ کعبے کے پاس حاجی مرد اور عورتوں کی آنکھیں اشکبار ہوتے دیکھیں اور

انھیں گریہ زاری اور دعائیں کرتے دیکھا۔اس دوران دھیمی دھیمی آہ و بکا کی آوازیں بھی آنے لگتیں لیکن ان کی سمجھ میں کچھ نہ آتا۔

آپ یہ سارا منظر دیکھنے کے بعد برق رفتاری سے دوڑتے ہوئے اپنی ماں کی گود میں جا گرتے اور ضد کرکے پوچھنے لگتے کہ یہاں لوگوں کی آمد کا مطلب کیا ہے؟ وہ شفقت سے جواب دیتی یہاں تک کہ آپ اونگھنے لگتے، وہ آپ کو تھپتھپاتی اور اپنے بستر میں سلا دیتی، پھر رب کعبہ سے دعائیں کرتی کہ وہ آپ کی حفاظت فرمائے۔ایک روز پھر آپ پریشانی اور گھبراہٹ کے عالم میں روتے ہوئے ماں کے پاس آئے کیونکہ آپ نے چند لوگوں کو دیکھا کہ وہ بیت اللہ کی دیواریں اور ستون گرا رہے ہیں۔ وہ اپنی ماں سے پوچھنے لگے: امی جان! یہ ایسا کیوں کر رہے ہیں؟ آپ کی والدہ نے تسلی دی اور بتایا کہ وہ اسے دوبارہ تعمیر کرنا چاہتے ہیں تا کہ چوروں کے ہاتھ اس کی دیواروں تک نہ پہنچ سکیں جنھیں سیلاب نے منہدم کر دیا تھا کیونکہ وہ اس میں پڑے زیورات اور جواہرات چرا لیا کرتے تھے۔ عبداللہ نے بیت اللہ میں حجر اسود کو نصب کرنے کی وجہ سے قبائل کا باہمی بغض وعناد، اسلحہ لہرانا اور ایک دوسرے کو جنگ کی دھمکیاں دینے کا منظر اپنی آنکھوں سے دیکھا۔

آخر کار انھوں نے طے کیا کہ ہم اس شخص کو حاکم مانیں گے جو ان کے پاس سب سے پہلے آئے گا، پھر وہ ایک قبیلے کا چناؤ کرے گا جو حجر اسود کو اس کی جگہ پر رکھنے کا شرف حاصل کرے گا۔

وہ شخص امین محمد ﷺ ہی تھے جنھوں نے طے کیا کہ اس کو رکھنے میں تمام قبائل برابر کے شریک ہوں گے، چنانچہ آپ ﷺ نے اپنی چادر بچھائی، اس میں حجرِ اسود رکھا اور ہر

قبیلے کو حکم دیا کہ وہ چادر کا ایک ایک کنارہ پکڑے اور اسے وہاں رکھ دے۔ یوں تنصیب حجر اسود کا یہ مشکل ترین مرحلہ اپنے اختتام کو پہنچا۔ اور لوگ دوبارہ اپنے اس تعمیراتی سلسلے میں سرگرم عمل ہو گئے۔

اسی دن سے عبداللہ ﷺ اس شخص امین محمد ﷺ سے انتہائی محبت کرنے لگے اور ہر لحاظ سے آپ ﷺ کو اپنا پیشوا اور آئیڈیل جاننے لگے۔ وہ جو حکم دیتے اس کی پیروی کرتے۔

عبداللہ روزانہ محمد ﷺ کے ہاں جاتے اگر آپ ﷺ بیٹھے ہوتے تو بیٹھ جاتے اور جب آپ ﷺ چلتے تو وہ بھی آپ ﷺ کے پیچھے پیچھے چلنے لگتے۔ ایک روز آپ کو محمد ﷺ نظر نہ آئے، بہتیری کوشش کی مگر نہ مل سکے، آخرکار آپ ﷺ کے گھر کا دروازہ کھٹکھٹایا تو گھر والوں نے بتایا کہ آپ ﷺ غار حراء میں تشریف لے گئے ہیں۔ یہ اپنے گھر واپس آئے، ان کے چہرے پر غم واندوہ کے آثار تھے۔ دراصل وہ حضرت محمد ﷺ کے انتظار میں تھے کہ وہ کب آئیں گے؟

ایک دن صبح صادق کی روشنی پھیلی ہوئی تھی اور بادِ نسیم روح افزا منظر پیش کر رہی تھی اور حضرت محمد ﷺ اپنی جائے نماز میں سجدے کی حالت میں اپنے رب کی عبادت میں مشغول تھے اور یکسوئی اختیار کیے ہوئے تھے۔ اچانک آپ ﷺ نے گھنٹی کے بجنے جیسی آواز سنی۔ جبریل علیہ السلام آپ ﷺ پر اپنے رب کے کلمات ﴿ وَأَنذِرْ عَشِيرَتَكَ الْأَقْرَبِينَ ۝ ﴾ ''اور آپ اپنے قریبی رشتے داروں کو ڈرائیں۔''[1] کا حکم لے کر تشریف لائے۔ جونہی سورج ایک یا دو نیزے کے بقدر بلند ہوا تو رسول اللہ ﷺ صفا کی جانب تیز تیز چلنے لگے اور اس پر چڑھ کر پکارنے لگے: «یا صباحاہ! یا صباحاہ!» (یہ ایسا کلمہ ہے جو

[1] الشعراء 214:26.

عرب لوگ کسی بیرونی حملے یا اہم معاملے کے وقت بولتے تھے۔)

عبداللہ رضی اللہ عنہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کے کہنے کے مطابق اپنے بستر میں آنکھیں کھولے ہوئے آپ کے غار حراء میں جانے کا منظر دہرا رہے تھے کہ اچانک فضا «یا صباحاہ! یا صباحاہ!» سے گونجنے لگی۔ غور کرنے پر معلوم ہوا کہ یہ محمد ﷺ کی آواز ہے جو صفا کی بلندی سے پکار رہے ہیں۔ انھوں نے اپنے اوپر تنی ہوئی چادر اتار پھینکی اور تیزی سے اس جانب چل دیے۔

آپ ﷺ کے پاس قریش جمع تھے۔ وہ یہ جاننا چاہتے تھے کہ اس امین ﷺ کو ہمیں بلانے کی کیا ضرورت پیش آئی ہے، آخر وہ کیا دعوت دینا چاہتے ہیں۔ وہ بخوبی آگاہ تھے کہ آپ ﷺ خیر ہی کی خبر دینے والے ہیں، اچھا بول ہی بولنے والے ہیں اور سوائے حق کے آپ ﷺ کچھ بول ہی نہیں سکتے۔ آپ ﷺ نے قبیلۂ بنو سعد میں پرورش پائی تھی اور بیان کی خوبی کے مالک تھے، اس لیے انھوں نے جب بھی آپ ﷺ کا کلام سنا اسے نہایت فصیح و بلیغ اور فیصلہ کن ہی پایا تھا۔

جب رسول اللہ ﷺ نے ان کے اجتماع کو دیکھا تو فرمانے لگے: ''اے آل لؤی، اے آل مرہ، اے آل کلاب، اے آل قصی، اے آل عبد مناف! اگر میں تمھیں خبر دوں کہ اس پہاڑ کی اوٹ میں ایک لشکر ہے جو تم پر حملہ کرنا چاہتا ہے تو کیا تم میری تصدیق کرو گے؟'' سب نے بیک زبان کہا: ہاں، ہم نے آپ کو ہمیشہ سچا ہی پایا ہے۔ پھر آپ نے فرمایا: ''میں تمھاری طرف اور دیگر تمام لوگوں کی طرف اللہ کا رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں۔'' پھر آپ ﷺ نے ان آیات کی تلاوت فرمائی:

﴿ فَلَا تَدْعُ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ فَتَكُوْنَ مِنَ الْمُعَذَّبِيْنَ ۝ وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ

﴿الْأَقْرَبِينَ ○ وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ لِمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ ○﴾

''اللہ کے ساتھ کوئی دوسرا الٰہ مت پکاریں ورنہ آپ عذاب دیے گئے لوگوں میں شامل ہو جاؤ گے۔ اور اپنے قریبی رشتہ داروں کو ڈرایئے اور مومنوں میں سے جس نے آپ کی پیروی کی اس کے لیے نرم رہیے۔'' [1]

یہ کہنا تھا کہ لوگ آپ ﷺ سے دور ہونے لگے، کوئی تصدیق کر رہا تھا تو کوئی جھٹلا رہا تھا، کھسر پھسر شروع ہو گئی۔ رسول اللہ ﷺ اپنے گھر کی طرف واپس آ گئے۔ عبداللہ بن جحش بھی ان شنیدہ کلمات کے ساتھ واپس ہوئے۔ ان کلمات نے آپ کے دل کو منور کر دیا، سینے میں ٹھنڈک پیدا کر دی اور محمد ﷺ کے گھر کی طرف متوجہ کر دیا، جہاں انھوں نے اپنا ہاتھ آپ ﷺ کے مبارک ہاتھ میں دے دیا اور کلمۂ شہادت پڑھ لیا۔

عبداللہ رضی اللہ عنہ مسلمان ہو گئے اور انھوں نے اپنے اسلام کو مضبوط بنا لیا۔ اپنے بہن بھائیوں کو بھی اسلام کی طرف دعوت دی تو انھوں نے قبول کر لی۔ آپ نے اپنے گھر ہی کو مسجد بنا لیا۔ قریش طیش میں آ گئے، انھوں نے چاروں طرف جنگ بھڑکانی شروع کر دی، اُن کمزوروں پر جنھوں نے محمد ﷺ کے دین کی پیروی کی تھی، عذاب مسلّط کر دیا اور ان کی زندگی مشکل بنا دی۔ عبداللہ بھی انھی کمزوروں میں شامل تھے۔

بعض کمزور لوگ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے، انھوں نے آپ ﷺ کو اپنے رب سے دعا کرنے کو کہا تا کہ جس مصیبت میں وہ مبتلا ہیں اس میں تخفیف ہو۔ پس آپ ﷺ اس حال میں بیٹھ گئے کہ آپ ﷺ کا چہرہ سرخ تھا، آپ ﷺ نے فرمایا:

[1] الشعراء 26:213-215۔

اللہ کی قسم! ''بلاشبہ جو تم سے پہلے لوگ تھے ان کا ایک آدمی پکڑا جاتا اور اس کو دو ٹکڑے کر دیا جاتا تھا، لیکن اسے اس کے دین سے کوئی چیز نہیں پھیرتی تھی یا اس کے پٹھوں اور گوشت کے درمیان لوہے کی کنگھیوں سے کنگھی کی جاتی تھی، پھر بھی کوئی چیز اس کو اس کے دین سے نہیں ہٹاتی تھی۔ اللہ تعالیٰ ضرور بالضرور اس امر کو پورا کرے گا یہاں تک کہ تم میں سے ایک سوار صنعا سے حضر موت تک چلے گا تو اسے سوائے اللہ کے کسی کا خوف نہیں ہوگا اور نہ اس کو اپنی بکریوں پر بھیڑیے کا خوف ہوگا لیکن تم جلد بازی کرنے والی قوم ہو۔''[1]

مظالم مزید شدت اختیار کرنے لگے۔ ہولناکیاں بہت زیادہ بڑھنے لگیں۔ ابوجہل ام عمار سمیہ رضی اللہ عنہا کے پاس پہنچا، انھیں گالیاں دیں، لاتیں مارتا رہا، پھر اس نے ان کی شرم گاہ میں برچھی ماری جس سے وہ شہید ہوگئیں۔

یہ خبر کمزور لوگوں میں تیزی سے پھیل گئی۔ ابوجہل کی اس درندگی نے انھیں چونکا کر رکھ دیا اور بے قرار کر دیا لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں لڑنے کی اجازت نہ دی۔ وہ اب کریں تو کیا کریں؟

وہ لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جمع ہوئے۔ انھوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں سفاک مشرکوں کے مظالم بیان کیے اور یہ شقی القلب لوگ مسلمانوں پر جو مزید ظلم و ستم کرنا چاہتے تھے، ان سے آگاہ کیا۔

اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اگر تم سرزمین حبشہ کی طرف چلے جاؤ تو بہتر ہوگا کیونکہ وہاں ایسا بادشاہ ہے جس کی ریاست میں کوئی ظلم نہیں کر سکتا۔ اور وہ ایک سچی

[1] حلية الأولياء: 144/1.

سرزمین ہے۔ اللہ تعالیٰ تمھاری اس مصیبت سے جس میں تم اب مبتلا ہو نکلنے کی کوئی راہ پیدا کر دے گا۔ یقیناً یہ وقتِ ہجرت ہے اور اس کا حکم رسول اللہ ﷺ کی طرف سے ہے۔“

عبداللہ اسی وقت اپنے بہن بھائیوں اور تمام گھر والوں سمیت اس سرزمین کی طرف نکل کھڑے ہوئے جس کی بابت رسول اللہ ﷺ نے بتایا تھا کہ وہاں کوئی ظلم نہیں کرتا اور وہاں ایسا بادشاہ ہے جو اپنے رب کو پہچانتا ہے۔ وہ محمد ﷺ اور ان کے دین کی پیروی اور اس بارے میں دیگر اطلاعات کا متلاشی رہتا ہے۔ وہ اس دین کی نصرت کی خاطر ہونے والے معرکوں کی خبروں سے بھی باخبر رہتا ہے۔

عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں نجاشی کے پاس بیٹھا ہوا تھا کہ عمرو بن امیہ الضمری اس کے پاس آئے، رسول اللہ ﷺ نے انھیں نجاشی کی طرف ایک خط دے کر بھیجا تھا۔ جب وہ دربار سے چلے گئے تو میں نے نجاشی سے کہا: یہ آدمی ہمارے دشمن کا قاصد ہے، اس نے ہمیں بڑا ستایا ہے اور اس نے ہمارے سرکردہ اور پسندیدہ لوگوں کو قتل کیا ہے، اس کو میرے حوالے کر دو تا کہ میں اسے قتل کروں۔

نجاشی یہ سن کر غضبناک ہو گیا، اس نے اپنا ہاتھ اٹھایا اور میری ناک پر دے مارا۔ میں سمجھا کہ شاید اس نے میری ناک توڑ دی ہے، میں نے جلدی سے ناک کو سنبھالا اور اپنے کپڑوں کو خون آلود پایا، میں اتنا ذلیل ہوا کہ تمنا کرنے لگا کہ میرے نیچے سے زمین پھٹ جائے اور میں اس میں چھپ جاؤں۔

پھر میں نے کہا: اے بادشاہ! اگر مجھے معلوم ہوتا کہ آپ میری بات پسند نہیں کرتے ہیں تو میں آپ سے سوال ہی نہ کرتا۔ عمرو کہتے ہیں کہ بادشاہ نے مجھ سے کہا:

اے عمرو! تو مجھ سے سوال کرتا ہے کہ میں ایسے شخص کا قاصد تیرے حوالے کر دوں، جس کے پاس وہ ناموس اکبر آتا ہے جو موسیٰ اور عیسیٰ علیہم السلام کے پاس آتا تھا تاکہ تو اسے قتل کرے۔

عمرو نے کہا: اللہ نے میرے دل کی وہ حالت بدل دی جس پر میں تھا۔ اور میں نے اپنے جی میں کہا: اس حق کو عرب و عجم نے پہچان لیا اور تو مخالفت کرتا ہے، پھر میں نے کہا: اے بادشاہ! آپ اس کی گواہی دیتے ہیں؟ اس نے کہا: ہاں، اے عمرو میں اس کی گواہی اللہ تعالیٰ کے ہاں دوں گا، پس تو میری بات مان اور اس کی پیروی کر، اللہ کی قسم! یقیناً وہ حق پر ہے اور وہ ضرور بالضرور اپنے مخالفوں پر اسی طرح غالب آئے گا جس طرح موسیٰ علیہ السلام فرعون اور اس کے لشکر پر غالب آئے تھے۔

میں نے کہا: کیا آپ (مجھ سے) اس کے لیے اسلام پر بیعت لیں گے۔ اس نے کہا: ہاں۔ پھر اس نے اپنا ہاتھ پھیلایا اور مجھ سے اسلام پر بیعت لی۔

عبداللہ اور اس کے خاندان نے حبشہ میں اس معزز بادشاہ کے پڑوس میں زندگی گزاری۔ حتی کہ ان کے پاس قریش کی خبریں پہنچیں کہ وہ اپنی گمراہی سے تائب ہو گئے ہیں اور انھوں نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کو قبول کر لیا ہے تو وہ قریش کی طرف واپس آ گئے۔

مکہ پہنچ کر پتا چلا کہ یہ محض قریش کا دھوکا تھا تاکہ اپنے دین کو بچا کر بھاگنے والے لوگ ان کی طرف واپس آ جائیں اور دوسرے کمزور مسلمانوں کے ساتھ انھیں بھی تکالیف اور عبرتناک سزائیں دی جائیں۔

عبداللہ اور اس کا خاندان مکہ میں ہی مقیم رہا یہاں تک کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ

کی طرف ہجرت کرنے کی اجازت دے دی۔ انھوں نے اور ان کے ساتھ تمام خاندان والوں نے ہجرت کی۔ ان کے گھر ویران ہو گئے، ان میں رہنے والا کوئی باقی نہ رہا۔

جب ابوسفیان رضی اللہ عنہ نے گھروں کو خالی دیکھا تو ان پر قبضہ کر کے انھیں فروخت کر دیا۔ ابوسفیان کی اس کارستانی کی خبر جب بنو جحش کو پہنچی تو عبداللہ بن جحش نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت اقدس میں یہ خبر پہنچائی۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اے عبداللہ! کیا تجھے یہ بات پسند نہیں کہ اللہ تعالیٰ تجھے اس کے بدلے جنت میں گھر دے۔'' انھوں نے کہا: کیوں نہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''پھر وہ تیرے لیے ہے۔''[1]

رسول اللہ ﷺ نے جب مکہ فتح کیا تو آپ ﷺ سے عبداللہ بن جحش کے بھائی ابواحمد نے اپنے گھر کے بارے میں بات کی، رسول اللہ ﷺ نے اسے جواب دینے میں تاخیر کی۔ لوگوں نے ابواحمد سے کہا: اے ابواحمد! رسول اللہ ﷺ تمھارے ان اموال کو واپس لینا ناپسند فرماتے ہیں جو اللہ کی راہ میں خرچ ہو چکے ہیں، اسی لیے وہ رسول اللہ ﷺ سے اس بارے میں بات کرنے سے رک گئے۔ اور ابوسفیان کے بارے میں کہا:

أبلغ أباسفيان عن أمر عواقبه ندامة

دار ابن عمك بعتها تقضي بها عنك الغرامة

''ابوسفیان کو اس امر کی خبر پہنچا دو جس کا انجام ندامت ہے کہ تم نے اپنے چچا کے بیٹے کا گھر فروخت کیا ہے، تم اس کا خمیازہ ضرور بھگتو گے۔''[2]

---

[1] السيرة النبوية لابن هشام:117/2. [2] أخبار مكة للأزرقي:236/2.

عبداللہ بن جحش اس چھوٹے سے لشکر کے امیر تھے جس کو رسول اللہ ﷺ نے مکہ کی طرف بھیجا تھا۔ جس میں عمرو الحضرمی قریشی کو قتل کیا گیا اور عثمان بن عبداللہ بن مغیرہ اور حکم بن کیسان کو گرفتار کیا گیا تھا۔ وہ چھوٹا سا لشکر تھا جس نے قریش کو برانگیختہ کیا اور کہا: محمد ﷺ اور اس کے ساتھی حرمت والے مہینے کی بھی قدر نہیں کرتے۔

عبداللہ بدر اور اس کے بعد والے تمام معرکوں میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ شریک رہے حتی کہ غزوہ اُحد میں بھی جس میں اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے مسلمانوں کے امتحان اور آزمائش کا ارادہ فرمایا۔ منافق عبداللہ بن اُبی آدھے راستے سے لشکر کا ایک تہائی حصہ لے کر واپس ہو گیا اور مسلمانوں نے رسول اللہ ﷺ کو شہر مدینہ سے باہر نکل کر میدان میں آنے پر مجبور کر دیا۔

رسول اللہ ﷺ معرکہ شروع ہونے سے پہلے ایک چھپر تلے بیٹھ گئے، ام سلمہ ایک بھنی ہوئی دستی لائیں، آپ ﷺ نے اسے تناول فرمایا، پھر وہ آپ کے پاس انگور کا جوس لائیں جسے آپ ﷺ نے نوش فرمایا، پھر یہ جوس قوم میں سے ایک شخص نے لے لیا اور اسے پیا، پھر عبداللہ بن جحش نے اسے لے لیا اور سانس لیے بغیر ایک دم پینا شروع کر دیا۔ ایک آدمی نے ان سے کہا تھوڑا پیو، کیا معلوم کہ کل تم کہاں ہو گے؟ انھوں نے کہا: ''جی ہاں، میں اللہ تعالیٰ سے سیرابی کی حالت میں ملوں یہ مجھے اس بات سے زیادہ پسند ہے کہ میں اسے پیاس کی حالت میں ملوں۔ اے اللہ! میں تجھ سے سوال کرتا ہوں کہ میں تیرے راستے میں شہید ہو جاؤں اور میرا مثلہ کیا جائے۔'' [1]

ابن سعد بن ابی وقاص اپنے باپ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں: فرماتے ہیں کہ

[1] الطبقات لابن سعد: 3/91.

عبداللہ بن جحش نے انھیں احد کے دن کہا: ''کیا ہم اللہ تعالیٰ سے دعا نہ کریں؟''

پھر وہ ایک کونے میں بیٹھ گئے اور سعد نے یوں دعا کی: ''اے میرے پروردگار! کل جب میں دشمن سے ملوں تو میری ایک سخت جنگجو پختہ ارادے والے شخص سے ملاقات ہو، میں اس سے لڑوں اور اس کا مال چھین لوں۔'' عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ نے آمین کہا، پھر فرمایا: ''اے میرے پروردگار! میرا ایک سخت جنگجو سے پالا پڑے، میں تیرے لیے لڑوں اور وہ مجھ سے لڑے اور مجھے قتل کر دے، پھر وہ میری ناک اور کان کاٹ ڈالے۔ پھر جب میری تجھ سے ملاقات ہو تو، تو پوچھے: ''اے عبداللہ! تیری ناک اور کان کیوں کاٹا گیا؟'' تو میں کہوں: تیرے اور تیرے رسول کے لیے۔ پھر تو کہے: ''تو نے سچ کہا۔'' سعد نے کہا: عبداللہ کی دعا میری دعا سے بہتر تھی۔ میں نے اسے دن کے پچھلے پہر دیکھا تو اس کے کان اور ناک ایک دھاگے میں پروئے ہوئے تھے۔[1]

محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام پیروکار اسی طرح تھے۔ وہ معرکے میں اس نیت سے جاتے تھے کہ

① اللہ کا کلمہ بلند کیا جائے اور اس کے دین کی مدد کی جائے۔

② اللہ تعالیٰ اسے شہادت نصیب فرمائے۔

یقیناً اللہ سبحانہ وتعالیٰ ان کے لیے جو وہ چاہتے ثابت کر دیتا تھا۔ اگر وہ دعا کرتے تو ان کی دعا قبول کی جاتی تھی۔ جب وہ اللہ تعالیٰ سے سوال کرتے تو اسے اپنے انتہائی قریب پاتے۔ فرمان باری تعالیٰ ہے: ﴿ادْعُونِيٓ أَسْتَجِبْ لَكُمْ﴾ ''تم مجھ کو پکارو میں تمھاری دعائیں قبول کروں گا۔''[2]

اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے عبداللہ بن جحش کی دعا قبول کر لی۔ یقیناً انھوں نے اپنے

[1] الاستيعاب في معرفة الأصحاب:3/879. [2] المؤمن40:60.

رب، دین اور رسول کے سامنے اپنے اوپر عائد ہونے والی ذمہ داریاں خوب ادا کیں۔ لیکن سعد بن ابی وقاص پر ابھی بہت سی مشکلات اور بھاری ذمہ داریاں تھیں اور کفار کے ساتھ بہت سے فیصلہ کن معرکے ابھی باقی تھے۔

احد کے حادثہ کے بعد آپ ﷺ نے مقتولین کی تلاش شروع کر دی اور آپ ﷺ نے حکم دیا کہ آپ کے چچا حمزہ اور عبداللہ بن جحش کو ایک قبر میں دفن کیا جائے۔ آپ ﷺ نے مزید ارشاد فرمایا کہ عمرو بن جموح اور عبداللہ بن عمرو بن حرام کو دیکھو وہ دنیا میں ایک دوسرے سے خالص محبت کرنے والے تھے، اس لیے ان دونوں کو بھی ایک ہی قبر میں دفن کر دو۔[1]

پھر آپ ﷺ نے فرمایا: ''میں ان لوگوں پر جو اللہ کے راستے میں زخمی ہوتے ہیں، گواہ ہوں۔ اللہ کی قسم! اللہ تعالیٰ اپنی راہ کے زخمی کو قیامت کے دن اس حال میں اٹھائے گا کہ اس کے زخم سے خون بہہ رہا ہوگا، رنگ خون جیسا اور خوشبو کستوری جیسی ہو گی۔ دیکھو ان میں سے جس کو قرآن زیادہ یاد ہو اسے تم قبر میں اس کے ساتھی کے سامنے رکھو۔''[1]

اے اللہ کے رسول! اللہ تعالیٰ آپ پر لامحدود رحمتیں نازل فرمائے اور آپ کے اصحاب کو اپنی کشادہ جنتوں میں ٹھہرائے، اللہ وہ نہایت ہی درگزر کرنے والا اور نہایت بخشنے والا ہے۔

[1] السیرۃ النبویۃ لابن ھشام: 49/2.

آیات کے اسبابِ نزول

مفسرین نے کہا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے معرکہ بدر سے دو ماہ پہلے جمادی الاخری میں عبداللہ بن جحش کو طائف بھیجا جبکہ آپ کو مدینہ آئے ہوئے 17 ماہ ہو چکے تھے۔ اور ان کے ساتھ مہاجرین کے آٹھ آدمیوں کے ایک گروہ کو بھی روانہ فرمایا۔ اور ان کے امیر عبداللہ بن جحش کے لیے ایک خط لکھا اور فرمایا: ''اللہ کا نام لے کر چلو اور دو دن کی مسافت طے کر کے خط دیکھنا۔ سو جب تم دو منزلوں پر اتر جاؤ، پھر خط کھولنا اور اپنے ساتھیوں کو پڑھ کر سنانا، جس کا میں تمھیں حکم دوں اس کام کے لیے چل پڑنا اور اپنے ساتھیوں میں سے کسی کو اپنے ساتھ چلنے پر مجبور نہ کرنا۔''

عبداللہ دو دن چلے، پھر ایک جگہ پڑاؤ کیا اور خط کھولا تو اس میں لکھا تھا:

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ اما بعد: ''اپنے ساتھیوں میں سے جو تمھاری پیروی کریں ان کے ہمراہ اللہ کی برکت کے ساتھ چل پڑیں حتی کہ آپ وادیٔ نخلہ میں اتر کر قریش کے قافلے کی گھات میں بیٹھ جائیں شاید تم ان لوگوں کی طرف سے ہمارے پاس کوئی خیر کی خبر لاؤ۔''[1]

[1] الكامل لابن الأثير: 2/113، 114.

عبداللہ نے جب خط دیکھا تو فوراً بول اٹھے: سمعاً وطاعة، یعنی ہم نے سن لیا اور اطاعت کی۔ پھر انھوں نے اپنے ساتھیوں سے یہ بات کی اور کہا: رسول اللہ ﷺ نے مجھے منع کیا ہے کہ میں تم میں سے کسی کو (اپنے ساتھ جانے پر) مجبور کروں۔

یہ قافلہ رسول اللہ ﷺ کے حکم کے تحت چل پڑا اور اللہ تعالیٰ کی عنایت اس کی حفاظت کرتی رہی۔ ایک جگہ، جس کا نام بحران تھا، سعد بن ابی وقاص اور عتبہ بن غزوان سے قافلہ چھوٹ گیا۔ اس کا انھوں نے خوب تعاقب کیا لیکن اسے پا نہ سکے۔ اور عبداللہ بن جحش اپنے باقی ماندہ ساتھیوں کے ساتھ چلتے رہے یہاں تک کہ وہ وادیٔ نخلہ میں اتر گئے۔

قریش کا ایک قافلہ گزرا جس میں عمرو بن حضرمی، عثمان بن مغیرہ اور اس کا بھائی نوفل اور حکم بن کیسان تھے۔ جب لشکرِ رسول ﷺ نے ان کو دیکھا تو وہ ہیبت زدہ ہو گئے، حالانکہ وہ ان کے قریب ہی اترے تھے۔ عکاشہ بن محصن نے ان لوگوں پر نگاہ رکھی، انھوں نے اپنا سر منڈوایا ہوا تھا۔ صحابہ نے ان کے بارے میں اپنے ساتھیوں سے مشورہ کیا۔ یہ رجب کا آخری دن تھا۔ انھوں نے کہا: اللہ کی قسم! اگر تم ان کو آج کی رات چھوڑ دو گے تو یہ حرم میں داخل ہو جائیں گے اور تم سے محفوظ ہو جائیں گے اور اگر تم انھیں قتل کرو تو یہ قتل حرمت والے مہینے میں ہو گا۔

وہ متردد ہو گئے اور ان پر حملہ کرنے سے ڈرنے لگے، پھر انھوں نے اپنے آپ کو ان کے خلاف جرأت دلائی اور یہ فیصلہ کیا کہ ان میں سے جسے قابو کر لیں اسے قتل کر دیں اور جو کچھ ان کے پاس ہے وہ لوٹ لیں۔ عبداللہ بن جحش کے ساتھیوں میں سے ایک نے عمرو حضرمی پر تیر پھینکا اور اسے قتل کر دیا۔ عثمان بن مغیرہ اور حکم بن کیسان کو

گرفتار کر لیا گیا اور عثمان کا بھائی نوفل بھاگ گیا۔ عبداللہ بن جحش اپنے ساتھیوں سمیت قافلے اور قیدیوں کو لے کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔

عبداللہ بن جحش کی اولاد میں سے بعض نے کہا کہ عبداللہ نے اپنے ساتھیوں سے فرمایا ہے کہ ہماری غنیمت میں رسول اللہ ﷺ کا پانچواں حصہ ہے، چنانچہ اس کو الگ کر دیا اور باقی ماندہ کو اپنے ساتھیوں میں تقسیم کر دیا۔ یہ خمس کا حکم نازل ہونے سے پہلے کی بات ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''میں نے تمھیں حرمت والے مہینے میں لڑائی کا حکم تو نہیں دیا تھا۔'' آپ ﷺ نے قافلے اور دونوں قیدیوں کو روک لیا اور ان سے کچھ بھی لینے سے انکار کر دیا۔ رسول اللہ ﷺ نے جب یہ بات کہی تو وہ نادم ہوئے اور انھوں نے گمان کیا کہ وہ ہلاک ہو گئے اور ان کے مسلمان بھائیوں نے ان کے اس فعل پر سختی سے سرزنش کی۔

قریش نے کہا: محمد اور اس کے ساتھیوں نے حرمت والے مہینے کی حرمت کو پامال کیا ہے، اس میں خون بہایا ہے، مال لوٹا ہے اور مردوں کو قیدی بنایا ہے۔ ادھر یہودیوں نے رسول اللہ ﷺ کے خلاف فال لینے کے لیے کہا۔

عمرو بن حضرمی کو واقد بن عبداللہ نے قتل کیا تھا۔ عمرو (آباد کرنے والا) سے جنگ آباد ہوئی اور واقد (بھڑکانے والا) سے جنگ بھڑک اٹھی۔[1]

جب لوگوں نے اس بارے میں بہت زیادہ باتیں کیں تو اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ پر یہ آیت نازل فرمائی:

[1] ابن الأثیر: 114/2.

﴿يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ قِتَالٍ فِيْهِ ۭ قُلْ قِتَالٌ فِيْهِ كَبِيْرٌ ۭ وَصَدٌّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَكُفْرٌۢ بِهٖ وَالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۤ وَاِخْرَاجُ اَھْلِهٖ مِنْهُ اَكْبَرُ عِنْدَ اللّٰهِ ۚ وَالْفِتْنَةُ اَكْبَرُ مِنَ الْقَتْلِ ۭ وَلَا يَزَالُوْنَ يُقَاتِلُوْنَكُمْ حَتّٰى يَرُدُّوْكُمْ عَنْ دِيْنِكُمْ اِنِ اسْتَطَاعُوْا﴾

”(اے نبی!) لوگ آپ (ﷺ) سے حرمت والے مہینے کے بارے میں پوچھتے ہیں کہ اس میں لڑائی کیسی ہے؟ کہہ دیجیے: اس میں لڑائی کرنا بہت بڑا گناہ ہے اور لوگوں کو اللہ کے راستے سے روکنا اور اللہ کے ساتھ کفر کرنا اور مسجدِ حرام سے (روکنا) اور حرم کے رہنے والوں کو وہاں سے نکالنا اللہ کے نزدیک اس سے بھی بڑا (گناہ) ہے اور فتنہ انگیزی قتل سے کہیں بڑا گناہ ہے۔ اور وہ (کافر) تو ہمیشہ تم سے لڑتے رہیں گے یہاں تک کہ اگر ان کا بس چلے تو وہ تمھیں تمھارے دین سے پھیر دیں۔“ [1]

ابن اسحاق رحمہ اللہ نے کہا: جب قرآن اس امر کے ساتھ نازل ہوا تو جس پریشانی میں مسلمان مبتلا تھے وہ دور ہوگئی۔ رسول اللہ ﷺ نے قافلے اور دونوں قیدیوں کو روک لیا۔ قریش نے عثمان اور حکم ابن کیسان کا فدیہ بھیجا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”ہم تمھارا فدیہ اس وقت تک قبول نہیں کریں گے جب تک ہمارے دونوں ساتھی سعد بن ابی وقاص اور عتبہ بن غزوان واپس نہ آجائیں۔ ہمیں ان کا خوف ہے۔ اگر تم نے ان کو قتل کر دیا تو ہم تمھارے دونوں ساتھیوں کو قتل کر دیں گے۔“

جب سعد اور عتبہ واپس آ گئے تو آپ ﷺ نے ان کا فدیہ قبول فرما لیا۔

حکم بن کیسان مسلمان ہو گئے اور اچھے مسلمان ثابت ہوئے۔ اور رسول اللہ ﷺ

[1] البقرة 2:217.

کے پاس ٹھہر گئے حتی کہ بئر معونہ کے دن شہید ہو گئے۔ لیکن عثمان مکہ واپس چلا گیا اور وہیں کفر کی حالت میں مر گیا۔ نوفل نے جنگ احزاب کے دن اپنے گھوڑے کو ایڑی لگائی تا کہ خندق میں داخل ہو کر مسلمانوں پر حملہ کرے مگر وہ خندق میں گھوڑے سمیت گر گیا اور دونوں مر گئے۔ اللہ تعالیٰ نے اسے قتل کیا اور مشرکوں نے اس کی لاش قیمت کے عوض طلب کی تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اسے لے جاؤ، یقیناً وہ خبیث مردار ہے اور خبیث دیت ہے۔''[1]

اور عبداللہ بن جحش نے کہا:

''تم حرم میں قتل کو بڑا گناہ سمجھتے ہو، حالانکہ سچی بات یہ ہے کہ محمد ﷺ کی دعوت سے روکنا، اس کے ساتھ کفر کرنا اور اللہ کی مسجد سے اس کے باشندوں کو نکالنا تا کہ اللہ کے لیے بیت اللہ میں کوئی سجدہ کرنے والا نہ رہے، اس سے بھی بڑا گناہ ہے۔ اللہ تمھاری اس حرکت کو دیکھ رہا ہے۔''

ہر چند تم ہمیں اس کے قتل پر عار دلاؤ اور باغی و حاسد لوگ اسلام کے بارے میں افواہیں پھیلاتے رہیں۔ بے شک نخلہ پر جب واقد نے جنگ کی آگ بھڑکائی، ہم نے اپنے نیزوں کو ابن حضرمی کے خون سے رنگ دیا۔''[2]

[1] أسباب نزول القرآن للواحدي، ص: 64. [2] الروض الأنف: 67/5، والبداية و النهاية لابن كثير: 252/3.



تتمّہ

بیت اللہ ایسا گھر ہے جسے اللہ نے ابو الانبیاء ابراہیم علیہ السلام کی دعا کے نتیجے میں اپنے بندوں کے لیے امن و سلامتی والا بنایا: ﴿رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا الْبَلَدَ اٰمِنًا﴾ ”اے میرے رب! اس شہر (مکہ) کو امن والا بنا دے۔“[1]

اس کے پڑوس میں اسماء ام عمار بن یاسر قتل کر دی گئیں اور ان کے خاوند کو بھی دھوکے اور نہایت متکبرانہ انداز میں قتل کر دیا گیا، اس لیے کہ وہ دونوں کہتے تھے: «ربنا اللہ» ”اللہ ہمارا رب ہے۔“

اس سرزمین کو اللہ رب العزت نے امن و سلامتی کا گہوارہ بنانے کے لیے پسند فرمایا تھا تاکہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم یہاں لوگوں کو شریفانہ زندگی کے آداب سکھائیں باہم لڑنے جھگڑنے اور جنگ و جدال والوں کو صلح صفائی سے رہنے کی ترغیب دیں۔ یہ بات قریش کو گوارا نہ تھی، اس لیے انھوں نے اس مقدس خطے کو جدال و قتال کے شعلوں میں جھونک دیا اور ان کے دین کو ان کی آزمائش گاہ بنا دیا تھا اور یہ لوگ ان کے اور ان کے نبی کی ہدایت اور سچائی کی باتیں سننے کے بیچ میں حائل ہو گئے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے محترم گھر کے علاقے کے لیے ارادہ فرمایا کہ وہ امن و امان کا

[1] ابراھیم 35:14.

گہوارا ہو، اس میں پرندے امن میں ہوں ان کا شکار نہ کیا جائے اور اس میں حیوان اور حشرات بے خوف رہیں انھیں ڈرایا نہ جائے، اس میں انسان بے خوف ہوں قتل و قتال نہ ہو۔ لیکن اہل مکہ کا یہ حال ہے کہ وہ امن کو برباد کر رہے ہیں، امن کی جگہ خوف کی آگ سلگا رہے ہیں، سلامتی کی فضا ختم کر رہے ہیں، قتال کی طرف بڑھ رہے ہیں اور آزادی کو غلامی میں بدل رہے ہیں۔

خالص توحید کی وہ دعوت جس کی طرف رسول اللہ ﷺ نے لوگوں کو بلایا تھا، اسے قبول کیے جانے کو کفر اور بے دینی تصور کیا جانے لگا۔

یقیناً اللہ تعالیٰ نے اس گھر کو اسی وقت سے حرمت والا بنا دیا جب سے ابراہیم علیہ السلام اور آپ کے بیٹے اسماعیل علیہ السلام نے اس کی بنیاد رکھی تھی اور اسے اسی دن ہی سے لوگوں کے لیے امن و ثواب کا گہوارہ بنا دیا۔

ارشاد ربانی ہے:

﴿ وَإِذْ جَعَلْنَا الْبَيْتَ مَثَابَةً لِّلنَّاسِ وَأَمْنًا ﴾

”اور جب ہم نے بیت اللہ کو لوگوں کے لیے بار بار لوٹ کر آنے اور امن کی جگہ بنایا۔“[1]

یہ اللہ تعالیٰ کی نعمت اور کرم فرمائی ہے جسے اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر واضح کیا ہے۔ لیکن یہ بات قریش کو گراں گزری تو انھوں نے بیت الحرام کی حرمت پامال کی، قتل و غارت گری کی وارداتیں کیں اور امن کے اس علاقے میں کمزور لوگوں کو تکالیف اور مصائب سے دوچار کیا، نبی ﷺ کی دعوت کو جھٹلایا، آپ ﷺ کی نماز اور

[1] البقرۃ 2:125۔

آپ ﷺ کی دعوت کا مذاق اڑایا، انھوں نے آپ ﷺ کو، آپ کے گھر والوں کو اور آپ ﷺ کے ساتھیوں کو تکلیفیں دیں اور کہنے لگے: ﴿إِن نَّتَّبِعِ الْهُدَىٰ مَعَكَ نُتَخَطَّفْ مِنْ أَرْضِنَا﴾ ''اگر ہم آپ کی دعوت کی پیروی کریں تو اپنی زمین سے اچک لیے جائیں گے۔''[1]

کون اس بات کی طاقت رکھتا ہے کہ وہ اس علاقے میں اس طرح ظلم کرے جس طرح ہم نے ظلم کیا، اور کس کے بس میں ہے کہ وہ اللہ کے قائم کردہ حرم میں ہم سے بڑھ کر زیادتی کر سکے۔ البتہ ابرہہ نے اپنی عقل اور سوچ کے مطابق اپنی قوت پر ناز کرتے ہوئے بیت الحرام پر حملہ کرنے کا ارادہ کیا۔ اس پر کسی دانا انسان کی نصیحتوں نے کوئی اثر نہ کیا، وہ ہاتھیوں کے بہت بڑے لشکر کے ساتھ کعبۃ اللہ پر حملے کے ارادے سے روانہ ہوا۔

قریش نے ابرہہ کا ارادہ بھانپ لیا مگر بیت اللہ کے دفاع کے لیے کوئی قدم نہیں اٹھایا۔ ہاتھیوں کے اتنے بڑے لشکر کو دیکھ کر بھی ان پر کوئی اثر نہ ہوا، انھوں نے بیت اللہ کے دفاع کی خاطر ایک تلوار بھی نہیں اٹھائی بلکہ وہ کعبہ کو چھوڑ کر گھاٹیوں کی طرف بھاگ گئے، وہ اس جنگ کے انجام سے بخوبی واقف تھے جسے ابرہہ نے اس امن والے علاقے پر مسلط کر دیا تھا اور جس گھر اور خطے کو اللہ تعالیٰ نے اپنی زمین پر امن کا گہوارہ بنایا تھا۔

جس وقت ابرہہ نے عبدالمطلب کو اپنے اونٹوں کا مطالبہ کرتے ہوئے دیکھا تو اسے سخت تعجب ہوا کہ عبدالمطلب نے بیت اللہ کے حوالے سے سرے سے کوئی بات

[1] القصص 28:57.

ہی نہیں کی، حالانکہ وہ اسے گرانے آیا تھا۔ ابرہہ نے اس بارے میں سوال کیا تو عبدالمطلب نے اپنی مشہور بات کہی: ''اونٹ تو میرے ہیں لیکن میں اس گھر کا مالک نہیں ہوں جو اس گھر کا مالک ہے وہ اس کی خود ہی حفاظت کرے گا۔''

پھر اس مقدس گھر والے نے اپنے گھر کی حفاظت کرکے دکھائی، اس نے اپنے لشکروں میں سے ایک لشکر بھیجا جس نے ابرہہ کے لشکر کا گھیراؤ کر لیا اور اس نے اپنا عذاب اور گھبراہٹ ایسے لوگوں پر طاری کی جو اپنی حدوں سے تجاوز کر رہے تھے اور چاہتے تھے کہ اس امن والے علاقے کی فضا کو بدامنی سے گدلا کر دیں:

﴿ وَأَرْسَلَ عَلَيْهِمْ طَيْرًا أَبَابِيلَ ۝ تَرْمِيهِم بِحِجَارَةٍ مِّن سِجِّيلٍ ۝ فَجَعَلَهُمْ كَعَصْفٍ مَّأْكُولٍ ۝﴾

''اس نے ان پر جھنڈ کے جھنڈ پرندے بھیج دیے جو ان پر کھنگر (پکی مٹی) کی کنکریاں پھینک رہے تھے، پھر اللہ نے انھیں کھائے ہوئے بھوسے کی طرح کر دیا۔''[1]

اللہ سبحانہ وتعالیٰ ان کی اس بات پر تعجب فرماتے ہیں کہ ﴿ إِن نَّتَّبِعِ الْهُدَىٰ مَعَكَ نُتَخَطَّفْ مِنْ أَرْضِنَا ﴾ ''اگر ہم تیرے ساتھ تیری دعوتِ ہدایت کی پیروی کریں تو ہم اپنی زمین سے اچک لیے جائیں گے۔''[2]

یقیناً یہ لوگ اپنے دعوے میں جھوٹے ہیں، حقائق کو چھپاتے ہیں اور اپنے کانوں کو دعوتِ حق سے بہرا رکھتے ہیں۔ اللہ رب العزت نے انھیں یہ جواب دیا: ''اور کیا ہم نے انھیں ایک پُرامن حرمت والے شہر میں جگہ نہیں دی؟ جس کی طرف ہر چیز کے پھل کھینچ لائے جاتے ہیں۔'' جس طرح اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے مکہ مکرمہ کو امن والا بنا

[1] الفیل 105:3-5. [2] القصص 28:57.

دیا۔ اسی طرح حرمت والے مہینے مقرر فرما کر وقت اور زمانے کو بھی حرمت والا بنا دیا۔ لیکن عربوں نے ان حرمت والے مہینوں کو بھی اپنی خواہشات کے مطابق ڈھالتے ہوئے ان میں تغیر و تبدل کیا اور من مانی کارروائیاں کیں۔ وہ بعض کاہنوں یا قومی قبائل کے سرداروں کے فتوے لے کر ایک سال کے مہینوں کو دوسرے سال تک مؤخر کر دیتے تھے۔

جب اسلام آیا تو اس نے یہ ثابت کیا کہ یہ تاخیر، تعطیل، تغیر و تبدل، کفر، باطل اور گمراہی کے کام ہیں جن کی بنیاد ہی غلط ہے اور اس پر کوئی اعتماد نہیں کیا جا سکتا۔

فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿ إِنَّمَا النَّسِيٓءُ زِيَادَةٌ فِي الْكُفْرِ ۖ يُضَلُّ بِهِ الَّذِينَ كَفَرُوا يُحِلُّونَهُ عَامًا وَيُحَرِّمُونَهُ عَامًا لِّيُوَاطِـُٔوا عِدَّةَ مَا حَرَّمَ اللَّهُ فَيُحِلُّوا مَا حَرَّمَ اللَّهُ ۚ زُيِّنَ لَهُمْ سُوٓءُ أَعْمَالِهِمْ ۗ وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكَافِرِينَ ۝ ﴾

"بلاشبہ (کسی مہینے کو) آگے پیچھے کر دینا کفر میں زیادتی ہے اس کی وجہ سے کافر گمراہ کیے جاتے ہیں، وہ ایک سال اسے حلال کر لیتے ہیں اور دوسرے سال اسے حرام (خیال کرتے ہیں) تاکہ ان (مہینوں) کی تعداد پوری کریں جو اللہ نے حرام ٹھہرائے ہیں، پھر وہ حلال ٹھہرا لیں جسے اللہ نے حرام ٹھہرایا۔ ان کے برے اعمال ان کے لیے مزین کر دیے گئے۔ اور اللہ کافروں کو ہدایت نہیں دیتا۔"[1]

سو قریش ہی وہ لوگ تھے جنھوں نے امن والے علاقے میں دھوکہ دیا، یہ وہی ہیں

[1] التوبة 37:9.

جو حرمت والے مہینوں سے کھیلتے رہے اور مسلمانوں کو فتنے میں مبتلا کیا، انھیں قتل کیا، ان کے خون بہائے۔ ان کی پیٹھوں پر کوڑے برسائے، ان کے جسموں کو پتھروں سے کچلا، ان کے بدن کو پتھریلی زمین پر جلایا۔ ان کے اور کلمہ حق کے درمیان حائل ہوئے یہاں تک کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے حکم پر مکہ مکرمہ سے ہجرت کر گئے اور قریش ان کے اموال کی تجارت، ان کے گھروں اور ہر اس چیز کے والی بن گئے جس کے وہ مالک تھے۔

پس ایسی گمراہ باغی جماعت سے انتقام ضروری تھا اور عبداللہ بن جحش کا غزوہ برپا ہوا، اس میں اقدامِ قتل ہوا اور قیدی بھی بنائے گئے جیسا کہ ہم نے پیچھے بیان کیا۔ قریش چین سے نہیں بیٹھے، انھوں نے اللہ کی طرف بھاگنے اور اس کی طرف ہجرت کرنے والوں کے خلاف قبائل میں فساد انگیزی شروع کر دی۔ انھوں نے عربوں میں یہ بات مشہور کر دی کہ محمد ﷺ اور اُن کے ساتھی حرمت والے مہینوں میں زیادتی کرتے ہیں۔ ان کا خیال تھا کہ اس پروپیگنڈے کے ذریعے وہ صفِ اسلامی کی وحدت سے کچھ حاصل کر لیں گے یا اس طرح مسلمانوں کے مددگاروں میں کمی آ جائے گی۔ اس بارے میں اللہ تعالیٰ نے یہ ارشاد فرمایا:

﴿يَسْـَٔلُونَكَ عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ قِتَالٍ فِيهِ ۖ قُلْ قِتَالٌ فِيهِ كَبِيرٌ ۖ وَصَدٌّ عَن سَبِيلِ اللَّهِ وَكُفْرٌ بِهِ وَالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَإِخْرَاجُ أَهْلِهِ مِنْهُ أَكْبَرُ عِندَ اللَّهِ ۚ وَالْفِتْنَةُ أَكْبَرُ مِنَ الْقَتْلِ ۗ وَلَا يَزَالُونَ يُقَاتِلُونَكُمْ حَتَّىٰ يَرُدُّوكُمْ عَن دِينِكُمْ إِنِ اسْتَطَاعُوا ۚ وَمَن يَرْتَدِدْ مِنكُمْ عَن دِينِهِ فَيَمُتْ وَهُوَ كَافِرٌ فَأُولَـٰئِكَ حَبِطَتْ أَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ ۖ وَأُولَـٰئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ ۖ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ﴾

''(اے نبی!) لوگ آپ سے حرمت والے مہینے کے بارے میں پوچھتے ہیں کہ اس میں لڑائی کیسی ہے؟ کہہ دیجیے: اس میں لڑائی کرنا بہت بڑا گناہ ہے اور لوگوں کو اللہ کے راستے سے روکنا اور اللہ کے ساتھ کفر کرنا اور مسجد حرام سے (روکنا) اور حرم کے رہنے والوں کو وہاں سے نکالنا اللہ کے نزدیک اس سے بھی بڑا (گناہ) ہے اور فتنہ انگیزی قتل سے کہیں بڑا گناہ ہے۔ اور وہ (کافر) تو ہمیشہ تم سے لڑتے رہیں گے یہاں تک کہ اگر ان کا بس چلے تو وہ تمھیں تمھارے دین سے پھیر دیں اور تم میں سے جو شخص اپنے دین سے پھر جائے، پھر وہ حالت کفر ہی پر مر جائے، تو انھی لوگوں کے اعمال دنیا اور آخرت (دونوں) میں برباد ہو گئے اور وہ لوگ دوزخی ہیں، وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔''[1]

قریش کی یہی وہ نیت تھی جس کا انکشاف وحی نے کر دیا اور یہی ان کا مقصود و مطلوب اور ارادہ تھا۔ وہ اپنی طاقت کے ذریعے مسلمانوں کو ان کے دین کی وجہ سے پریشان کرتے اور تکالیف دیتے تھے اور ان کی کوشش یہی ہوتی تھی کہ ان کو اسلام سے پھیر کر دوبارہ کفر کی طرف آنے پر مجبور کر دیں لیکن اللہ سبحانہ وتعالیٰ ان کی اس بات کی نفی فرماتے ہیں۔

یقیناً اسلامی آداب اور آسمانی توجیہات مومنوں اور ان کی جماعت کے ذریعے بلند اور روشن ہوئیں جن سے پوری انسانیت کی فلاح وابستہ ہے۔

فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَكَذَٰلِكَ جَعَلْنَٰكُمْ أُمَّةً وَسَطًا لِّتَكُونُوا۟ شُهَدَآءَ عَلَى ٱلنَّاسِ وَيَكُونَ ٱلرَّسُولُ عَلَيْكُمْ شَهِيدًا ﴾

[1] البقرة 2:217.

”اور (جیسے تمھیں ہدایت دی) اسی طرح ہم نے تمھیں افضل اُمت بنایا تاکہ تم لوگوں پر گواہ ہو اور رسول تم پر گواہ ہوں۔“[1]

ہم کہتے ہیں کہ مسلمانوں نے اسلام کی جماعت کو اپنی ذاتی لگن، سخت محنت و کوشش سے، پھٹے ہوئے لباس زیب تن اور زبردست تکالیف برداشت کر کے بلند کیا۔ وہ اپنے رب کے حکم کی بجا آوری کرتے رہے ان لوگوں پر ظلم کیے بغیر جنھوں نے انھیں امن والے خطے میں تکلیفیں دیں اور حرمت والے گھر سے دور کر دیا۔ انھوں نے اللہ کے دین کو بلند کر دیا اور پھر ان لوگوں کے دلوں سے بغض و عناد کا صفایا کر کے اسلام نے ایک عظیم الشان نئے دور کا آغاز کیا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ لَا تَتَّخِذُوا۟ ٱلْيَهُودَ وَٱلنَّصَٰرَىٰٓ أَوْلِيَآءَ ۘ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ۚ وَمَن يَتَوَلَّهُم مِّنكُمْ فَإِنَّهُۥ مِنْهُمْ ۗ إِنَّ ٱللَّهَ لَا يَهْدِى ٱلْقَوْمَ ٱلظَّٰلِمِينَ ۝ فَتَرَى ٱلَّذِينَ فِى قُلُوبِهِم مَّرَضٌ يُسَٰرِعُونَ فِيهِمْ يَقُولُونَ نَخْشَىٰٓ أَن تُصِيبَنَا دَآئِرَةٌ ۚ فَعَسَى ٱللَّهُ أَن يَأْتِىَ بِٱلْفَتْحِ أَوْ أَمْرٍ مِّنْ عِندِهِۦ فَيُصْبِحُوا۟ عَلَىٰ مَآ أَسَرُّوا۟ فِىٓ أَنفُسِهِمْ نَٰدِمِينَ ۝ وَيَقُولُ ٱلَّذِينَ ءَامَنُوٓا۟ أَهَٰٓؤُلَآءِ ٱلَّذِينَ أَقْسَمُوا۟ بِٱللَّهِ جَهْدَ أَيْمَٰنِهِمْ ۙ إِنَّهُمْ لَمَعَكُمْ ۚ حَبِطَتْ أَعْمَٰلُهُمْ فَأَصْبَحُوا۟ خَٰسِرِينَ ۝ ﴾

”اے لوگو جو ایمان لائے ہو! یہودیوں اور عیسائیوں کو دوست نہ بناؤ، وہ آپس میں ایک دوسرے کے دوست ہیں، اور تم میں سے جو کوئی ان سے دوستی رکھے گا تو بے شک وہ انھی میں سے ہوگا۔ یقیناً اللہ ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا۔

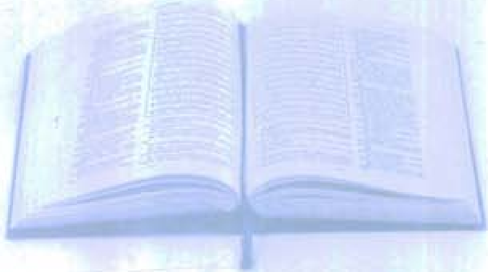
[1] البقرة 2:143.

(اے نبی!) آپ ان لوگوں کو دیکھتے ہیں جن کے دلوں میں (منافقت کی) بیماری ہے کہ وہ دوڑ کر ان (یہودیوں) میں جاتے ہیں اور (ان سے) کہتے ہیں: ہم اس سے ڈرتے ہیں کہ ہمیں کوئی مصیبت پہنچے، پھر قریب ہے کہ اللہ (تمھیں) فتح عطا کرے یا اپنی طرف سے کوئی اور بات ظاہر کرے، تو یہ لوگ اس (منافقت) پر پچھتائیں گے جسے وہ اپنے دلوں میں چھپائے ہوئے ہیں۔ اور (اس وقت) وہ لوگ جو ایمان لائے ہیں، کہیں گے: کیا یہی وہ لوگ ہیں جنھوں نے اپنی پختہ قسمیں کھاتے ہوئے اللہ کی قسمیں کھائی تھیں کہ بے شک وہ تمھارے ساتھ ہیں؟ ان کے عمل برباد ہوگئے اور وہ خسارہ اٹھانے والے ہوگئے۔"[1]

مسلمانوں نے کہا: ہم نے اپنے رب کا حکم سنا اور مان لیا، پھر انھوں نے اللہ کے دین کا جھنڈا بلند کیا اور اللہ کے دین کی دعوت کے لیے میدان میں اترے تو دنیا نے ان کا شاندار استقبال کیا اور انھیں اپنا رہبر اور لیڈر بنا کر اپنی پشتوں پر بٹھایا۔ لیکن آج اسلاف کے ان جانشینوں اور بیٹوں کی حالت کیا ہے جنھوں نے اپنے اسلاف کی ان محنتوں کو ضائع کر دیا جن سے انھوں نے اللہ کے دین کو مضبوط کیا تھا۔

اے محمد ﷺ کے پیروکارو! یہی وہ سیدھا راستہ ہے جس پر تمھارے اسلاف نے قربانیاں دیں۔ تم بھی اسی سیدھے اور سچے راستے پر واپس آ جاؤ۔

[1] المآئدہ 5:51-53.



پانچویں آیت

بسم اللہ الرحمن الرحیم

﴿وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِينَ قُتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتًا ۚ بَلْ أَحْيَاءٌ عِندَ رَبِّهِمْ
يُرْزَقُونَ ۝ فَرِحِينَ بِمَا آتَاهُمُ اللَّهُ مِن فَضْلِهِ وَيَسْتَبْشِرُونَ بِالَّذِينَ لَمْ
يَلْحَقُوا بِهِم مِّنْ خَلْفِهِمْ أَلَّا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ۝﴾

”ان لوگوں کو مردہ خیال نہ کرو جو اللہ کے راستے میں مارے گئے ہیں بلکہ وہ زندہ ہیں، انھیں ان کے رب کے ہاں رزق دیا جاتا ہے جو کچھ اللہ نے اپنے فضل سے انھیں دیا اس پر وہ خوش ہیں اور ان (مومنوں) کے بارے میں بھی خوشی محسوس کرتے ہیں جو ابھی تک ان سے نہیں ملے اور ان کے پیچھے (دنیا میں) رہ گئے ہیں کہ انھیں نہ کوئی خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔“[1]

[1] آل عمران 3:169، 170۔



نزول آیات کے متعلق علماء کے اقوال

بعض مفسرین نے لکھا کہ امام قرطبی نے اپنی تفسیر میں کہا ہے کہ یہ آیات مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ اور حمزہ بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کے بارے میں نازل ہوئیں۔

دیکھیے :تفسير القرطبي: 69/4.

امام ابن کثیر نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کی ہے کہ یہ آیات حمزہ اور ان کے ساتھیوں کے بارے میں نازل ہوئیں۔(427/1)

امام ابوالحسن الواحدی نے بھی اپنی کتاب أسباب نزول القرآن، ص: 145 پر یہی بات لکھی ہے۔

مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کون ہیں؟ آیئے ان کے متعلق جانتے ہیں۔



مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ

ان کی کنیت ابو محمد اور نام المقری تھا اور یہ مصعب الخیر رضی اللہ عنہ کے نام سے مشہور تھے۔ مدینہ کی طرف ہجرت کرنے والے اولین مہاجرین میں سے ایک تھے۔

آپ رضی اللہ عنہ انصاری قبائل میں اللہ کے دین کے داعی اور مبلغ بن کر آئے اور مدینہ میں اللہ کے رسول ﷺ کے سفیر کی حیثیت سے خدمات انجام دیتے رہے۔ بدر کے معرکے میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی مدد ونصرت فرمائی تھی، اس میں اسلامی لشکر کا پرچم انھی کے ہاتھ میں تھا۔

ان کے والد، عمیر بن ہشام بن عبد مناف قبیلۂ قریش میں سب سے معزز اور حسب ونسب کے اعتبار سے سب سے زیادہ شریف انسان تھے۔

ان کی والدہ خناس بنت مالک بن مضرب مکہ میں مال و دولت کے اعتبار سے سب سے زیادہ مالدار خاتون تھی۔ مکہ کی طرف جو بھی قافلہ آتا اس میں اس کا حصہ بھی ہوتا اور مکہ سے شام کی طرف جو قافلہ نکلتا اس میں خناس کے اونٹ اور سامان بھی ہوتا تھا۔ ان کا بھائی ابو عزیز معرکۂ بدر میں نضر بن حارث کے بعد مشرکوں کا علمبردار تھا۔

رسول اللہ ﷺ کے صحابی ابو الیسر نے اسے گرفتار کر کے مسلمانوں کے قیدیوں میں

شامل کر دیا۔ اس کی ماں کو علم ہوا تو اس نے لوگوں سے پوچھا کہ قریشی قیدیوں کا سب سے زیادہ کتنا فدیہ دیا گیا ہے؟ لوگوں نے کہا: چار ہزار درہم۔ یہ سن کر اس نے اپنے بیٹے کا سب سے زیادہ فدیہ دیا۔ [1]

مصعب رضی اللہ عنہ مکہ میں پیدا ہوئے اور اسی مقدس شہر کے سنگریزوں پر پرورش پائی۔ انھیں مکہ کی گلیاں ایسے معطر نوجوان کی حیثیت سے پہچانتی تھیں جو اچھا لباس پہنتا اور مہنگی ترین چادر زیب تن کرتا تھا۔ مکہ کی زندگی نے اسے نرم و ملائم جلد، خوبصورت حالت اور درمیانی قد و قامت والا محبوب نوجوان بنا دیا۔ اس کے خوبصورت بال ہنستے مسکراتے دانت زندگی کی رونق کو دوبالا کرتے تھے۔

اس کے ماں باپ اس سے بے حد محبت کرتے تھے۔ اور اس کی ہر قسم کی خواہش اور ضرورت بڑے چاؤ سے پوری کرتے تھے۔ وہ اس پر مال خرچ کرنے میں کوئی کسر باقی نہ رکھتے تھے، وہ جو بھی مطالبہ کرتا اسے ہر ممکن طور پر پورا کرتے تھے بلکہ جو وہ چاہتا اس کی تصدیق کرتے اور جس چیز کی وہ رغبت رکھتا وہ ہر حال میں اس کے آگے پیش کر دیتے تھے۔

ابن سعد اپنی کتاب «الطبقات» میں لکھتے ہیں کہ ان کی والدہ سب سے زیادہ مالدار خاتون تھی، وہ اسے سب سے عمدہ کپڑے پہناتی تھی، مصعب اہل مکہ میں سب سے زیادہ خوشبو استعمال کرنے والا نوجوان تھا، وہ حضرمی جوتا پہنتا تھا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کا تذکرہ یوں فرماتے ہیں:

''میں نے مکہ میں سب سے زیادہ خوبصورت بالوں والا، عمدہ پوشاک والا اور نعمتوں

[1] السيرة النبوية لابن هشام: 3/289.

میں پلنے والا مصعب بن عمیر سے بڑھ کر کسی کو نہیں دیکھا۔"[1]

جب رسول اللہ ﷺ نے کوہ صفا پر کھڑے ہو کر اللہ کی توحید کا اعلان کیا، اس وقت یہ مکہ سے باہر تھے۔ آپ ﷺ نے مکہ کے باشندوں کو پکارا اور انھیں بتایا کہ میں تمھاری طرف اللہ کا رسول بنا کر مبعوث کیا گیا ہوں۔ مصعب رضی اللہ عنہ جب اپنے سفر سے واپس آئے تو انھوں نے قریش کو صرف محمد ﷺ کی اسی بات کا چرچا کرتے ہوئے پایا، جس کا انھوں نے صفا کی پہاڑی پر کھڑے ہو کر اعلان کیا تھا۔ وہ آپ ﷺ کی دعوت اور آپ کے چچا ابولہب کی تردید کا ذکر بھی کر رہے تھے۔

ان مجلسوں میں سے ایک مجلس میں مصعب رضی اللہ عنہ بھی بیٹھ گئے تاکہ وہ اس نئی بات کے متعلق کچھ سنیں جس کی طرف محمد ﷺ نے دعوت دی تھی۔ اس مجلس میں جبیر بن مطعم بھی موجود تھا۔ وہ قریش کے سرداروں میں سے تھا، لوگ اس کے گرد جمع ہو گئے مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ بھی اس کی طرف جلدی سے بڑھے، انھوں نے جبیر سے کہا:

اے جبیر! کیا آپ نے وہ بات سنی ہے جو آج صبح محمد (ﷺ) نے کہی ہے؟

ہاں مصعب! میں اس وقت وہاں موجود تھا اور میں نے محمد (ﷺ) کی بات کے ہر لفظ کو اپنے ذہن میں محفوظ کر لیا ہے۔ مصعب (رضی اللہ عنہ) جبیر (رضی اللہ عنہ) کے مزید قریب ہو گئے اور کہا: رب کعبہ کی قسم! آپ نے جو کچھ سنا ہے وہ مجھے بھی بتائیے۔ اس نے کہا: میں سعد بن ابی وقاص (رضی اللہ عنہ) کی دوکان پر گیا تاکہ میں اس سے شکار کے موسم کی تیاری کے لیے کچھ تیر اور نیزے خرید لوں جس کے دن قریب آ گئے ہیں۔ اس وقت میرے کانوں میں محمد (ﷺ) کی آواز گونجی، وہ کوہِ صفا پر «يَا صَبَاحَاهُ يَا صَبَاحَاهُ»

[1] الطبقات لابن سعد: 116/3.

کی آواز لگا رہے تھے۔ میں سعد (رضی اللہ عنہ) اور اس کے نیزوں اور تیروں کو پیچھے چھوڑ کر تیزی سے کوہِ صفا کی جانب دوڑا۔ جب میں وہاں پہنچا تو وہاں قریش کے قبیلوں کے بہت سے لوگ جمع تھے جو مجھ سے پہلے ہی وہاں آ گئے تھے۔ جب بہت سارے لوگ جمع ہو گئے تو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے کہا: ''اے آل غالب! اے آل فہر! (انھوں نے قریش کے قبیلوں کو شمار کرتے ہوئے کہا:) اگر میں کہوں کہ اس وادی کے پیچھے گھڑ سواروں کا دستہ ہے جو تم پر حملہ کرنا چاہتا ہے تو کیا تم میری تصدیق کرو گے؟''

وہاں موجود سب لوگوں نے کہا: اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)! ہم نے آپ کو کبھی جھوٹ بولتے ہوئے نہیں پایا۔ پھر آپ نے کہا: ''میں تمھاری طرف خصوصاً اور باقی لوگوں کی طرف عموماً اللہ کا رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں۔'' اس پر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا ابولہب نے ان کی تردید کرتے ہوئے کہا: تیرے ہاتھ ٹوٹ جائیں کیا تو نے اسی لیے ہمیں جمع کیا تھا؟

بڑے بڑے سردار وہاں سے چلے گئے اور اس کے سامنے صحن میں صرف غلام، حوالی اور ضعفائے مکہ ہی رہ گئے۔ مصعب (رضی اللہ عنہ) نے پوچھا: اے جبیر! پھر کیا ہوا؟ کیا اس کے علاوہ بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ فرمایا۔ جبیر (رضی اللہ عنہ) نے کہا: میں نے انھیں یہ کہتے ہوئے بھی سنا کہ ان پر اللہ کی طرف سے وحی کی جاتی ہے۔ پھر انھوں نے کچھ آیات پڑھیں جن کے متعلق وہ یہ گمان کرتے تھے کہ یہ ان پر اللہ کی طرف سے نازل ہوئی ہیں۔ مصعب رضی اللہ عنہ نے پوچھا: اے جبیر! کیا آپ کو وہ آیات یاد ہیں؟ ہاں! ہاں! وہ بار بار یہ آیات پڑھ رہے تھے:

﴿فَلَا تَدْعُ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ فَتَكُوْنَ مِنَ الْمُعَذَّبِيْنَ ۝ وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ ۝ وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ لِمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝ فَاِنْ عَصَوْكَ

﴿فَقُلْ اِنِّیْ بَرِیْٓءٌ مِّمَّا تَعْمَلُوْنَ﴾

''(اے نبی!) آپ اللہ کے ساتھ کسی اور معبود کو مت پکاریں ورنہ آپ عذاب پانے والوں میں شامل ہوں گے اور آپ اپنے رشتہ داروں کو ڈرائیں۔ اور جو مومنوں میں سے آپ (ﷺ) کا اتباع کریں، ان کے لیے اپنے (مشفقانہ) بازو جھکائے رکھیں۔ پھر اگر وہ آپ کی نافرمانی کریں تو کہہ دیجیے: بلاشبہ تم جو کچھ کر رہے ہو، میں اس سے بری ہوں۔''[1]

مصعب نے پوچھا: اے جبیر! ان کا مطلب کیا ہے؟ جبیر نے کہا: کعبہ کے رب کی قسم اے مصعب! جو کچھ انھوں نے کہا ہے، میری سمجھ میں نہیں آیا لیکن حق بات یہ ہے کہ یہ کلمات میرے دل میں اُتر گئے ہیں۔

مصعب بھی انھی کلمات کو دہرانے لگے اور انھیں دہراتے ہوئے ہی رات کے آخری پہر اپنے گھر واپس آئے۔

ان کی ماں نے ان کے سامنے کھانا رکھا تو انھوں نے کھانے سے اعراض کیا۔ ماں نے کہا: مصعب (رضی اللہ عنہ)! تجھے کیا ہو گیا؟ شاید تو اپنے خداؤں کے پاس جانے کی عادت بھول گیا ہے تاکہ تجھے برکت حاصل ہو اور تجھ سے خشکی اور فضا کے موذی جانور دور رہیں۔ مصعب نے کہا: اماں جان! ایسی کوئی بات نہیں۔ بس میں اپنے بستر پر آرام کرنا چاہتا ہوں۔

مصعب (رضی اللہ عنہ) نے ابھی آنکھ بھی بند نہیں کی تھی کہ جبیر (رضی اللہ عنہ) کی بات ان کے کانوں میں گونجنے لگی۔ اس آواز نے انھیں گھیر لیا اور ان کی نیند کے درمیان حائل ہو گئی۔

[1] الشعرآء 26:213-216.

اگلے دن صبح سویرے مصعب رضی اللہ عنہ اپنے گھر سے نکلے اور دارارقم بن ابی ارقم کی طرف چل پڑے۔ وہاں محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ساتھی موجود تھے۔

انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کی، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بات غور سے سنی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں اسلام کی دعوت دی اور اس کی بنیادی تعلیمات سے آگاہ کیا۔ مصعب (رضی اللہ عنہ) نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کو قبول کر لیا۔ اور کلمۂ شہادت پڑھ کے زبان سے اسلام کی حقانیت کا اقرار کر لیا۔ ایسا کلمہ جو حق و باطل کے درمیان فیصلہ کرنے والا ہے۔ انسان اس کلمہ کو پڑھ لینے کے بعد ایک نئی زندگی اختیار کر لیتا ہے۔ وہ غیب پر گواہی دیتا ہے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں۔ اس طرح وہ زمان و مکان کی حد بندیوں کی قیود سے غیب کی وسعتوں کی طرف چل پڑتا ہے اور یہی چیز اس حیوان ناطق کو جو صرف حس اور مشاہدے کے سوا کوئی معرفت نہیں رکھتا، اپنی عقل کے ذریعے سے غیب کے ماورا کی معرفت حاصل ہو جاتی ہے۔ اسی لیے وہ غیب کی باتوں پر گواہی دیتا ہے اور اقرار کرتا ہے کہ غیب کی جن باتوں اور چیزوں کی وہ گواہی دیتا ہے ان کا کوئی نہ کوئی وجود ضرور ہے۔ یقیناً یہی عقیدہ اسے کفر کی قید سے آزاد کر کے اسلام کی وسعتوں کی طرف، جہالت کے اندھیروں سے نورِ اسلام کی طرف اور معبودانِ باطلہ کی عبادت کا انکار کر کے ایک حقیقی اور سچے اللہ کے سامنے جھکنے اور اس کی معرفت کی طرف راہنمائی کرتا ہے۔

مصعب رضی اللہ عنہ دارارقم سے قریش کے خوف سے اپنے اسلام کو چھپائے ہوئے نکلے کہ کہیں وہ اسے نقصان نہ پہنچائیں اور آڑے ہاتھوں نہ لیں۔ انھیں اپنی ماں کا ڈر بھی تھا کہ کہیں وہ ان کے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف جانے کی راہ میں حائل نہ ہو جائے۔

اگلی صبح مصعب رضی اللہ عنہ ایک نئے انسان بن چکے تھے جو اُس مصعب سے یکسر مختلف تھے جس کو اس سے پہلے قریش ایک شہزادے کی حیثیت سے جانتے تھے۔

وہ تنہا رہنے لگے اور تنہائی کو پسند کرنے لگے۔ وہ اکثر بیت اللہ کا طواف کرتے اور اکیلے ہی وہاں بیٹھے رہتے، وہ قریش کی غفلت کا جائزہ لیتے تو اپنے رب کی طرف متوجہ ہو جاتے اور دیر تک طویل نماز پڑھتے۔ جب شام چھا جاتی تو جلدی جلدی دارارقم بن ابی ارقم کی طرف چلے جاتے تا کہ وہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی باتیں سنیں اور اپنے دل کو نورِ ایمان سے منور کریں۔ لیکن یہ سعادت دوام نہ پکڑ سکی۔ وہ اپنے رب کی طرف راستہ پہچان لینے کے بعد گنتی کے چند مہینے ہی راحت اور اطمینان پا سکے۔ عثمان بن ابی طلحہ نے انھیں کعبہ میں نماز پڑھتے ہوئے دیکھ لیا اور اس بات کو لوگوں میں پھیلا دیا۔ اس بات کی خبر مصعب کی ماں کو بھی مل گئی۔ یہ دن مصعب رضی اللہ عنہ پر بڑا مشکل گزرا کیونکہ ہر طرف مصعب کو بُرا بھلا کہنے والے لوگ موجود تھے۔

ماں نے کہا: اے مصعب! میں نے سنا ہے کہ تم بے دین ہو گئے ہو، کیا یہ سچ ہے؟ مصعب رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: ہاں! ربِ کعبہ کی قسم! میں نے اللہ کی طرف حق کا راستہ پہچان لیا ہے۔ ماں نے کہا: اے مصعب! تم کون سا الٰہ مراد لیتے ہو؟ مصعب رضی اللہ عنہ نے کہا: یقیناً وہ ایک ہی الٰہ ہے جس نے آسمانوں و زمین کو پیدا کیا، اندھیروں اور روشنی کو پھیلایا اور موت وحیات کو بنایا۔

ماں نے پوچھا: اے مصعب!..... کیا لات، مناۃ اور ہبل کے علاوہ بھی کوئی الٰہ ہے؟ مصعب رضی اللہ عنہ نے کہا: اے ماں! میں جانتا ہوں کہ تو عقل مند اور بصیرت والی ہے، مجھے یقین ہے کہ تجھ سے یہ بات چھپی ہوئی نہیں ہے کہ یہ پتھر کے بت نہ نفع دے سکتے

ہیں، نہ نقصان پہنچا سکتے ہیں بلکہ وہ تو اپنے وجود کے مالک بھی نہیں۔

یہ تو وہی بت ہیں جنھیں ابوالانبیاء ابراہیم علیہ السلام نے توڑا تھا۔ اور جب ان کی قوم نے ان کا مقابلہ کیا اور ان سے بدلہ لینے کا ارادہ کیا تو انھوں نے ابراہیم علیہ السلام سے پوچھا کہ تم نے ہمارے بتوں کا یہ حشر کیوں کیا تو انھوں نے اپنی قوم سے کہا:

''جن کو تم اللہ کے علاوہ پکارتے ہو کیا وہ تمھاری فریادیں سن کر تمھیں نفع یا نقصان پہنچا سکتے ہیں؟'' تو انھوں نے کہا: اے ابراہیم! یہ سنتے ہیں، نہ دیکھتے ہیں۔ تو ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا: ''تو پھر یہ پتھر جنھیں ہم اپنے ہاتھوں سے تراشتے ہیں، ہمارے الٰہ کیسے ہو سکتے ہیں؟''

ماں نے کہا: اے مصعب! تیری زبان شل ہو جائے اور تو ناکام و نامراد ہو جائے۔ کیا تو اس جرأت کے ساتھ ہمارے خداؤں کو آڑے ہاتھوں لیتا ہے اور ہم معتقدین سے مذاق کرتا ہے۔

مصعب رضی اللہ عنہ نے کہا: اللہ کی پناہ اے ماں! کہ میں ایسا ہو جاؤں جیسا کہ تم کہہ رہی ہو۔ ماں نے کہا: مصعب! اپنی ان بیہودہ باتوں سے باز آ جاؤ۔ اے مصعب! لوگوں نے تیرے بارے میں ہمارے خداؤں کی نافرمانی کے متعلق جو مجھے بتایا ہے وہ انھوں نے سچ کہا ہے۔

مصعب رضی اللہ عنہ نے پوچھا: اے ماں! لوگوں نے کیا کہا ہے؟ ماں: انھوں نے کہا ہے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے تجھ پر جادو کر دیا ہے، تو ہمارے دین سے بے دین ہو گیا ہے۔ اور تو نے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی دعوت کو قبول کرتے ہوئے اس کی پیروی کر لی ہے۔ مجھ پر میرے خداؤں کا حق یہ ہے کہ میں تیرے پاؤں میں بیڑیاں ڈال دوں اور چوپاؤں کی

طرح قید رکھوں۔

مصعب رضی اللہ عنہ کو ان کی ماں نے بیڑیوں اور زنجیروں سے جکڑ دیا، ایسے عالم میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو حبشہ کی طرف ہجرت کی اجازت دے دی۔ مصعب رضی اللہ عنہ نے کسی نہ کسی طرح اپنے آپ کو زنجیروں سے آزاد کیا اور اللہ کی طرف ہجرت کرنے والے اس قافلے سے جا ملے جو قریش کے ستم سے اپنے دین کو بچا کر بھاگ رہے تھے۔

مصعب رضی اللہ عنہ جب حبشہ سے واپس آئے تو اِن کی جسمانی حالت بدل چکی تھی۔ بھوک اور فاقوں کی وجہ سے یہ سرخ اور نرم گالوں والا چہرہ مرجھا چکا تھا، مضبوط اور توانا جسم لاغر ہو گیا تھا۔ یہ ہنستا کھیلتا چہرہ غموں کے بوجھ سے مرجھا گیا تھا لیکن ایمانی طاقت دل میں موجزن تھی جس نے مصعب کے حوصلوں کو بلند رکھا۔ مصعب رضی اللہ عنہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے تو اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے درمیان تشریف فرما تھے۔ مصعب رضی اللہ عنہ پر دھاری دھار چادر کا ایک ٹکڑا تھا جس کو چمڑے کے ساتھ ملا کر آستین بنا لیا گیا تھا۔

جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھیوں کی نظر ان پر پڑی تو انھوں نے رحم کھاتے ہوئے اپنے سروں کو جھکا لیا کیونکہ ان کے پاس بھی مصعب رضی اللہ عنہ کی حالت کو بدلنے کے لیے کچھ نہیں تھا، انھوں نے آ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام کیا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے سلام کا جواب دیا اور ان کے ایمان کی تعریف کی اور فرمایا:

”تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں جس نے دنیا کو اس کے رہنے والوں کے ذریعے بدل دیا ہے۔ میں نے مکہ میں مصعب (رضی اللہ عنہ) کو دیکھا ہے کہ مکہ میں

قریشی نوجوانوں میں سے اپنے ماں باپ کے ہاں ناز و نعمت میں پلنے والا کوئی بھی جوان اس سے بڑھ کر نہیں تھا۔ پھر اس نے اللہ اور اس کے رسول کی محبت میں دنیا کی عیش و عشرت اور ناز و نعمت کو خیر باد کہہ دیا۔"

حج کے موسم میں رسول اللہ ﷺ انصار کے چند آدمیوں سے ملے اور انھیں اسلام کی دعوت دی تو انھوں نے فوراً آپ کی دعوت قبول کر لی۔ مدینہ کے انصاریوں میں سے انھوں نے سب سے پہلے آپ کی بیعت کی۔ ان کی تعداد 12 تھی۔ [1]

ان لوگوں نے مدینہ میں اپنی قوم کو اسلام کی دعوت دی تو ان میں سے کثیر تعداد میں لوگوں نے اس دعوت کو قبول کر لیا۔ انصار میں بڑی تیزی سے اسلام پھیلنے لگا، لہٰذا انھوں نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں ایک خط ارسال کیا جس میں انھوں نے لکھا:

"اے اللہ کے رسول! آپ (ﷺ) اپنے صحابہ میں سے ایک آدمی ہمارے پاس بھیج دیں جو ہمیں دین سمجھائے اور قرآن پڑھائے۔"

رسول اللہ ﷺ نے اپنے ساتھیوں کی طرف نگاہ دوڑائی تا کہ ایک ایسے آدمی کا چناؤ کر سکیں جو اس مہم کا اہل ہو۔ آپ کی نگاہِ انتخاب مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ پر پڑی کیونکہ وہ عقل کی پختگی اور زبان کی مٹھاس کے ساتھ ساتھ اچھے مقرر بھی تھے۔ آپ ﷺ نے انھیں قناعت اور پیش آمدہ امور میں موافقت کا سبق دے کر انصار کی طرف بطور مبلغ روانہ فرمایا۔

مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کی ذہانت کا عالم یہ تھا کہ وہ جو بھی بات آپ سے سن لیتے وہ

[1] الطبقات لابن سعد: 3/ 117.

ان کے ذہن میں ازبر ہو جاتی تھی۔ انھوں نے بہت ساری آیات قرآنیہ اور احادیثِ نبویہ کو یاد کر لیا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے مصعب رضی اللہ عنہ کو بلایا اور مدینہ میں تبلیغِ دین کی ذمہ داری ان کے سپرد کی۔ اور انھیں بہت ساری نصیحتوں اور کامیابی کی دعاؤں کے ساتھ اس مہم میں مدینہ کی طرف روانہ کیا۔ مصعب رضی اللہ عنہ اس عزم کے ساتھ مدینے کی طرف چل پڑے کہ وہ اس پاکیزہ شہر کے اندر اسلامی قانون کو پروان چڑھائیں گے اور ان لوگوں میں سے اس نئی دعوت کے لیے ایک لشکر تیار کریں گے اور آنے والے حالات کے لیے ان کی تربیت کریں گے۔

کون جانتا تھا کہ یہ شہر مستقبل قریب میں اسلام اور مسلمانوں کا مضبوط قلعہ ہوگا اور زمین کے کونے کونے میں اسلام کی اشاعت کے لیے دستے بھیجنے کا ہیڈ کوارٹر بن جائے گا۔ یہ مہم آسان نہیں تھی۔ مصعب رضی اللہ عنہ کے لیے مدینہ کی زمین ہموار نہیں تھی کہ وہ آسانی سے تبلیغ دین کے فرائض انجام دے سکیں بلکہ یہ نہایت پُر مشقت اور مشکل کام تھا۔ اگر یہ مہم سفارتی نوعیت کی ہوتی تو معاملہ آسان ہو جاتا، اگر یہ مہم صرف تبلیغ رسالت کی ہوتی یا انفرادی نوعیت کی ہوتی تو کوئی حرج نہ تھا اور اگر زرع پہنے ہوئے بڑے لشکر کے سامنے ٹھہرنے کی مہم ہوتی تو یہ ان کے خلاف اللہ تعالیٰ سے مدد طلب کرتے اور ان کی جمعیت کو بکھیر دیتے لیکن یہ مہم انسانوں کو انسان بنانے، نفسوں کو بدلنے، دلوں کو اللہ کی ہدایت اور نور ایمان کی طرف متوجہ کرنے کی تھی۔

مصعب رضی اللہ عنہ کے سامنے ان تمام مصائب اور مشکلات کے باوجود یہی بات تھی کہ کوئی بھی مشکل کام جب اللہ کی رضا کے لیے مخلص ہو کر کیا جائے تو وہ آسان ہو جاتا ہے۔ مصعب رضی اللہ عنہ کی آنکھوں کے سامنے کھجوروں کے لمبے لمبے درخت نمودار ہوئے،

ایسا لگتا تھا کہ وہ ہزاروں کی تعداد میں ہیں اور اپنے خالق کے دربار میں دعا کے لیے عاجزی سے ہتھیلیاں پھیلائے کھڑے ہیں اور اپنے موجد کے سامنے گڑگڑا کر دعا کر رہے ہیں۔

مصعب رضی اللہ عنہ نے جب یثرب (مدینہ) کی علامات دیکھیں تو اپنی سواری سے اتر پڑے، سورج غروب ہونے کی اطلاع دے رہا تھا۔ وہ اپنے مالک اور خالق کے سامنے سربسجود ہو گئے اور اپنے مالک کے حضور عاجزی سے دعا کرنے لگے کہ اے ربِ کریم! میرے عزائم کو مضبوط کر دے اور جس کام کی ذمہ داری رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سونپی ہے اسے بخوبی انجام دینے کے لیے میرا ہاتھ تھام لے۔ وہ اپنی دعا سے فارغ ہوئے اور عالمِ وجود پر رات کی چادر کے پھیل جانے سے قبل ان کی آنکھیں اسعد بن زرارہ رضی اللہ عنہ کے گھر کی طرف جاتی راہوں کو تلاش کرنے لگیں۔ اسعد بیعتِ اولیٰ کرنے اور اسلام کی طرف سبقت لے جانے والوں میں سے ایک تھے۔

انھوں نے اسعد بن زرارہ رضی اللہ عنہ کے گھر میں بسیرا کیا۔ اور اپنی ذمہ داری نبھانے لگے۔ اب مصعب رضی اللہ عنہ شام و سحر اسلام کے لیے دلوں کی کمائی کر رہے تھے۔

ایک دفعہ مصعب رضی اللہ عنہ مسلمانوں کو قرآن پڑھا رہے تھے اور تعلیماتِ نبوی سمجھا رہے تھے کہ اچانک سختی سے دروازہ کھٹکھٹایا گیا۔ دروازہ کھولنے کی دیر تھی کہ اُسید بن حضیر نمودار ہوا، اس کی آنکھوں سے غصے کی چنگاریاں نکل رہی تھیں، وہ اپنے ہاتھ میں نیزہ تھامے کھڑا تھا۔ اسعد بن زرارہ رضی اللہ عنہ نے مصعب رضی اللہ عنہ سے کہا: یہ قوم کے سردار اُسید بن حضیر ہیں، یقیناً اللہ تعالیٰ ہی انھیں آپ کے پاس لایا ہے۔ مصعب رضی اللہ عنہ نے کہا: اگر یہ بیٹھ جائیں تو میں اس سے بات چیت کروں گا لیکن اسید بیٹھنے اور بات

سننے کے لیے نہیں آیا تھا۔ وہ تو مصعب رضی اللہ عنہ کو سزا دینے اور اس شہر سے نکالنے آیا تھا تاکہ یہ دوبارہ اس شہر کا رخ نہ کر سکے، وہ اپنی غصے بھری کرخت آواز میں کہنے لگا:

"تو ہمارے پاس اس لیے آیا ہے کہ ہمارے کمزوروں کو بے وقوف بنائے اور ان کے ساتھ ہمارے تعلقات خراب کرے؟ اگر تجھے اپنی جان پیاری ہے تو اس شہر سے بھاگ جا۔"

مصعب رضی اللہ عنہ نے بڑے پیار سے کہا: محترم! کیا آپ بیٹھ کر میری بات سن سکتے ہیں؟ اگر آپ کو ہماری بات پسند آئے تو اسے قبول کر لینا، پسند نہ آئے تو ہم اس سے رک جائیں گے۔

مصعب رضی اللہ عنہ نے اُسید بن حضیر سے بڑے احسن انداز سے بات کی کیونکہ مصعب رضی اللہ عنہ سمجھتے تھے کہ اگر یہ بندہ مسلمان ہو گیا تو دعوت میں آسانی پیدا ہو جائے گی۔ اُسید بھی بڑا سمجھدار اور جہاندیدہ آدمی تھا۔ اس نے سوچا کہ یہ اجنبی بڑی معقول اور صحیح بات کر رہا ہے، اور ویسے بھی ایک مہمان سے اس کی بات سنے بغیر بُرا سلوک کرنا اور اسے حق ضیافت سے محروم کر دینا بڑی جاہلانہ بات ہے، مجھے اس کی بات ضرور سننی چاہیے۔ غرضیکہ وہ تھوڑی ہی دیر میں نرم پڑ گیا اور مصعب رضی اللہ عنہ کی بات سننے کے لیے تیار ہو گیا۔ مصعب رضی اللہ عنہ نے اسے اسلام کی بنیادی تعلیمات سے آگاہ کیا اور قرآن کی آیات پڑھ کر سنائیں۔ تھوڑی ہی دیر میں اُسید کا چہرہ خوشی سے چمک اٹھا۔

قرآنی آیات سن کر اُسید کے دل کی دنیا بدل گئی، وہ بے ساختہ کہنے لگا: یہ کتنا اچھا اور کس قدر خوبصورت کلام ہے۔ یکایک اس نے پوچھا کہ تم جب اس دین میں داخل ہونے کا ارادہ کرتے ہو تو کیا کرتے ہو؟ مصعب رضی اللہ عنہ نے کہا: غسل کرتے ہیں اور

پاک کپڑے پہنتے ہیں، پھر کلمۂ توحید کی گواہی دینے کے بعد نماز ادا کرتے ہیں۔ اُسید جلدی سے اٹھ کھڑا ہوا۔ غسل کیا، بدن کو پاک کر کے پاکیزہ کپڑے پہنے اور مصعب رضی اللہ عنہ کے سامنے کلمۂ توحید لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ پڑھ لیا۔ مصعب رضی اللہ عنہ نے اسے نماز سکھائی، وہ کھڑا ہوا اور دو رکعت نماز ادا کی۔ [1]

اسلام قبول کرنے کے فوراً بعد وہ لوگوں کو اسلام کی عظیم دعوت دینے اور اس نئے دین کی خوشخبری سنانے کے لیے نکل پڑے۔ انھوں نے اپنے گھوڑے کی لگامیں ڈھیلی چھوڑ دیں اور اپنے بچپن کے دوست سعد بن معاذ کی طرف چل دیے۔ سعد کی نظر اُسید رضی اللہ عنہ پر پڑی تو اس نے کہا: اے اُسید! تو نے میرے پیچھے کیا معاملہ کیا؟ اُسید رضی اللہ عنہ نے اسے کوئی جواب نہ دیا بلکہ اس نے سفیرِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف چلنے کی رغبت دلائی۔ چنانچہ اس نے بھی اُسید رضی اللہ عنہ کی طرح اسلام کی بنیادی تعلیمات اور آیاتِ قرآنیہ کو غور سے سنا تو وہ بھی کلمہ پڑھ کر مسلمان ہو گیا۔ اب وہ دونوں اپنی قوم کی طرف دو نئے آدمی بن کر پلٹے۔ گویا کہ جونہی انھوں نے کلمہ طیبہ پڑھنے کے لیے اپنی اپنی زبان کو جنبش دی تو ان کے دل سے شرک کے تمام وسوسے اور جاہلیت کی تمام باتیں نابود ہو گئیں، جاہ پسندی اور سرداری کی تمام مصلحتیں اور سیاست کے تمام داؤ پیچ نکل گئے۔

اسلام کے عقیدے نے سعد کو اپنی قوم کی مجلس میں کھڑے ہو کر یہ اعلان کرنے پر مجبور کر دیا: اے بنی عبد الاشہل! تم اپنے دل میں میرے معاملے کو کیسا جانتے ہو؟ انھوں نے کہا: ہمارا سردار، ہم میں سب سے زیادہ پاکیزہ اور رائے کے لحاظ سے سب سے بہتر ہے۔ سعد رضی اللہ عنہ نے کہا: مجھ پر تمھارے مردوں اور عورتوں سے بات چیت کرنا اس وقت تک حرام ہے جب تک تم اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان نہ لے آؤ۔ [2]

[1] السيرة النبوية لابن هشام: 44/3. [2] السيرة النبوية لابن هشام: 45/3.

لوگوں نے کہا: اللہ کی قسم! ہم اپنے سردار کی بات سے انحراف نہیں کریں گے۔ شام تک بنو اشہل کے ہر گھر میں بہت سی عورتیں اور مرد مسلمان ہو گئے۔ اب سعد اور مصعب رضی اللہ عنہ، اسعد بن زرارہ رضی اللہ عنہ کے گھر گئے اور ان کے ہاں ٹھہرے۔ مصعب رضی اللہ عنہ اسلام کی طرف دعوت دیتے اور سعد، اُسید بن حضیر اور اسعد بن زرارہ رضی اللہ عنہم ان کی پشت پناہی کرتے اور حوصلہ دیتے۔ حتی کہ انصار کے گھروں میں کوئی گھر ایسا نہ رہا جس میں مرد اور عورتیں مسلمان نہ ہو گئی ہوں۔

مصعب رضی اللہ عنہ اپنی مہم میں کامیاب ٹھہرے اور انصار نے اللہ کے داعی کی دعوت کو قبول کر لیا۔ اب مومن روحیں اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھنے کی آرزو کرنے لگیں اور اس مبارک خطے مکہ کی طرف دیکھنے لگیں جس کا چناؤ اللہ تعالیٰ نے کیا تاکہ یہ ہدایت کا مرکز اور نور کا منارہ بنے جہاں سے اسلام کے نور کی کرنیں زمین کے کونے کونے تک پھیل جائیں۔

حج کے ایام میں اہلِ ایمان کا قافلہ اپنے محبوب آقا کی زیارت کے لیے مدینہ سے مکہ کی طرف گامزن ہوا۔ اس کی تعداد ستر آدمیوں سے تجاوز کر رہی تھی۔ مومن عورتیں بھی پیچھے نہ رہیں۔ انھوں نے اپنی تین عورتیں بھیجیں تاکہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک باتیں سنیں اور واپس آ کر بیان کریں۔ اس قافلے کے لیے نسیبہ بنت کعب، ام عمارہ اور اسماء بنت عمرو بن عدی منتخب ہوئیں۔ قافلے کے چلنے کی دلکش آواز راستے کی وحشت کو دور اور آواز کے ساتھ صحرا کی خاموشی کو توڑ رہی تھی۔ وہ اسی قافلے کے شہسوار تھے جنھوں نے آنے والے وقت میں قیصر و کسریٰ کے بام و در پر لرزہ طاری کر دیا تھا۔

اللہ اکبر، اللہ اکبر۔

قافلہ مکہ پہنچ گیا۔ مصعب رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور رسول اللہ ﷺ کو انصار کے جوق در جوق اسلام قبول کرنے کی خوشخبری سنائی۔ رسول اللہ ﷺ مصعب رضی اللہ عنہ کی ان حوصلہ افزا باتوں سے بہت خوش ہوئے۔

مصعب رضی اللہ عنہ کی والدہ کو ان کی آمد کی خبر پہنچی، وہ صبر نہ کر سکی، بیٹے کی طرف پیغام بھیجا: اے نافرمان! تو اس شہر میں آیا ہے جس میں میں رہتی ہوں کیا تو سب سے پہلے مجھے نہیں ملے گا؟[1]

مصعب رضی اللہ عنہ اپنی ماں کے نافرمان نہیں تھے، وہ اپنے دین میں نیکوکار اور اللہ کے راستے میں اپنی جان فدا کرنے والے شخص تھے۔

انھوں نے اپنی ماں کے قاصد کو جواب دیا کہ وہ رسول اللہ ﷺ سے پہلے کسی سے بھی ملنے کا ارادہ نہیں رکھتے۔ مصعب رضی اللہ عنہ اپنی اس مہم میں کامیاب و کامران ہو کر لوٹے جس مہم پر انھیں اللہ کے رسول ﷺ نے روانہ کیا تھا۔ انھوں نے مدینہ سے آئے ہوئے اس قافلے کو اللہ کے رسول ﷺ کے پاس چھوڑا، پھر اپنی ماں سے ملنے کے لیے چلے گئے۔

مصعب رضی اللہ عنہ اپنی ماں کے گھر داخل ہوئے۔ جونہی ماں کی نظر مصعب رضی اللہ عنہ پر پڑی، وہ فوراً بولی: یقیناً تو نے اب تک بے دینی میں بڑی ترقی کی ہے؟ مصعب رضی اللہ عنہ نے کہا: اے ماں! میں تو رسول اللہ ﷺ کے دین پر ہوں۔ ماں! اسلام وہ دین ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ اور اپنی مخلوق کے لیے پسند فرمایا ہے۔ ماں نے پوچھا: ایک دفعہ ارضِ حبشہ اور دوسری دفعہ مدینہ جانے کے اسباب کیا تھے؟ مصعب رضی اللہ عنہ نے کہا:

[1] الطبقات لابن سعد: 3/118.

اے ماں! میں نے صرف اپنے دین کو بچانے کے لیے ہجرت کی تاکہ کسی آزمائش میں مبتلا نہ ہو جاؤں۔

ماں نے انھیں حسب سابق روکنے اور قید میں ڈالنے کا ارادہ کیا۔ انھوں نے کہا کہ اگر آپ نے مجھے قید کیا تو میں ہر اس شخص کو بلا تامل ہلاک کر دوں گا جو بھی میرے سامنے آئے گا۔ ماں کہنے لگی: جاؤ اپنا کام کرو، پھر وہ رونے لگی۔ [1]

مصعب رضی اللہ عنہ نے کہا: اے ماں! میں تیرا خیر خواہ ہوں تجھ پر شفقت کرنے والا ہوں، تو کلمہ «لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَ رَسُوْلُهُ» پڑھ لے۔ ماں نے کہا: مجھے روشن ستاروں کی قسم! میں تیرے دین میں داخل نہیں ہوں گی۔ میری عقل اور رائے کو کمزور سمجھا جائے گا لیکن میں تجھے اور تیرے دین کو چھوڑتی ہوں اور میں اپنے ہی دین پر قائم رہوں گی۔ [2]

مصعب رضی اللہ عنہ مکہ میں چند مہینے رہے۔ جب اللہ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو ہجرت کی اجازت دی تو آپ رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے استقبال کے لیے مدینہ روانہ ہو گئے۔

مدینہ میں ہر طرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کا چرچا ہو رہا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ پہنچ کر مؤاخات کا نظام قائم کیا۔ مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ اور ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے درمیان بھائی چارہ قائم کر دیا۔ یہ وہی ابو ایوب ہیں جن کے گھر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اقامت اختیار کی تھی۔

ابو ایوب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس تشریف لائے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے گھر کے نچلے حصے میں سکونت اختیار کی۔ میں اور ام ایوب اوپر

[1] الطبقات لابن سعد: 118/3. [2] الطبقات الكبرىٰ لابن سعد: 119/3.

والی منزل میں تھے۔ میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں، میں پسند نہیں کرتا کہ میں آپ (ﷺ) کے اوپر والی منزل میں رہوں اور آپ میرے نیچے والی منزل میں رہیں۔ آپ اوپر والی منزل پر تشریف لے جائیں اور ہم نیچے آ جاتے ہیں۔

آپ ﷺ نے فرمایا: ''اے ابوایوب! ہم پر اور ہمارے پاس آنے جانے والوں پر شفقت کرو، مجھے گھر کے نچلے حصے ہی میں رہنے دو۔''[1] ابوایوب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں نے آپ ﷺ سے زیادہ اصرار نہیں کیا۔ رسول اللہ ﷺ نیچے والے حصے ہی میں رہنے لگے اور ہم اپنے گھر کے دوسرے پورشن میں شفٹ ہو گئے۔

ایک دفعہ ہمارا پانی سے بھرا ہوا برتن ٹوٹ گیا۔ ہمارے پاس صرف ایک چادر تھی کوئی لحاف نہیں تھا۔ اسے ہم نے پانی پر پھینک دیا اور پانی خشک کرنے لگے تاکہ پانی کے قطرے رسول اللہ ﷺ پر نہ گرنے پائیں اور آپ ﷺ زحمت سے بچ جائیں۔[2]

ابوایوب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ''ہم آپ (ﷺ) کے لیے شام کا کھانا تیار کر کے آپ کی طرف بھیجتے۔ جب آپ (ﷺ) اپنا بچا ہوا کھانا واپس کرتے تو میں اور ام ایوب اس جگہ سے کھاتے جہاں آپ کے ہاتھ مبارک لگے ہوتے۔ ہم اس کھانے سے برکت تلاش کرتے تھے۔

غزوۂ بدر میں مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ مسلمانوں کے علَم بردار تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اسلام کے لشکر کو فتح عطا کی اور ان کی فرشتوں کے ذریعے مدد فرمائی۔

غزوۂ احد میں اسلامی لشکر کا پرچم علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں تھا، جب

[1] البدایة والنهایة: 3/199۔ [2] البدایة والنهایة: 3/200۔

رسول اللہ ﷺ نے مشرکوں کا جھنڈا عبدالدار کے پاس دیکھا تو آپ ﷺ نے فرمایا: ”ہم ان سے وفا کے زیادہ حق دار ہیں۔“ پھر آپ ﷺ نے علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے جھنڈا لے کر مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کو دے دیا۔ مصعب رضی اللہ عنہ بڑی بہادری سے لڑے اور شہید ہو گئے۔ [1]

ام عمارہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ میں غزوۂ احد کے لیے دن کے آغاز ہی میں نکلی تا کہ میں دیکھوں کہ لوگ کیا کر رہے ہیں۔ میرے پاس پانی کا ایک مشکیزہ تھا جو میں نے زخمیوں کو پانی پلانے کے لیے اپنے پاس رکھا ہوا تھا۔ میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پہنچی، آپ ﷺ اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم کے ساتھ تشریف فرما تھے۔ معرکہ شروع ہوا تو ابتدا میں مسلمانوں کو غلبہ حاصل تھا لیکن بعد میں شکست کے آثار نمایاں ہونے لگے۔

جب میں نے دیکھا کہ لوگ رسول اللہ ﷺ سے دور ہٹ گئے ہیں تو میں آپ ﷺ کا دفاع کرنے لگی اور دشمن کے مقابلے میں ڈٹ گئی۔ میں تیر پھینک رہی تھی کہ اچانک ابن قمۂ، اللہ اسے ذلیل و خوار کرے، آگے بڑھا اور کہنے لگا: مجھے محمد ﷺ کا پتہ بتاؤ، وہ کدھر ہیں؟ اگر آج وہ بچ گئے تو میری کوئی کامیابی نہیں۔ اس وقت میں، مصعب بن عمیر اور چند لوگ رسول اللہ ﷺ کے دفاع میں ثابت قدمی سے کھڑے تھے اور دشمن کا مقابلہ کر رہے تھے۔ ابن قمۂ نے مجھ پر بھرپور وار کیا، میں نے ہر ممکن اپنا بچاؤ کیا، پھر بھی میرے کندھے پر گہرا زخم آ گیا۔ میں نے بھی اس پر کئی وار کیے لیکن اس اللہ کے دشمن نے دو زرہیں پہن رکھی تھیں۔ [2]

اے ام عمارہ رضی اللہ عنہا! تو بہت عظیم خاتون ہے۔ تجھ پر قیامت تک فخر کیا جائے گا۔ جب

---

[1] البداية والنهاية:3/200. [2] البداية والنهاية:3/34.

گھمسان کی اس جنگ میں بڑے بڑے مرد بھاگ گئے اور بڑے بڑے شہسواروں کے پاؤں اکھڑ گئے، تُو نے اس وقت رسول اللہ ﷺ کا دفاع کیا۔ یہ کوئی عجیب بات نہیں ہے۔ دل جب ایمان کے نور سے منور ہو جائے تو اس کے سامنے شر کی تمام قوتیں حقیر اور نا قابل توجہ ہو جاتی ہیں۔ وہ اس کو خوفزدہ نہیں کر سکتیں۔ اس کی آنکھوں میں دنیا بالکل حقیر اور نا قابلِ توجہ ہو جاتی ہے۔ اور عزم مصمم ہو جاتا ہے، اسے اللہ کے سوا کسی کا ڈر نہیں رہتا، وہ صرف اسی کی سزا سے ڈرتا ہے۔ جس کے اندر یہ صفات جمع ہو جائیں بھلا وہ قتل سے ڈر سکتا ہے؟ یقیناً شہادت تو ایمان والوں کی تمنا ہوتی ہے۔ پھر وہ جسم کیسے خوفزدہ ہو سکتا ہے جس پر اللہ کے راستے میں زخم آئے ہوں۔ اس جسم کی کون برابری کر سکتا ہے۔ غزوۂ احد میں 70 صحابہ شہادت کے رتبے پر فائز ہوئے۔

مشرکین نے بڑی درندگی کا مظاہرہ کیا۔ بعض مفسرین کا کہنا ہے کہ معرکہ ختم ہونے کے بعد جب مسلمانوں نے اپنے مقتولین کو دیکھا تو بڑا دردناک منظر نظر آیا، مشرکین نے ان مقتولین کے پیٹ پھاڑ دیے، ذکر کاٹ دیے اور بری طرح مثلہ کر دیا تھا، صحابہ یہ وحشیانہ منظر دیکھتے ہی کہنے لگے کہ اگر اللہ ہمیں ان پر کامیابی دے تو ہم ان کا ایسا مثلہ کریں گے کہ ایسا مثلہ کسی نے کبھی نہ کیا ہوگا۔

رسول اللہ ﷺ اپنے چچا حمزہ رضی اللہ عنہ کی نعش دیدۂ تر سے دیکھتے رہے۔ کفار نے ان کا ناک، کان کاٹ ڈالے، ان کا ذکر کاٹ ڈالا۔ ان کا پیٹ چاک کر دیا حتی کہ پوری نعش کا مثلہ کر دیا تھا۔ شقی القلب ہند بنت عتبہ نے ان کے جگر کا ایک ٹکڑا لیا، اسے چبایا، پھر نگلا تا کہ اسے کھا جائے، وہ ٹکڑا اس کے پیٹ میں نہ ٹھہر سکا حتی کہ اس نے اسے پھینک دیا۔

جب رسول اللہ ﷺ نے حمزہ رضی اللہ عنہ کی نعش کو دیکھا تو یہ بڑا دلدوز اور روح فرسا منظر تھا جو اس سے پہلے آپ نے کبھی نہ دیکھا تھا۔ آپ ﷺ پریشان ہو گئے اور آپ کو انتہائی شدید صدمہ ہوا۔ فرمایا: ''اے حمزہ! اللہ تجھ پر رحم کرے جہاں تک میں جانتا ہوں تو صلہ رحمی اور بہت زیادہ نیکی کرنے والا انسان تھا۔ اگر تیرے وارث تجھ پر غمزدہ نہ ہوں تو تجھے اسی حالت پر چھوڑ دینا مجھے اچھا لگتا ہے تاکہ تیرا حشر مختلف (چرند پرند) کے بطنوں سے ہو۔ خبردار! اگر اللہ نے مجھے ان پر کامیابی دی تو میں یقیناً تیرے بدلے میں ان کے ستر آدمیوں کا مثلہ کروں گا۔'' اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے قرآن کی یہ آیت نازل فرما دی:

﴿وَإِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوا بِمِثْلِ مَا عُوقِبْتُم بِهِ ۖ وَلَئِن صَبَرْتُمْ لَهُوَ خَيْرٌ لِّلصَّابِرِينَ ۝﴾

''اگر تم بدلہ لو تو اتنا ہی بدلہ لو جتنی تمھیں تکلیف پہنچی ہو، اور اگر تم صبر کرو تو وہ صبر کرنے والوں کے لیے بہت بہتر ہے۔'' [1]

نبی ﷺ نے فرمایا: ''کیوں نہیں! ہم تو صبر ہی کریں گے۔'' آپ ﷺ اپنے ارادے سے رُک گئے اور اپنی قسم کا کفارہ ادا کیا۔ [2] مسلمان مدینہ کی طرف پلٹ آئے مگر ان کے ساتھ علم بردار واپس نہیں آیا، مصعب الخیر رضی اللہ عنہ شہادت کے اس راستے سے واپس نہیں پلٹے جس پر دیگر مجاہدینِ اسلام بھی گامزن ہونا چاہتے تھے۔

یقیناً وہ ایسے راستے پر چل نکلے تھے جو ہمیشہ کی کامیابی والا راستہ تھا اور اسی راستے نے انھیں شہادت کے رتبے پر فائز کر دیا تھا۔ وہ اپنے رب کے ہاں زندگی کا شرف

[1] النحل 16:126. [2] أسباب النزول القرآن للواحدي، ص: 292.

پا گئے تھے۔ رسول اللہ ﷺ مصعب رضی اللہ عنہ کی میت کے پاس کھڑے ہوئے، ان کے چہرے پر جھکے، پھر آپ ﷺ نے یہ آیت تلاوت فرمائی:

﴿مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ ۚ فَمِنْهُمْ مَّنْ قَضٰى نَحْبَهٗ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّنْتَظِرُ ۖ وَمَا بَدَّلُوْا تَبْدِيْلًا ۝﴾

''ایمان والوں میں سے کچھ وہ لوگ بھی ہیں جنھوں نے اللہ سے جو عہد کیا تھا وہ سچ کر دکھایا، چنانچہ ان میں سے بعض نے اپنا عہد پورا کیا (شہادت پا گئے)، اور ان میں سے بعض منتظر ہیں، اور انھوں نے (عہد میں) کوئی تبدیلی نہیں کی۔''[1]

پھر آپ ﷺ نے لوگوں سے مخاطب ہو کر فرمایا: ''اے لوگو! ان کی زیارت کرو، ان کے پاس آؤ اور انھیں سلام کہو۔ مجھے اس ذات کی قسم ہے جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! جو بھی ان پر سلام کہے گا، قیامت کے دن وہ اس کا جواب دیں گے۔''[2]

خباب بن ارت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ہم نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ اللہ کے راستے میں ہجرت کی۔ ہم اللہ کے چہرے کی تلاش میں تھے۔ اور ہمارا اجر بھی اللہ ہی کے ذمے ہے۔ ہم میں سے کچھ اس دنیا سے رخصت ہو گئے، انھوں نے اپنی مزدوری سے (دنیا میں) کچھ نہیں لیا، ان میں سے ایک مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ بھی ہیں۔

مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ جب اُحد کے دن شہید ہوئے تو ان کو کفن دینے کے لیے ایک چادر کے علاوہ کچھ نہ تھا۔ اس چادر کو جب ہم ان کے سر پر رکھتے تو ان کے پاؤں ننگے ہو جاتے اور اگر پاؤں پر رکھتے تو سر ننگا ہو جاتا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں حکم دیا: ''اس چادر سے اس کا سر ڈھانپ دو اور پاؤں پر گھاس رکھ دو۔ ہم میں

[1] الأحزاب 23:33. [2] الطبقات لابن سعد: 121/3.

سے بعض ایسے بھی ہیں جن کے لیے پھل پک چکا ہے اور وہ اسے چن رہے ہیں۔''[1]

اے مصعب! اللہ آپ پر رحم فرمائے اور آپ رضی اللہ عنہ کو جنت الفردوس میں جگہ عطا فرمائے...... مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کی بیوی احد سے واپس آنے والوں سے ملتی اور ان سے احد کے شہداء کے متعلق پوچھتی تھی۔ اس کے بھائی عبداللہ بن جحش کی شہادت کی خبر دی گئی تو اس نے اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ پڑھا اور اس کے لیے دعائے مغفرت کی۔ پھر ان کے ماموں حمزہ بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کی شہادت کی اطلاع دی تو اس نے اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ پڑھا اور ان کے لیے دعائے مغفرت کی۔ پھر اسے بتایا گیا کہ تیرے خاوند مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ بھی دنیا سے کوچ کر گئے ہیں تو وہ چیخی اور چلائی۔ اس موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''بلاشبہ عورت کے خاوند کا اس کے ہاں ایک مرتبہ ہوتا ہے۔''[2] کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا کہ وہ اپنے بھائی اور ماموں کی شہادت کی خبر پر ثابت قدم رہی لیکن خاوند کی شہادت کی خبر پر اس نے چیخنا شروع کر دیا۔ یقیناً مصعب بن عمیر، حمزہ بن عبدالمطلب اور عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہم دعوت اسلامیہ کی تاریخ کے یگانہ مردوں میں سے ہیں، کس قدر شان و منزلت والے ہیں یہ لوگ کہ رونے والیاں ان پر روئیں اور مسلمان ان کے لیے اللہ سے مغفرت طلب کریں اور باپ اپنے بیٹوں کو ان کی بہادری کے واقعات سنائیں۔ (ان پر اللہ کی رحمت اور رضا مندی ہو۔)

[1] الطبقات لابن سعد: 121/3۔ [2] البدایة والنهایة: 46/4.



آیات کے شانِ نزول کے اسباب

احد کے دن اسلامی لشکر کا جھنڈا مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں تھا، جب مسلمان شکست کھا کر بھاگنے لگے تو یہ ثابت قدمی سے لڑے اور ڈٹے رہے۔ ابن قمۂ اپنی سواری کو دوڑاتا ہوا آگے بڑھا، اس نے ان کے ہاتھ پر تلوار کا زور دار وار کر کے ان کا ہاتھ کاٹ دیا۔ اس وقت مصعب رضی اللہ عنہ قرآن کی یہ آیت تلاوت کر رہے تھے:

﴿وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ﴾

''اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ایک رسول ہی تو ہیں۔ ان سے پہلے بہت سے رسول گزر چکے ہیں۔''[1]

پھر انھوں نے جھنڈا بائیں ہاتھ میں پکڑ لیا، ابن قمۂ واپس آیا، اس نے دوسرے ہاتھ پر بھی زور دار وار کیا۔ وہ ہاتھ بھی کٹ گیا تو انھوں نے اپنے کٹے ہوئے بازوؤں سے جھنڈے کو سمیٹ کر اپنے سینے سے لگا لیا، ان کے لبوں پر قرآن کی یہ آیت مسلسل جاری تھی:

﴿وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ﴾

[1] آل عمران 3:144.

پھر اس نے مصعب رضی اللہ عنہ پر نیزے کا وار کیا جو ان کے جسم کو چیرتا ہوا پار نکل گیا۔ نیزہ ٹوٹ گیا، مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ شہید ہو گئے اور جھنڈا گر گیا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”جب تمھارے بھائی احد میں شہید ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے ان کی روحوں کو سبز پرندوں کے پیٹوں میں ڈال دیا جو جنت کی نہروں پر آتے جاتے ہیں اور اس کے پھل کھاتے ہیں اور سونے کی ان قندیلوں میں آرام کرتے ہیں جو عرش کے سائے میں لٹکی ہوئی ہیں۔ جب انھوں نے اپنے کھانے، پینے اور آرام وراحت کا بہترین انتظام پایا تو وہ کہنے لگے: کون ہے جو ہمارے متعلق ہمارے بھائیوں کو بتائے کہ ہمیں جنت میں رزق دیا جاتا ہے تاکہ وہ جہاد سے بے رغبتی اختیار نہ کریں اور جنگ میں بزدلی نہ دکھائیں؟“

اللہ عزوجل نے فرمایا: میں تمھاری طرف سے دنیا والوں کو یہ بات پہنچا دیتا ہوں چنانچہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کی یہ آیت نازل فرما دی:

﴿وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا ۭ بَلْ اَحْيَاۗءٌ عِنْدَ رَبِّھِمْ يُرْزَقُوْنَ﴾

”ان لوگوں کو مردہ خیال نہ کرو، جو اللہ کے راستے میں مارے گئے ہیں بلکہ وہ زندہ ہیں، انھیں ان کے رب کے ہاں رزق دیا جاتا ہے۔“[1]

طلحہ ابن خراش سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں کہ میں نے جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے سنا وہ کہتے ہیں کہ میں اپنے والد کے دنیا سے چلے جانے کی وجہ سے پریشان تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر مجھ پر پڑی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرمانے لگے: ”جابر! تم پریشان سے نظر آتے ہو، کیا وجہ ہے؟“ میں نے کہا: یا رسول اللہ! میرے باپ شہید ہو گئے ہیں

[1] آل عمران 3:169۔

اور اپنے پیچھے بہت سارا قرض اور عیال چھوڑ گئے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اے جابر! اللہ نے جب بھی کسی سے کلام کیا تو پردے کے پیچھے سے کیا لیکن تیرے باپ سے اللہ نے آمنے سامنے گفتگو کی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے میرے بندے! مجھ سے مانگ تاکہ میں تجھے دوں۔ اس نے کہا: میں تجھ سے سوال کرتا ہوں کہ تو مجھے دوبارہ دنیا میں لوٹا دے میں تیرے راستے میں دوبارہ قتل کیا جاؤں تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: یہ فیصلہ تقدیر میں لکھا جاچکا ہے، لہٰذا دوبارہ اس طرح نہیں لوٹائے جاؤ گے۔

اس نے کہا: اے پروردگار! میرے پچھلوں کو یہ بات پہنچا دے تو اللہ تعالیٰ نے قرآن کی یہ آیت نازل فرمادی:

﴿وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا ۭ بَلْ اَحْيَاۗءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ﴾

''ان لوگوں کو مردہ خیال نہ کرو جو اللہ کے راستے میں مارے گئے ہیں بلکہ وہ زندہ ہیں، انھیں ان کے رب کے ہاں رزق دیا جاتا ہے۔''[1]

سیدنا سعید بن جبیر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے، وہ فرماتے ہیں کہ جب اُحد کے دن حمزہ بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ اور مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ شہید ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے انھیں بہت سی خیر اور بھلائیاں عطا فرمائیں، وہ کہنے لگے: کاش! ہماری اس ناز و نعمت والی زندگی اور ان بھلائیوں کا علم ہمارے بھائیوں کو بھی ہو جائے تاکہ وہ جہاد میں اور زیادہ رغبت کرنے لگیں۔ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: میں تمھاری طرف سے انھیں یہ پیغام پہنچاتا ہوں، پھر اللہ تعالیٰ نے قرآن کی یہ آیت نازل فرمادی:

[1] آل عمران 3:169.

﴿ وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا ۭ بَلْ اَحْيَاۗءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ ○ فَرِحِيْنَ بِمَآ اٰتٰىھُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ۙ وَيَسْتَبْشِرُوْنَ بِالَّذِيْنَ لَمْ يَلْحَقُوْا بِهِمْ مِّنْ خَلْفِھِمْ ۙ اَلَّا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا ھُمْ يَحْزَنُوْنَ ○ يَسْتَبْشِرُوْنَ بِنِعْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَفَضْلٍ ۙ وَّاَنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ ○ ﴾

''ان لوگوں کو مردہ خیال نہ کرو جو اللہ کے راستے میں مارے گئے ہیں بلکہ وہ زندہ ہیں، انھیں ان کے رب کے ہاں رزق دیا جاتا ہے۔ جو کچھ اللہ نے اپنے فضل سے انھیں دیا اس پر وہ خوش ہیں اور ان (مومنوں) کے بارے میں بھی خوشی محسوس کرتے ہیں جو ابھی تک ان سے نہیں ملے اور ان کے پیچھے (دنیا میں) رہ گئے ہیں کہ انھیں نہ کوئی خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔ وہ اللہ کی نعمت اور اس کا فضل عطا ہونے پر خوشی محسوس کرتے ہیں۔ اور بے شک اللہ مومنوں کا اجر ضائع نہیں کرتا۔''[1]

[1] آل عمران 3: 169-171.



تتمّہ

جن لوگوں نے رسول اللہ ﷺ کی دعوت کو قبول کیا اور آپ کی اتباع و اطاعت پر کمر بستہ ہو گئے آپ ﷺ ان لوگوں کے لیے کیا کرتے تھے؟ آپ ﷺ کے عطا کردہ وہ کون سے عطیات تھے جو اِن کی نظر میں ان کے والدین، بھائیوں، بہنوں، بیٹوں اور پوتوں سے بھی زیادہ عزیز تھے؟ کیا آپ ﷺ انھیں مال و دولت، شہرت یا کسی بڑے عہدے کا لالچ دیتے تھے؟ ہرگز نہیں، یہاں تو معاملہ ہی الٹ تھا یہ لوگ تو رسول اللہ ﷺ کی خاطر مال و دولت اور اپنی شاہانہ زندگی قربان کر کے سخت بھوک پیاس اور آشوب و آزمائش کی زندگی اختیار کر رہے تھے۔ یہ ایمان کے متوالے مشرکوں کا عذاب جھیل رہے تھے، تپتے ہوئے صحراؤں میں گھسیٹے جاتے تھے، نیزوں کی ضرب سے مارے جاتے تھے اور زنجیروں میں جکڑ دیے جاتے تھے مگر کلمۂ توحید بلند کرنے سے باز نہ آتے تھے۔ آخر یہ کیا ماجرا تھا؟

حقیقت یہ ہے کہ محمد ﷺ دنیاوی ساز و سامان کی کسی چیز کے بھی مالک نہ تھے، نہ آپ ﷺ ان کو کسی لمبی چوڑی سلطنت یا بلند عہدے کا لالچ دیتے تھے۔

آپ ﷺ کی دعوت کلمۂ شہادت اور آیاتِ قرآنیہ پر مشتمل ہوتی تھی۔ جب بھی

اللہ تعالیٰ کا حکم ہوتا، جبرائیل علیہ السلام قرآن کی آیات لے کر آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ لوگوں کے سامنے قرآن کی ان آیات کی تلاوت فرماتے جو ان کے ایمان میں اضافہ کر دیتیں اور وہ اپنے عقیدے میں اور زیادہ مضبوط ہو جاتے تھے۔ یہی وہ چیز تھی جس نے ان کی زندگیوں کا معیار بدل ڈالا اور دنیا کی تنگیوں سے وسعتوں کی طرف اور جہالت کے اندھیروں سے نورِ ایمان کی طرف ان کی راہنمائی کی۔ یہی وہ چیز تھی جس نے ان میں سے ہر ایک کو ماضی سے جدا کر کے نئے ایمانی انسان کی طرف پھیر دیا۔ اگر وہ خاندان اور اولاد والے ہوتے تو وہ اپنے اہل و عیال کو بھی قرآن کی آیات بینات سناتے تھے۔ اگر وہ اسے قبول کر لیتے تو بھی اپنے بزرگوں کے ساتھ ایمان کے پرمشقت لمبے سفر میں شریک ہو جاتے۔ اور اگر وہ اسے قبول کرنے سے انکار کر دیتے تو پھر ان کے اور ان کے پیاروں کے درمیان دیوار حائل ہو جاتی۔ ایسی دیوار جسے صرف ان کا کلمۂ توحید پڑھنا اور محمد ﷺ کی لائی ہوئی ہدایت ہی ہٹا سکتی تھی۔ مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ ان یگانہ آدمیوں میں سے ایک تھے جو قرآن پاک کی آیات کان لگا کر سنتے تھے اور پھر ان کی وسیع پیمانے پر تبلیغ و اشاعت کرتے تھے۔

مصعب رضی اللہ عنہ بھی ایک نئے اور بدلے ہوئے انسان کے روپ میں سامنے آئے انھوں نے بھی مال و دولت اور شاہانہ زندگی چھوڑ کر اپنے آپ کو غربت و افلاس کی زندگی کا عادی بنا لیا۔ جب تک ان کی نظر مال و دولت پر رہی یہ دین کی دولت حاصل نہ کر سکے مگر جب دین کی دولت مل گئی تو مال و دولت اور جاہ و حشمت کو ٹھکرا کر وہ دین کے داعی بن گئے کیونکہ انھوں نے اپنے دل اور اپنی خواہشات پر اپنی عقل اور دین کو

ترجیح دی تھی۔

مصعب رضی اللہ عنہ بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مدرسہ میں داخل ہو گئے .... اور اپنے معلم محترم سے دین سمجھنے لگے۔ بلاشبہ یہ محمدی مدرسہ اپنے پروگرام اور منہج کے اعتبار سے یکتا تھا جس میں قرآن کی تعلیم اور اسلام کی بنیادی تعلیمات سے لوگوں کو آگاہ کیا جاتا تھا۔ یہ مدرسہ مختصر سے عرصے میں ایسے تجربہ کار افراد تیار کرنے لگا جو دین اور زندگی کے ہمہ قسم کے علوم کے ماہر تھے۔

اس مدرسے سے ایسی قیادت کرنے والے لوگ نکلے جو اپنی جنگی مہارتوں اور عسکری فنون کی وجہ سے دنیا پر غالب آ گئے۔

اس مدرسے نے ایسے جانباز تیار کیے جنھوں نے روم و فارس کی فوجوں کو اپنے سامنے گھٹنے ٹیکنے پر مجبور کر دیا۔ ان کے سردار اور سپہ سالار اپنی آنکھوں سے دیکھتے تھے کہ مسلمانوں کے عام فوجی سے لے کر بڑے سے بڑے عہدے والے افسر تک کسی قسم کا کوئی فرق نہیں ہے، وہ ایک ہی لڑی میں پروئے ہوئے موتی ہیں، ان میں ہر ایک اپنے رب کی رضا کے لیے اور اپنے دین کی سربلندی کے لیے اپنی جان کی پروا کیے بغیر لڑ رہا ہے، تو وہ ان فدایانِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکے۔ اسلام کی تاریخ ایسے بے شمار واقعات سے بھری پڑی ہے۔

جنگ یرموک میں ایک رومی جرنیل نے خالد بن ولید رضی اللہ عنہ سے کہا:

”اے خالد! مجھ سے سچ بولنا، جھوٹی بات نہ کرنا۔ کیا تمھارے نبی پر آسمان سے کوئی تلوار نازل ہوئی ہے جو انھوں نے تمھیں دے دی ہے اور تم اس سے ہر حریف کو شکست سے دوچار کر دیتے ہو؟“

خالد رضی اللہ عنہ نے کہا: نہیں۔

ایک آدمی نے پوچھا: ''پھر آپ کا نام سیف اللہ کیوں رکھا گیا؟''

خالد رضی اللہ عنہ نے کہا: بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے ہم میں سے ایک رسول ﷺ بھیجا، ہم میں سے بعض نے اس کی تصدیق کی اور بعض نے اسے جھٹلا دیا۔ میں بھی اسے جھٹلانے والوں میں شامل تھا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ہمارے دلوں کو اسلام کی طرف پھیر دیا اور اپنے رسول ﷺ کے ذریعے ہمیں ہدایت عطا فرمائی۔ ہم نے رسول اللہ ﷺ کی بیعت کر لی۔ ایک دن مجھے رسول اللہ ﷺ نے بلایا اور فرمانے لگے:

''تو اللہ کی تلواروں میں سے ایک تلوار ہے۔''

چنانچہ میرا نام سیف اللہ پڑ گیا، یہ لقب مجھے رسول اللہ ﷺ نے عطا فرمایا تھا۔

رومی جرنیل: تم کس چیز کی دعوت دیتے ہو؟

خالد رضی اللہ عنہ: ہم لوگوں کو اللہ کی توحید اور دین اسلام کی دعوت دیتے ہیں۔

رومی جرنیل: اگر آج کوئی دائرہ اسلام میں داخل ہو جائے تو کیا اسے تمھاری طرح کا اجر و ثواب مل سکتا ہے؟

خالد رضی اللہ عنہ: ہاں، بلکہ وہ اس سے بھی بہتر ثواب کا حق دار بن سکتا ہے۔

رومی جرنیل: وہ کیسے؟ جبکہ تم اس سے سبقت لے گئے ہو؟

خالد رضی اللہ عنہ: یقیناً ہم نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ زندگی گزاری ہے۔ ہم نے ان کی نشانیاں اور معجزات دیکھے ہیں اور جس شخص نے آپ ﷺ کے معجزات اور نشانیوں کو دیکھا ہے وہ بڑی آسانی سے اسلام قبول کر سکتا ہے۔ لیکن تم نے تو اللہ کے پیارے

رسول ﷺ کو دیکھا ہی نہیں، نہ ان کے ارشادات سنے ہیں، نہ آپ ﷺ کے معجزات کا مشاہدہ کیا ہے۔تم تو بر بنائے غیب ایمان لاؤ گے۔جب تم اپنی خلوت وجلوت میں اللہ کی وحدانیت اور اس کے دین کو عملاً سچ ثابت کردکھاؤ گے تو تمھیں نہایت عظیم الشان ثواب ملے گا۔

رومی جرنیل نے فوراً اپنا گھوڑا خالد رضی اللہ عنہ کی طرف بڑھا دیا اور ان کے پاس پہنچ کر کہنے لگا:

''اے خالد! مجھے اسلام کی تعلیمات سے آگاہ کیجیے۔'' وہ مسلمان ہو گیا اور دو رکعت نماز ادا کی۔بس اس کے سوا اس نے کوئی نماز نہیں پڑھی کیونکہ اسے اتنی مہلت ہی نہیں ملی۔

دونوں لشکروں نے نئے سرے سے لڑائی شروع کی۔ یہ رومی سردار (جرجہ) اب مسلمانوں کی طرف سے بڑی بہادری سے لڑا اور لڑتے لڑتے جام شہادت نوش کر گیا یوں وہ کامیابی کا راستہ پا گیا۔

مدرسۂ محمدی سے امور سیاسیات کو سمجھنے والے ایک ایسے گروہ نے بھی سند فراغت حاصل کی جن کے ذمے اداروں کی مضبوطی، ریاست کے بڑے بڑے امور کی تنظیم اور رعایا کے حقوق کا خیال رکھنے کی ذمہ داری تھی۔

نعیم بن مسعود رضی اللہ عنہ زبردست سیاسی شعور کے مالک تھے۔ان کے ذمے مسلمانوں کے تحفظ، خفیہ معاملات اور دشمن کے ساتھ سیاسی حوالے سے معاملات نمٹانے کی ذمہ داری تھی جسے انھوں نے جنگ خندق کے موقع پر بڑے احسن طریقے سے انجام دیا۔

نعیم بن مسعود رضی اللہ عنہ نے اپنے آپ کو رسول اللہ ﷺ کی خدمت کے لیے وقف کر

دیا تھا، وہ آپ ﷺ سے کہنے لگے: اے اللہ کے رسول! مجھے اللہ نے یہ صلاحیت دی ہے کہ میں اپنی ذہانت سے دشمن کو دور رکھ سکتا ہوں اور جنگ تو دھوکے ہی کا نام ہے۔ آپ مجھے اجازت دیجیے۔ رسول اللہ ﷺ نے اجازت دے دی۔ نعیم رضی اللہ عنہ یہاں سے سیدھے بنو قریظہ کی طرف پہنچ گئے اور ان سے کہنے لگے کہ تم ہمارے آپس کے تعلقات اور سلوک سے آگاہ ہو اور خاص طور پر میرا جو سلوک تمھارے ساتھ رہا ہے تم اس سے بھی اچھی طرح واقف ہو۔ انھوں نے کہا: اے نعیم! تم ہمارے نزدیک ایک معتبر اور سچے انسان ہو۔ نعیم رضی اللہ عنہ فرمانے لگے: اے بنو قریظہ! قریش اور غطفان کے قبائل اتحاد کر کے مدینہ پر چڑھ دوڑے ہیں اور تم بھی ان کی مدد پر کمر بستہ ہو چکے ہو، حالانکہ تمھارا اور ان کا معاملہ بالکل مختلف ہے کیونکہ ان کا مال و دولت، بیوی بچے اور ان کا شہر محفوظ ہے۔ وہ تو اپنے مال و دولت اور بیوی بچوں کے پاس چلے جائیں گے مگر تمھیں اور تمھارے بیوی بچوں کو کہیں سر چھپانے کی جگہ بھی نہیں ملے گی۔ لہٰذا تم ان قبائل سے مل کر مسلمانوں کے خلاف مت لڑو۔ اور اگر تم لڑنا ہی چاہتے ہو تو ان قبائل کے سرداروں میں سے ایک گروہ کو گروی رکھ لو۔ تاکہ وہ تمھارے لیے باعث اعتماد ہوں اور تم اس اعتماد کی بنیاد پر ان سے مل کر محمد ﷺ اور ان کے ساتھیوں کا مقابلہ کر سکو۔ انھوں نے کہا: اے نعیم! یقیناً تم نے بہت اچھی رائے دی ہے۔

نعیم رضی اللہ عنہ یہاں سے نکلے اور سیدھے ابوسفیان اور اس کے ساتھیوں کے پاس جا پہنچے اور ان سے کہنے لگے: اے قریش کی جماعت! تم اپنے ساتھ میرے تعلق اور رویے کو اچھی طرح جانتے ہو اور محمد ﷺ سے میری علیحدگی کے بارے میں بھی تمھیں اطلاع مل گئی ہے۔

مجھے ایک بات کی اطلاع ملی ہے۔ میں اپنا فرض سمجھتا ہوں کہ وہ اطلاع بطور نصیحت تمھارے علم میں لے آؤں۔ تم میرا نام صیغہ راز میں رکھنا۔

انھوں نے کہا: ہم ایسا ہی کریں گے۔

نعیم رضی اللہ عنہ کہنے لگے: بنو قریظہ کے یہودی محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ساتھ کیے ہوئے وعدے کو توڑ کر بڑے شرمندہ ہیں۔ انھوں نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف یہ پیغام بھیجا ہے کہ ہم اپنے کیے پر نادم ہیں۔ اگر آپ پسند کرتے ہیں تو ہم ان دو قبیلوں قریش اور غطفان کے سردار پکڑ کر آپ کے حوالے کر دیتے ہیں تا کہ آپ ان کی گردنیں مار دیں اور پھر باقی ماندہ معاملے میں ہم آپ کے ساتھ ہوں گے اور ان کی جڑ کاٹ کے رکھ دیں گے۔ اس بات کے جواب میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی طرف رضا مندی کا پیغام بھیجا ہے۔ اگر یہود تمھیں تمھارے مردوں میں سے کسی کو رہن رکھنے کا پیغام بھیجیں تو ان کی طرف کسی آدمی کو نہ بھیجنا۔

قریش نے بنو قریظہ کی طرف یہ پیغام بھیجا کہ ہم اپنے گھروں سے دور ہیں، ہمارے اونٹ اور گھوڑے مر رہے ہیں، لہٰذا تم صبح لڑائی کا آغاز کرو تا کہ ہم محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سے مقابلہ کر کے اس جنگ سے جلدی فارغ ہو سکیں۔

انھوں نے جواب دیا کہ ہم اس وقت تک محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سے لڑائی کا آغاز نہیں کر سکتے جب تک تم اپنے مردوں میں سے ایک گروہ کو بطور رہن ہمارے حوالے نہ کر دو تا کہ وہ ہمارے لیے باعثِ اعتماد ہوں اور ہم محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سے مقابلہ کر سکیں۔ ہمیں اس بات کا خوف ہے کہ اگر جنگ نے تم پر کوئی مصیبت ڈھا دی اور لڑائی شدت اختیار کر گئی تو تم لوگ ہمیں تنہا چھوڑ کر اپنے اپنے شہروں کی طرف بھاگ جاؤ گے۔ اِدھر

محمد (ﷺ) ہمارے شہر میں رہتے ہیں اور ان سے لڑنے کی ہمارے پاس طاقت نہیں ہے۔ جب قاصد واپس گیا تو قریش نے کہا: ''اللہ کی قسم! وہ بات جو نعیم (رضی اللہ عنہ) نے بتائی تھی وہ سچی نکلی۔''

انھوں نے بنو قریظہ کو پیغام بھیجا: اللہ کی قسم! ہم اپنے آدمیوں میں سے ایک آدمی بھی تمھارے سپرد نہیں کریں گے۔

اِدھر بنو قریظہ نے کہا: ''یقیناً جو بات نعیم (رضی اللہ عنہ) نے ہم سے کہی تھی وہ سچ ہے۔ وہ لوگ تو ہمیں صرف لڑائی کے لیے استعمال کرنا چاہتے ہیں اگر ان کو کوئی موقع مل گیا تو حملہ کر دیں گے اور اگر معاملہ اس کے برعکس ہوا تو اپنے اپنے شہروں کی طرف بھاگ جائیں گے اور محمد (ﷺ) کے لیے راہ صاف کر دیں گے۔''

مدرسۂ نبوت کا ایک شخص ایک لشکر سے زیادہ کام کرنے کی طاقت رکھتا تھا۔ یقیناً اس نے حلیفوں کو پسپائی اختیار کرنے پر مجبور کر دیا، کفار اور اس کے اتحادیوں کے درمیان پھوٹ ڈال دی۔ اور ان کے درمیان ایسی خانہ جنگی پیدا کر دی جس نے ان کی قوت توڑ کر رکھ دی۔ ان کے درمیان عدم اعتماد کی فضا پیدا ہوگئی۔ اور ان میں سے ہر ایک دوسرے سے خوف زدہ ہونے لگے۔

ان کی تدبیریں الٹ گئیں۔ اللہ نے ان کے دلوں میں رعب ڈال دیا اور وہ حیران پریشان ہوکر بکھر گئے۔

اے مدرسۃ القرآن کے لوگو!

اس مدرسہ سے ایسے داعی اور مبلغ بھی نکلے جو اپنے دین کے سفیر اور اپنے رب کی شریعت کے امین تھے۔ وہ حق کی طرف لوگوں کو دعوت دیتے اور اس پر خود بھی عمل

کرتے تھے۔ یہاں تک کہ ان میں سے ہر آدمی مردوں کی ایک بڑی جماعت کے برابر عمل کرتا تھا۔ جب وہ بات کرتے تو لوگ اِن کی باتوں کو بڑے غور سے سنتے تھے اور جب وہ اسلام کی طرف لوگوں کو بلاتے تو بہت سے لوگ ان کی دعوت پر اسلام قبول کر لیتے تھے۔

وہ اپنی زندگی کے تصرفات اور معاملات میں اسلامی اخلاق کا بہترین نمونہ تھے۔ مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ بھی انھی لوگوں سے ایک تھے۔ انھیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے داعی، مبلغ اور اپنا سفیر بنا کر مدینہ کی طرف روانہ کیا تھا۔ ابھی ایک سال بھی نہیں گزرا تھا کہ وہ اس مختصر سے عرصے میں انصار کے گھروں کو نورِ اسلام سے منور کرنے پر قادر ہو گئے۔ ان کی دعوت کو مردوں، عورتوں اور بچوں نے یکساں طور پر قبول کیا۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ تشریف لائے تو وہاں کا ہر فرد اپنے مردوں، عورتوں اور بچوں سمیت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے استقبال میں نکل آیا۔

وہ اللہ اکبر کے نعرے بلند کر رہے تھے اور اپنے محبوب آقا صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ تشریف آوری کی خوشی میں ترانے پڑھ رہے تھے۔

اے مصعب رضی اللہ عنہ! اللہ تجھ پر راضی ہو کہ تو مدینہ کی طرف مہاجر بن کر نکلا اور تو نے اللہ کے دین کی طرف انصار کو دعوت دی۔ اور تو نے اپنی جان کی پروا کیے بغیر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دفاع کیا حتی کہ تو شہادت کے اعلیٰ مرتبے پر فائز ہو گیا۔

اللہ تیری قبر پر شبنم افشانی کرے۔



چھٹی آیت

بسم اللہ الرحمن الرحیم

﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْيَهُوْدَ وَالنَّصٰرٰٓى اَوْلِيَآءَ ۘ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ۭ وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَاِنَّهٗ مِنْهُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۝ فَتَرَى الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ يُّسَارِعُوْنَ فِيْهِمْ يَقُوْلُوْنَ نَخْشٰٓى اَنْ تُصِيْبَنَا دَاۗىِٕرَةٌ ۭ فَعَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّاْتِيَ بِالْفَتْحِ اَوْ اَمْرٍ مِّنْ عِنْدِهٖ فَيُصْبِحُوْا عَلٰي مَآ اَسَرُّوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ نٰدِمِيْنَ ۝ وَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَهٰٓؤُلَاۗءِ الَّذِيْنَ اَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ ۙ اِنَّهُمْ لَمَعَكُمْ ۭ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فَاَصْبَحُوْا خٰسِرِيْنَ ۝ ﴾

’’اے لوگو جو ایمان لائے ہو! یہودیوں اور عیسائیوں کو دوست نہ بناؤ، وہ آپس میں ایک دوسرے کے دوست ہیں، اور تم میں سے جو کوئی ان سے دوستی رکھے گا تو بے شک وہ انھی میں سے ہوگا۔ یقیناً اللہ ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا۔ (اے نبی!) پس آپ ان لوگوں کو دیکھتے ہیں جن کے دلوں میں (منافقت کا) روگ ہے کہ وہ دوڑ کر ان (یہودیوں) میں جاتے ہیں اور (ان سے) کہتے ہیں: ہم ڈرتے ہیں کہ ہمیں کوئی مصیبت (نہ) پہنچے، پھر قریب

ہے کہ اللہ (تمھیں) فتح عطا کرے یا اپنی طرف سے کوئی اور بات ظاہر کرے، تو یہ لوگ (اپنی منافقت پر) پچھتائیں گے جسے وہ اپنے دلوں میں چھپائے ہوئے ہیں۔ اور (اس وقت) وہ لوگ جو ایمان لائے ہیں، کہیں گے: کیا یہی وہ لوگ ہیں جنھوں نے بڑی شدومد سے اللہ کی قسمیں کھائی تھیں کہ بے شک وہ تمھارے ساتھ ہیں؟ ان کے عمل برباد ہوگئے چنانچہ وہ خسارہ اٹھانے والوں میں ہوگئے۔''[1]

[1] المائدة 5:51-53.



نزول آیات کے متعلق علماء کے اقوال

اکثر مفسرین، مؤرخین اور سیرت نگاروں کا قول ہے کہ یہ آیات عبادہ بن صامت اور عبداللہ بن أبی ابن سلول کے بارے میں نازل ہوئیں، دیکھیے:

الدر المنثور:2/291

تفسير الطبري:1/395.

السيرة النبوية لابن هشام، ج:2.

أسباب نزول القرآن للواحدي، ص:191.

عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کون تھے؟ آیئے ان کے بارے میں آگاہی حاصل کرتے ہیں۔



سیدنا عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہما

ہزاروں مردوں کے برابر ایک آدمی

یہ بات عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے اس وقت کہی جب آپ رضی اللہ عنہ نے انھیں مصر کی فتح کے لیے مصر کے محاذ پر سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کی مدد کے لیے بھیجا۔ وہ ایک لمبے تڑنگے، گندمی رنگ والے خوبصورت نوجوان تھے۔ صحرا کی چلچلاتی دھوپ سے ان کا رنگ ماند پڑ گیا تھا۔ یہ جلیل القدر مجاہد عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہما ہیں۔

آپ رضی اللہ عنہ پہلے پہل اسلام قبول کرنے والوں میں سے تھے، بیعت اولیٰ میں بھی موجود تھے۔ آپ رضی اللہ عنہ کا تعلق قبیلہ بنوعوف بن الخزرج انصاری سے تھا۔ جن لوگوں نے مکہ سے آنے والے مہاجرین کو جگہ فراہم کی اور ان کی مال و جان سے مدد کی ان میں عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ بھی شامل تھے۔

ان کے والد صامت بن قیس خزرجی رضی اللہ عنہ تھے اور ان کی والدہ کا نام قرۃ العین بنت عبادۃ رضی اللہ عنہا تھا۔ اوس بن صامت رضی اللہ عنہ ان کے بھائی تھے جن کی زوجہ محترمہ خولہ بنت ثعلبہ رضی اللہ عنہا تھیں۔ ان کے متعلق قرآن کی یہ آیات نازل ہوئیں:

﴿ قَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّتِیْ تُجَادِلُكَ فِیْ زَوْجِهَا وَتَشْتَكِیْۤ اِلَى اللّٰهِ

﴿وَاللّٰهُ يَسْمَعُ تَحَاوُرَكُمَا ۚ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌۢ بَصِيْرٌ ۝﴾

”(اے نبی!) یقیناً اللہ نے اس عورت (خولہ بنت ثعلبہ) کی بات سن لی جو اپنے خاوند (اوس بن صامت) کے متعلق آپ سے جھگڑ رہی تھی اور وہ اللہ کی طرف شکایت کر رہی تھی، اور اللہ تم دونوں کی گفتگو سن رہا تھا، بے شک اللہ خوب سننے والا، خوب دیکھنے والا ہے۔“[1]

جن بارہ آدمیوں نے مکہ جا کر رسول اللہ ﷺ سے بیعتِ اولیٰ کی تھی ان میں سے ایک عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ آپ رضی اللہ عنہ مدینے کے یہودی قبیلے بنوقینقاع کے حلیف تھے، جب انھوں نے آپ رضی اللہ عنہ کی مکہ سے واپسی کا سنا تو وہ وفد کی شکل میں آپ رضی اللہ عنہ کے گھر آئے تاکہ وہ آپ رضی اللہ عنہ سے مکہ کے حالات اور نبی کریم ﷺ کی ان نشانیوں کے متعلق گفتگو کریں جو ان کی کتابوں میں موجود تھیں اور وہ ان میں سے کسی پر بھی مخفی نہ تھیں۔

بنوقینقاع کے ایک مذہبی پیشوا نے عبادہ رضی اللہ عنہ سے کہا کہ آپ ہمارے روبرو اس نبی کے اوصاف اور حلیہ اس طرح بیان کریں جیسے وہ آپ کے سامنے بیٹھے ہوں تاکہ ہم اُن کی اپنی مذہبی کتابوں سے تصدیق کر سکیں۔

عبادہ رضی اللہ عنہ فرمانے لگے: ہم نے اُن ﷺ سے پہلی دفعہ ملاقات کی ہے اور اُن کی محبت ہمارے دلوں میں موجزن ہو گئی ہے۔ جب ہماری نظر ان کے چہرے پر پڑی تو کسی میں بھی اتنی سکت نہ رہی کہ ان کے مبارک چہرے سے اپنی نظر ہٹا سکے۔

ان کے چہرے میں خوبصورتی اور نور تھا، ان کی آنکھوں میں اس قدر چمک تھی جو

[1] المجادلة 1:58.

کسی بھی عقلمند کی عقل پر غالب آسکتی تھی۔ وہ پست قد تھے نہ زیادہ لمبے، وہ درمیانے قد کے خوبصورت انسان تھے۔ سرخ وسفید رنگ اور کالی لمبی زلفیں ان کی خوبصورتی کو اور زیادہ جاذبِ نظر بنا دیتی تھیں۔ ان کے دو کندھوں کے درمیان مہر نبوت ثبت ہے۔ صدقے کا مال قبول نہیں کرتے، تحفہ بخوشی قبول فرماتے ہیں۔ گدھے اور خچر پر بھی بے تکلف سواری کرتے ہیں۔ بکریوں کو دوہتے ہیں۔

یہودیوں نے اپنی گردنیں اٹھائیں اور نہایت توجہ اور انہماک سے عبادہ رضی اللہ عنہ کی باتیں سننے لگے۔

وہ عبادہ رضی اللہ عنہ کی باتوں کو اتنے ہمہ تن گوش ہو کر سن رہے تھے کہ ان کی توجہ کسی اور طرف جاتی ہی نہیں تھی۔ عبادہ رضی اللہ عنہ نے اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہا کہ ہم نے تو انھیں اپنے لیے پسند کر لیا ہے، وہ لوگوں میں سب سے بڑھ کر معزز اور نرم دل انسان ہیں۔ ہمیشہ مسکراتے ہیں، اچھے اخلاق سے پیش آتے ہیں۔ وہ نہ تو سخت مزاج ہیں، نہ ہی فضول اور فحش باتیں کرنے والے۔ کوئی ان سے زیادتی بھی کر لے تو وہ ہمیشہ معاف فرما دیتے ہیں۔ لوگوں کے لیے ان کے دروازے ہمیشہ کے لیے کھلے رہتے ہیں۔ وہ دربان کے تکلف سے بے نیاز ہیں۔ صبح وشام شراب کے جام ان کے سامنے پیش نہیں کیے جاتے۔ زمین پر بیٹھتے ہیں، زمین ہی پر کھانا کھاتے ہیں، موٹے کپڑے پہنتے ہیں اور ضرورت مند کو سواری پر اپنے پیچھے سوار کر لیتے ہیں۔ کھانے کے بعد انگلیاں چاٹتے ہیں، آہستہ آہستہ بات کرتے ہیں، ان کی بات جو بھی سنتا ہے یاد کر لیتا ہے۔

عبادہ رضی اللہ عنہ کے ہونٹ لرزنے لگے، آواز لڑکھڑانے لگی، قریب تھا کہ ان کی آنکھوں

سے آنسو جاری ہو جاتے۔ انھوں نے اپنا خوف اور خفت مٹانے کے لیے پانی کا پیالہ منہ کو لگا لیا۔ پانی کے قطرات منہ میں انڈیلنے کے بعد ان کی آواز میں تیزی آ گئی اور وہ آسانی سے بات کرنے لگے۔

یہود چلائے اور آپس میں کھسر پھسر کرنے لگے کہ یقیناً یہ تو وہی ہے۔

جو کچھ ان کی کتابوں میں لکھا ہوا تھا سیدنا عبادہ رضی اللہ عنہ نے اس میں رائی برابر بھی کمی نہ کی۔ یقیناً یہ اس نبی کی صفات ہیں جو ان کے ہاں تورات میں پائی جاتی ہیں۔ ان کے رئیس نے اپنے ہاتھ سے اپنی ٹھوڑی پکڑ لی اور اپنے ہاتھ کی انگلیاں مروڑنے لگا۔ وہ گہری سوچ میں گم تھا کہ عبادہ رضی اللہ عنہ کی آواز پھر ابھری جس نے اسے سوچوں کے سمندر سے باہر نکالا۔ عبادہ رضی اللہ عنہ کہہ رہے تھے:

”ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس بات پر بیعت کی ہے کہ ہم اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہرائیں گے، ہم چوری نہیں کریں گے، زنا نہیں کریں گے اور بھوک کے ڈر سے اپنی اولاد کو قتل نہیں کریں گے۔ ہم کسی کی عزت اچھالنے کے لیے اس پر الزام نہیں لگائیں گے۔ ہم اپنے ہاتھ اور زبان سے کسی کو تکلیف نہیں پہنچائیں گے، نیکی کے کام کریں گے اور برائی سے بچیں گے۔“

لوگوں میں سے ایک آدمی نے عبادہ رضی اللہ عنہ کی بات کاٹتے ہوئے کہا کہ اگر تم وہ سب کام کرو جن کے کرنے کا اُس نے تمھیں حکم دیا ہے اور انھیں دنیا پر نافذ بھی کرو تو اس کے بدلے میں وہ نبی تمھیں کیا دے گا؟

عبادہ رضی اللہ عنہ نے کہا: ان کے پاس مال و جائیداد میں سے کوئی ایسی چیز نہیں ہے جو وہ ہمیں دے سکیں۔ ہاں! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ضرور فرمایا ہے کہ اگر تم وفا کرو گے اور

میرے حکموں کی پیروی کرو گے تو تمھیں جنت ملے گی اور اگر ان امور میں سے کسی چیز کو بھی تم نے چھوڑ دیا اور نافرمانی کی تو تمھارا معاملہ اللہ کے سپرد ہے۔ اگر وہ چاہے تو تمھیں معاف کر دے چاہے تو عذاب دے۔ مجلس میں سے ایک خناس یہودی بولا کہ یہ نبی حدود اللہ کو قائم نہیں کر سکے گا، شریعت کو نافذ نہیں کر سکے گا، نہ اللہ تعالیٰ کے احکام کو غالب کر سکے گا۔

عبادہ رضی اللہ عنہ نے کہا: آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے: ''اگر تم اللہ کی حدود میں سے کسی حد کو پامال کرنے کے مرتکب ہوئے اور تمھارا یہ گناہ لوگوں پر ظاہر ہو گیا تو اس کی سزا کفارہ کے طور پر تمھیں دنیا ہی میں ملے گی۔ اور اگر اس پر قیامت تک پردہ رہا تو تمھارا معاملہ اللہ عزوجل کے سپرد ہے، وہ چاہے تو تمھیں عذاب دے اور چاہے تو معاف کر دے۔''[1]

سورج اپنی منزل کے قریب پہنچ کر غروب ہونے لگا تھا، قریب تھا کہ اندھیرا مدینہ کو اپنی آغوش میں لے لیتا، وہ لوگ وہاں سے اٹھے اور اپنے اپنے گھروں کی طرف چل دیے۔ عبادہ رضی اللہ عنہ کا گھر اسلام کا مرکز بن گیا۔ لوگ ان کے گھر آتے اور قرآن کی تعلیمات اور رسول اللہ ﷺ کے فرامین مبارکہ سے آشنا ہوتے تھے۔ عبادہ رضی اللہ عنہ کا مکہ میں رسول اللہ ﷺ کی معیت میں چند دن گزارنا اِن کو دین کی تبلیغ اور اشاعت پر مامور کرنے کا ذریعہ بن گیا۔

یہاں تک کہ داعیِ اسلام، سفیرِ رسول ﷺ سیدنا مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ مدینہ تشریف لے آئے۔ اور انھوں نے اسعد بن زرارہ کے گھر کو اسلام کا مرکز بنا لیا اور وفود

[1] السيرة النبوية لابن هشام: 41/2، والبداية والنهاية: 150/3.

وہاں منتقل ہونے لگے۔ حج کے موسم میں ایک دفعہ مدینہ سے ایک قافلہ نکلا، اس دفعہ اس قافلے کے لوگ ایمان کی طاقت اور نور سے مزین تھے۔ ان کی تعداد ستر سے بھی تجاوز کر رہی تھی۔ اس قافلے سے مومن عورتوں نے بھی پیچھے رہنا گوارا نہ کیا۔ انھوں نے اپنی طرف سے چند عورتوں کو منتخب کر کے اس قافلے کے لیے تیار کیا تاکہ وہ واپس آ کر انھیں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے فرامین سنا سکیں۔ وہ چنیدہ عورتیں نسیبہ بنت کعب، ام عمارہ اور اسماء بنت عمرو بن عدی تھیں۔[1] قافلے کی آواز راستے کی وحشت کو دور کر رہی تھی اور صحرا کی خاموشی کو اپنی طاقت ور آواز سے ختم کر رہی تھی۔ اللہ اکبر، اللہ اکبر......

عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ بیعت ثانیہ ''بیعت حرب'' میں بھی حاضر ہوئے۔ انھوں نے ہر قسم کی جنگ پر رسول اللہ ﷺ سے بیعت کی اور اس بات پر بھی بیعت کی کہ جن چیزوں سے وہ اپنے بیٹوں اور عورتوں کو روکتے ہیں وہ خود بھی ان چیزوں سے رکیں گے۔[2]

رسول اللہ ﷺ نے اپنے رب، دین اور اپنے متعلق لوگوں سے پختہ عہد و پیمان لیے۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا: ''اپنے لوگوں میں سے میری طرف بارہ نقیب لاؤ تاکہ وہ اپنی اپنی قوم پر سردار ہوں۔ تم اپنی اس جماعت سے بارہ منتخب لوگوں کو آگے کرو تاکہ وہ اپنی اپنی قوم اور قبیلے پر سردار اور مسئول ہوں۔''[3]

عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ ان چنے ہوئے لوگوں میں سے ایک تھے۔ صحیحین میں الصنابحی سے روایت ہے، وہ عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انھوں نے کہا: میں بھی ان نقباء میں سے ایک تھا جنھوں نے رسول اللہ ﷺ کے ہاتھ پر عقبہ

[1] السيرة النبوية لابن هشام: 49/2، والبداية والنهاية: 160/3. [2] البداية والنهاية: 159/3.
[3] البداية والنهاية: 161/3، والطبقات لابن سعد: 4.

کی رات بیعت کی تھی۔ [1]

رسول اللہ ﷺ ہجرت کر کے مدینہ تشریف لے آئے اور مہاجرین و انصار کے درمیان بھائی چارہ قائم کر دیا۔ عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کے اسلامی بھائی ابو مرثد غنوی رضی اللہ عنہ بنے جنھیں رسول اللہ ﷺ نے مکہ کی جانب بھیجا تھا تا کہ وہ وہاں سے مسلمان قیدیوں کو نکال لائیں۔ جب وہ مکہ پہنچے تو عناق نامی عورت جو جاہلیت میں ان کی دوست تھی اس کو پتہ چلا تو وہ ان کے پاس آئی جبکہ مرثد رضی اللہ عنہ اسلام قبول کرنے کے بعد اس سے بالکل لاتعلق ہو گئے تھے اور اس کے ساتھ کوئی رشتہ نہ رہا تھا۔ وہ کہنے لگی: افسوس ہے مرثد! ہم دونوں ایک دوسرے سے جدا کیوں ہیں؟

مرثد رضی اللہ عنہ نے کہا: میرا اب تیرے ساتھ کوئی رشتہ نہیں رہا۔ میرے دین نے مجھ پر اس کام کو حرام کر دیا ہے۔ آخر یہ کون سی چیز تھی کہ جس نے مرثد رضی اللہ عنہ میں یہ تبدیلی پیدا کر دی کہ وہ دعوت گناہ ملنے پر بھی گناہ کے قریب نہ گئے، حالانکہ جاہلیت میں مرثد اس سے محبت کرتے تھے۔ یہ صرف اللہ کا ڈر اور اسلام کی تعلیمات کا اثر تھا جو مرثد رضی اللہ عنہ کے دل میں موجود تھا جس نے انھیں گناہ سے محفوظ رکھا۔

اللہ کی پناہ! پہلے وہ بت پوجتے تھے اور کسی چیز کی پروانہ کرتے تھے۔ لیکن اب تو وہ اس اللہ کی عبادت کرتے ہیں جو رازوں اور پوشیدہ باتوں کو بھی جانتا ہے۔ یقیناً یہ اللہ پر ایمان ہی تھا جس نے اسلام کی اس جماعت کو مضبوط اور طاقت ور بنا دیا۔ وہ رسول اللہ ﷺ کے حکم پر اپنی جانوں کی پروا کیے بغیر میدانوں میں کود گئے اور اسلام کے پرچم کو بلند کیا۔

مالِ غنیمت کے بارے میں آپ ﷺ نے اعلان کروایا کہ ہر قسم کا مال اور جو بھی

[1] الإصابة في تمييز الصحابة:2/260.

چیزیں کفار سے چھینی ہیں وہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف لوٹا دو، تو انھوں نے آپ ﷺ کے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے سارا مال آپ ﷺ کے قدموں میں ڈھیر کر دیا۔

امامہ باہلی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں نے عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے غنیمتوں کے متعلق دریافت کیا۔ انھوں نے کہا: یہ غنیمتیں ہم اصحاب بدر کے متعلق نازل ہوئیں، جب ہم نے غنیمت کی تقسیم کے متعلق آپس میں اختلاف کیا تو اللہ نے اس کا معاملہ اپنے رسول ﷺ کے سپرد کر دیا تو آپ ﷺ نے اسے مسلمانوں کے درمیان برابر تقسیم کر دیا۔ [1]

عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تمام معرکوں میں شریک رہے۔ مدینے سے اپنے حلیف بنو قینقاع کے یہودیوں کو نکالنا بھی انھی کی ذمہ داری تھی۔ آپ رضی اللہ عنہ یہودیوں اور منافقوں کے مقابلے میں رسول اللہ ﷺ کی مدد و معاونت کرتے رہے اور ہمیشہ آپ ﷺ کے ساتھ رہ کر اسلام کی سربلندی کے لیے لڑتے رہے۔ ارتداد کی جنگوں میں بھی تیز رفتار گھڑ سوار کی حیثیت سے داخل ہوئے اور ہمیشہ اللہ کے راستے میں شہادت کے متلاشی رہے۔

عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں یزید بن ابو سفیان رضی اللہ عنہما نے امیر المومنین کی طرف خط لکھا کہ اہل شام کو ایک ایسے شخص کی ضرورت ہے جو ان کو قرآن کی تعلیم دے سکے تو عمر رضی اللہ عنہ نے ان کی طرف معاذ بن جبل، عبادہ بن صامت اور ابو درداء رضی اللہ عنہم کو بھیجا۔ عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ حمص میں قیام پذیر ہوئے۔ پھر جب آپ الاذقیہ کو فتح کرنے کے لیے چلے تو وہاں پر ابو عبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ کو اپنا نائب مقرر کر دیا۔ پھر ان کی ڈیوٹی فتح طرطوس کے لیے لگائی گئی تو انھوں نے اسے بھی فتح کر لیا۔ [2]

[1] السيرة النبوية لابن هشام: 284/2. [2] الإصابة: 28/4، و أسد الغابة: 106/3.

یہ عمر رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں سب سے پہلے فلسطین کے عہدہ قضاء پر فائز ہوئے۔ اس سے پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو صدقات پر عامل بنایا اور فرمایا:

''اللہ سے ڈرتے رہنا، قیامت والے دن کوئی اونٹ نہ لانا جس کی آواز ہو، کوئی گائے نہ لانا جس کی آواز ہو، نہ کوئی بکری لانا جس کی آواز ہو۔''[1]

عبادہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ مجھے قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کو حق کے ساتھ بھیجا ہے! میں دو آدمیوں کے کام جیسا کام نہیں کروں گا، پھر انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر اس بات پر بیعت کی کہ وہ اللہ کے بارے میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہیں ڈریں گے۔[2]

جب انھوں نے عہدۂ قضا سنبھالا تو ان کا معاویہ رضی اللہ عنہ سے انتظامی امور اور تصرفات کے معاملے میں اختلاف ہو گیا۔ معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان سے سخت کلامی کی۔ عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا کہ ہم دونوں ایک زمین پر اکٹھے نہیں رہ سکتے۔[3] پھر وہ مدینہ تشریف لے گئے تاکہ امیر المومنین عمر رضی اللہ عنہ کے قریب رہ سکیں جو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے قوانین کو خوب نافذ کرنے والے تھے۔ ان کی ملاقات سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے ہوئی۔ انھوں نے پوچھا کہ آپ نے ایسا کیوں کیا کہ میری اجازت کے بغیر وہ علاقہ چھوڑ کر یہاں آ گئے؟

عبادہ رضی اللہ عنہ نے اپنا سارا واقعہ عمر رضی اللہ عنہ کو سنا دیا تو عمر رضی اللہ عنہ نے آپ کو حکم دیا کہ آپ دوبارہ اسی جگہ پر چلے جائیں۔ اللہ اس زمین کا برا کرے جس میں تم اور تمھارے جیسے

---

[1] أسد الغابة:3/106، 107. [2] التهذيب لابن عساكر :7/207. [3] الاستيعاب :2/808.

لوگ نہ ہوں۔

انھوں نے امیرالمومنین کے حکم کی تعمیل کی کیونکہ ان کے پیارے نبی ﷺ نے انھیں یہی تعلیم دی تھی۔ عمر رضی اللہ عنہ نے معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف خط لکھا: ''عبادہ رضی اللہ عنہ پر آپ کا حکم نہیں چلے گا۔'' [1]

مسلمانوں کا اگلا ہدف مصر کو فتح کرنا تھا جس کی بشارت اللہ کے رسول ﷺ نے دی تھی۔ اس کی ذمہ داری عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کو سونپی گئی تو وہ ایک بہت بڑا لشکر لے کر مصر کی طرف روانہ ہوئے۔ جب وہ مصر کی سرزمین پر پہنچے تو وہاں مصریوں اور رومیوں کا بہت بڑا لشکر پورے ساز و سامان سے لیس موجود تھا۔ عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے امیرالمومنین کی طرف قاصد بھیجا اور ان سے کمک کا مطالبہ کیا۔ عمر رضی اللہ عنہ نے ان کے مطالبے کو تسلیم کرتے ہوئے چار ہزار مجاہدین کا لشکر آپ رضی اللہ عنہ کی مدد کے لیے روانہ کیا اور ساتھ ہی ایک خط لکھا کہ اے عمرو! میں تیری طرف چار ہزار جوانوں کا قافلہ روانہ کر رہا ہوں اور ان میں چار آدمی ایسے بھی ہیں کہ جو ایک ایک ہزار کے لشکر کے برابر ہیں۔ [2]

عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ بھی ان چار آدمیوں میں سے ایک تھے۔ بادشاہ مقوقس کے جاسوس اور آدمی پھیل چکے تھے اور وہ مسلمانوں کی قوت اور تعداد کی معلومات لے رہے تھے، ان کی نرمی و سختی کو محسوس کر رہے تھے۔ جب وہ جاسوس اپنی رپورٹیں پیش کرنے کے لیے واپس مقوقس کے پاس آئے تو مجاہدین اسلام کی صفات بیان کرنے لگے کہ وہ اپنے دور دراز شہروں اور علاقوں کو چھوڑ کر نکلے تو ایک ہی کلمہ دہراتے تھے،

[1] أسد الغابة: 3/106. [2] معجم البلدان: 6/378.

''اللہ اکبر'' اگر زاد راہ کم ہو جائے تو یہی کلمہ ان کا زادہ راہ بن جاتا ہے، اگر مسافت لمبی اور دور ہو جائے تو یہی کلمہ ان کے لیے تیز گام سواری بن جاتا ہے اور اگر ان کو مدد اور قوت کی ضرورت ہوتی ہے تو یہی کلمہ ان کی مدد بن جاتا ہے۔ انھوں نے کہا:

''ہم نے ایک ایسی قوم کو دیکھا ہے جن کو موت زندگی سے زیادہ عزیز ہے اور رفعت و بلندی کے مقابلے میں وہ عاجزی و انکسار کو ترجیح دیتے ہیں۔ ان میں سے کسی کو بھی دنیا کی رغبت نہیں ہے۔ وہ لوگ مٹی پر بیٹھتے ہیں، ان کا کھانا ان کی سواریوں پر ہوتا ہے۔ ان کا امیر ان ہی جیسا مرتبہ رکھتا ہے، ان کے اعلیٰ و ادنیٰ، آقا و غلام میں کوئی فرق نہیں، وہ سب برابر ہیں اور ایک ہی زنجیر کی باہم پیوستہ کڑیاں ہیں۔

جب نماز کا وقت ہوتا ہے تو کوئی بھی پیچھے نہیں رہتا۔ وہ پانی سے اپنے اطراف دھوتے ہیں اور اپنی نماز میں خشوع وخضوع اختیار کرتے ہیں۔''

ان کی یہ باتیں سن کر مقوقس نے کہا: ''مجھے اس ذات کی قسم ہے جس کے نام کے ساتھ قسم اٹھائی جاتی ہے! اگر یہ لوگ پہاڑوں کی طرف متوجہ ہوں تو انھیں بھی ہلا کر رکھ دیں۔ ان لوگوں کے ساتھ کوئی لڑائی کی طاقت نہیں رکھ سکتا۔ اگر آج تم ان کے ساتھ صلح کو غنیمت جانو ہر چند یہ لوگ نیل کے ساحلوں پر گھیرے میں آچکے ہیں مگر جب زمین ان کو جگہ دے دے گی، ان کے لیے راہیں کھول دے گی اور وہ تم کو اس زمین سے نکالنے پر قادر ہو جائیں گے تو وہ ہماری بات قبول نہیں کریں گے۔''[1]

مقوقس نے ان لوگوں کے بارے میں جو کہا اور ان کے جو اوصاف بیان کیے وہ بالکل سچ تھے۔ ہاں! ان لوگوں میں ایسا ایمان موجود تھا کہ اگر تم ان کو خراج دو تو انھیں غنیمت، شہرت اور دنیاوی جاہ وجلال کا طلب گار نہیں پاؤ گے۔ بلکہ وہ تو اللہ کے لیے،

[1] النجوم الزاهرة: 1/11، 12.

اس کے دین کی نشر و اشاعت اور لوگوں کو انسانوں کی بندگی سے نکال کر ایک اللہ کی بندگی کے لیے جہاد کرتے تھے۔

مقوقس نے مسلمانوں کے سپہ سالار سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کی طرف پیغام بھیجا کہ ہماری طرف اپنا ایک نمائندہ بھیجیں تا کہ مذاکرات کے ذریعے ہم ایسی راہ نکال لیں جس میں ہم دونوں کی بھلائی ہو۔ عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے سیدنا عبادہ رضی اللہ عنہ کی قیادت میں چند آدمیوں کا دستہ مقوقس کی طرف روانہ کیا اور تنبیہ کی کہ تم میں سے صرف عبادہ بن صامت (رضی اللہ عنہ) مسلمانوں کی نمائندگی کرتے ہوئے بات کریں گے۔

سیاہی مائل گندمی رنگت، روشن دل، مضبوط جسم، بارعب چہرہ، آنکھوں میں ایمانی چمک اور خودداری رکھنے والے یہ خوبصورت نوجوان عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ ہیں، ان کے قد کی لمبائی راویوں نے دس بالشت کے برابر بیان کی ہے۔

جب یہ مختصر سا قافلہ مقوقس کے دربار میں پہنچا تو وہ خوف زدہ ہو گیا اور اس کے اعضاء کپکپانے لگے، وہ کہنے لگا کہ اس سیاہی مائل شخص کو مجھ سے دور لے جاؤ۔ اس کے علاوہ کوئی اور شخص مجھ سے بات کرے۔ عبادہ رضی اللہ عنہ کے ساتھیوں نے کہا: یہ آدمی رائے اور علم کے لحاظ سے ہم سے بہتر ہے۔ اور یہی ہمارا امیر ہے، اس کی بات معتبر ہوتی ہے اور ہم اس کی رائے اور بات کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ ہمارے امیر نے اسے ہمارا قائد مقرر کیا ہے اور ہمیں حکم دیا ہے کہ ہم اس کی رائے اور بات کی مخالفت نہ کریں۔

مقوقس نے کہا: تم اس کالی رنگت والے انسان کو اپنا امیر ماننے پر کس طرح راضی ہو گئے؟ مناسب یہ تھا کہ وہ تمھارے ماتحت ہوتا۔ مقوقس ان لوگوں کو اپنی سوچ کے

زاویوں اور دنیا کی سوچ پر قیاس کر رہا تھا، وہ یہ بات نہیں جانتا تھا کہ رسول اللہ ﷺ نے دعوتِ اسلام کے ابتدائی ارشادات ہی میں یہ واضح فرما دیا تھا:

''تم میں سے ہر ایک آدم کی اولاد ہے اور آدم مٹی سے پیدا ہوئے ہیں۔ اللہ کے ہاں تم میں سب سے زیادہ معزز وہ ہے جو تقوی کے لحاظ سے سب سے زیادہ ہے۔ حسب ونسب، رنگ وجنس کے ساتھ لوگ ہرگز ایک دوسرے پر برتری حاصل نہیں کر سکتے۔ برتری تو صرف تقوی کی بنیاد پر ہے۔''[1] اس کے بعد مقوقس نے عبادہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں ایسی کوئی بات نہیں کی۔

عبادہ رضی اللہ عنہ کے ساتھیوں نے مقوقس کی باتوں کا جواب دیتے ہوئے کہا: بلا شبہ ان کا رنگ سیاہی مائل ہے لیکن ہم سے مرتبہ، سبقت، عقل اور رائے کے لحاظ سے یہ بہتر ہیں۔ ہمارے دین میں کالے رنگ کو برا نہیں سمجھا جاتا۔

مقوقس کے پاس اب عبادہ رضی اللہ عنہ کو اپنے سے دور کرنے کا کوئی حیلہ نہ رہا۔ اس نے عبادہ رضی اللہ عنہ سے کہا: اے کالی رنگت والے! آگے آؤ۔ مجھ سے نرم لہجے میں بات کرنا، میں پہلے ہی تمھاری جسمانی ہیبت سے خوفزدہ ہوں اور اگر تم نے سخت انداز میں بات کی تو میں تم سے اور زیادہ خوفزدہ ہو جاؤں گا۔

عبادہ رضی اللہ عنہ تنے ہوئے سینے کے ساتھ اس کی طرف بڑھے اور کہا: میں نے بلا شبہ تیری باتیں سن لی ہیں، یقیناً میں اپنے پیچھے اپنے ساتھیوں میں سے جو ایک ہزار آدمی چھوڑ آیا ہوں وہ سب کے سب مجھ جیسے ہی بارعب اور دبدبے والے ہیں بلکہ وہ مجھ سے بھی زیادہ کڑیل جوان اور ہیبت ناک چہروں والے ہیں۔ اگر تو ان کو دیکھ لے تو

[1] النجوم الزاهرة: 12/1.

مجھ سے بھی بڑھ کر تجھ پر ان کی ہیبت چھا جائے گی۔ میں ان نوجوانوں پر والی بنایا گیا ہوں اور اپنے بہت سے نوجوانوں کو پیچھے چھوڑ آیا ہوں۔ اس کے باوجود اگر دشمن کے سو آدمی بھی اکٹھے ہو کر میرے سامنے آ جائیں تو میں ان کے مقابلے سے ڈرنے والا نہیں اور میرے باقی ساتھی بھی ایسے ہی ہیں۔ ہم لوگ اللہ کی رضا، اس کی اتباع اور جہادِ فی سبیل اللہ میں دلچسپی رکھتے ہیں۔ ہماری لڑائی اس دشمن سے ہے جس نے اللہ کے ساتھ جنگ شروع کر رکھی ہے۔ ہم دنیا کے لالچ اور مال و دولت کی رغبت کے لیے جہاد نہیں کرتے، ہم تو اللہ کی رضا اور اس کی خوشنودی کے لیے میدان جہاد کا رخ کرتے ہیں۔ دنیا کے مال کی ہمیں کوئی پروا نہیں۔ ہمارے ہاں ڈھیروں سونا اور درہم رکھنے والا شخص اور وہ جو ایک درہم کا بھی مالک نہ ہو دونوں برابر ہیں۔ کیونکہ ہم میں سے ہر ایک کو دنیا میں چند لقمے ہی درکار ہوتے ہیں جن سے ہم دن اور رات کی بھوک مٹا سکیں اور ایک چادر جس کو لپیٹ سکیں اور اگر ہم میں سے کسی کے پاس صرف اتنا ہی ہو تو وہ اسے ہی کافی سمجھتا ہے اور اگر اس کے پاس سونے کا ڈھیر بھی ہو تو وہ اسے اللہ کی اطاعت میں خرچ کر دینے کو سعادت سمجھے گا اور جو کچھ ہاتھ میں ہے اسی پر اکتفا کر لے گا۔

کیونکہ دنیا کی نعمتیں تو عارضی اور ختم ہونے والی ہیں۔ اصل نعمتیں اور خوشحالی تو صرف آخرت کی ہیں۔ اللہ تعالیٰ اور اس کے پیغمبر ﷺ نے اسی کا ہمیں حکم دیا ہے۔ اور ہم سے عہد لیا ہے کہ دنیا کے بارے میں ہماری فکر اتنی ہی ہونی چاہیے جو ہماری بھوک مٹا سکے اور ہماری ستر پوشی کر سکے اور اس کی فکر اور شغل صرف اس کے رب کی رضا اور اس کے دشمن سے جہاد ہی کے لیے ہو۔[1]

[1] النجوم الزاهرة: 14/1.

عبادہ رضی اللہ عنہ نے اپنے ساتھیوں کو مخاطب کر کے کہا: اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پیرو کارو! تم نے دیکھا کہ میرے ایمان کی قوت اور سلامتی نے کس طرح اِس آدمی کو مرعوب کر دیا۔

عبادہ رضی اللہ عنہ نے اپنی بات جاری رکھی۔ ہر چند وہ بوڑھے ہو چکے تھے۔ انھوں نے کہا: نیل کے دوسرے کنارے پر لڑنے والے وہ گھڑ سوار صرف دن کے مجاہد ہی نہیں بلکہ قائم اللیل بھی ہیں جو رات کو اپنے رب کے سامنے روتے ہیں۔ آہ اے مقوقس! اگر تو انھیں دیکھ لے تو ان سے ٹکراؤ سے پہلے ہی تیری روح پرواز کر جائے۔ ان کے دلوں میں دنیا کی کوئی طمع نہیں ہے، وہ دنیا سے بیزار ہیں اور اس طرح کام انجام دیتے ہیں جس طرح اللہ تعالیٰ نے ان کو حکم دیا ہے، اس کے بعد وہ ہمیشہ والی نعمتوں کی طرف چلے جائیں گے۔

یہ تمام لوگ جہاد کے معرکوں میں شریک ہونا باعث ثواب سمجھتے ہیں اور شہادت پانے کے لیے ایک دوسرے سے سبقت لے جانے پر تلے رہتے ہیں کیونکہ وہ دنیا کو نہیں بلکہ اپنے رب کی ملاقات کو ترجیح دیتے ہیں۔ اے قبطیوں کے عقل مند بادشاہ! وہ دنیا کے نہیں بلکہ شہادت کے عاشق ہیں۔

جب مقوقس نے عبادہ رضی اللہ عنہ کی یہ بات سنی تو اس نے اپنے اردگرد موجود لوگوں سے کہا: کیا تم نے اس آدمی کے کلام جیسا کوئی کلام کبھی سنا ہے؟ اس کی بات میرے نزدیک اس کے وجود سے بھی زیادہ خوفناک ہے۔ میرا خیال ہے کہ عنقریب ان کی بادشاہت تمام زمین پر غالب آ جائے گی۔

پھر مقوقس عبادہ بن صامت کی طرف یہ کہتا ہوا متوجہ ہوا: اے نیک آدمی! میں نے

تیری سب باتیں سن لی ہیں اور تو نے اپنے اور اپنے ساتھیوں کے متعلق جو کچھ بیان کیا ہے، وہ بھی سن لیا ہے۔ پھر اس نے کہا: میری عمر کی قسم! جہاں تک تم لوگ پہنچ چکے ہو یہ سب انھیں صفات کی بدولت ہے جو تو نے اپنے اور اپنے ساتھیوں کے بارے میں بیان کی ہیں اور جن لوگوں پر تم غالب آئے ہو اور ان کو شکست سے دو چار کیا ہے تو ان کی شکست کی وجہ صرف یہ ہے کہ وہ دنیا کے عاشق ہیں۔

آج تم اس قوم سے لڑنے کے لیے آئے ہو جن کے پاس رومیوں کی اتنی بڑی جماعت لڑنے کے لیے موجود ہے جس کا کوئی شمار ہی نہیں، وہ ایسی قوم ہے جو دلیری اور سختی میں اپنی مثال آپ ہے، وہ ان لوگوں سے ہیں جن کا ہر ایک فرد اس بات کی پروا نہیں کرتا کہ وہ کس سے لڑ رہا ہے۔ مجھے یقین ہے کہ تم لوگ ان سے زیادہ قوی نہیں ہو، تم اپنی کمزوری اور قلت کی وجہ سے ان پر غالب نہیں آ سکو گے۔[1]

عبادہ رضی اللہ عنہ نے کہا: اے مقوقس! دیکھنا تجھے تیری سوچ اور تیرے ساتھیوں کی کثرت کہیں دھوکہ ہی نہ دے دے۔ خبردار! ہمیں رومیوں کی طاقت اور ان کی جمعیت سے ڈرانے کی ضرورت نہیں، جس قوم سے تُو ہمیں ڈرانے اور خوف زدہ کرنے کی کوشش کر رہا ہے یہ ہمارے ایمانی حوصلوں کے سامنے کچھ بھی نہیں نہ اس میں ایسی جرأت اور قوت ہے جو ہماری قوت کو کمزور کر سکے۔

اور جو کچھ تم نے رومیوں کے متعلق کہا ہے اگر وہ سچ ہے تو اللہ کی قسم! یہی وہ چیز ہے جو ہمیں لڑائی میں سب سے زیادہ محبوب ہے۔ جنگ میں شہادت کے ہم لوگ زیادہ حریص ہیں۔ کیونکہ یہ بات اللہ کے ہاں ہمارے لیے زیادہ پسندیدہ اور محبوب

[1] النجوم الزاهرة: 16/1.

ہوگی جب ہم اس کے پاس جائیں گے تو یہی چیز اس کے سامنے رکھ دیں گے جو ہماری نظر میں سب سے زیادہ پسندیدہ ہوگی اور ہماری آنکھوں کی ٹھنڈک کا باعث بنے گی۔ یقیناً ہمارے لیے دونوں طرف بھلائیاں ہی بھلائیاں ہیں، اگر ہم میدان معرکہ میں کامیاب ہو گئے تو اس دنیا کی غنیمت کے ساتھ ہمیں عظمت بھی دی جائے گی اور اگر تم کامیاب ہو گئے تو آخرت کی غنیمت ہمارا انتظار کر رہی ہے۔ اور یقیناً محنت و کوشش کے بعد ان دو خصلتوں میں سے شہادت کی تمنا ہمیں زیادہ محبوب ہے۔ یقیناً اللہ عزوجل نے اپنی کتاب میں ہمارے لیے ہی ارشاد فرمایا ہے:

﴿ كَمْ مِّنْ فِئَةٍ قَلِيْلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيْرَةً بِإِذْنِ اللّٰهِ وَاللّٰهُ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ○﴾

”کتنی ہی تھوڑی جماعتیں اللہ کے حکم سے زیادہ جماعتوں پر غالب آ جاتی ہیں اور اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔“[1]

ہم میں سے ہر ایک شخص صبح و شام اپنے رب سے اپنی شہادت کا سوال کرتا ہے اور ہم اللہ سے اس بات کا بھی سوال کرتے ہیں کہ وہ ہمیں ہمارے شہروں، زمینوں اور ہمارے اہل وعیال کی طرف نہ لوٹائے کیونکہ ہمیں اپنے اہل وعیال اور مال جائیداد کی کوئی رغبت نہیں ہے۔ ہم میں سے ہر ایک نے اپنے اہل اور اولاد کو اللہ کے سپرد کر دیا ہے۔

ہمارے سامنے صرف اپنا نصب العین ہے۔ رہی تیری بات کہ ہماری معاشی حالت سخت تنگ اور کمزور ہے۔ تو سن لو! ہم بہت بڑی فراخی میں ہیں، اگر ساری کی ساری دنیا بھی ہمارے لیے ہو تو ہم اس میں اپنے لیے اس سے زیادہ کچھ نہیں لیتے جس قدر اب

[1] البقرة 2:249.

ہمارے پاس ہے۔ اب تیرا جو ارادہ ہے وہ بتا دے۔ تیرے اندر ایسی کوئی بات نہیں ہے جسے ہم قبول کر سکیں۔ تیرے تین کاموں اور باتوں میں سے ہم ایک بات قبول کریں گے، اب جو تو چاہتا ہے، وہ پسند کر لے۔ باطل کے لیے اپنے آپ کو حریص نہ بنا۔

اسی کا مجھے میرے امیر نے حکم دیا ہے اور میرے امیر کو یہی تاکید ہمارے امیر المومنین نے کی ہے اور یہی وہ چیز ہے جس کا ہم سے رسول اللہ ﷺ نے وعدہ لیا تھا۔[1]

جو شخص یہ تصور کرتا ہے کہ ان لوگوں کو بادیہ نشینی اور طبعی حالات کی سختیوں نے گھروں سے نکالا ہے اور انھوں نے جاہلیت والی زندگی بسر کی ہے، اس لیے یہ لوگ دلی رازوں کی معرفت اور جنگ کی دھوکہ بازی سے کوسوں دور ہیں تو یہ بھی نفسیاتی جنگ کا ایک انوکھا حربہ تھا جسے عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ نے جاری کیا۔

انھوں نے مقوقس کی ہر مخالفانہ بات کا رد کیا اور اس کا ڈٹ کے مقابلہ کیا۔ وہ عبادہ رضی اللہ عنہ کے رعب و دبدبے سے گھبرا گیا اور ان سے مرعوب ہو گیا۔ جب حکومت اور لشکروں کے قائد پریشانی اور ہولناکی کی اس حالت کو پہنچ جائیں تو معرکے ناکام ہو جاتے ہیں اور صلح کے بعد اس کے شہر اور علاقے سلامت و محفوظ ہو جاتے ہیں لیکن جو ایسی گھبراہٹ والی حالت میں مبتلا ہونے کے باوجود بھی جنگ میں قدم رکھتا ہے تو وہ ایسا ہی ہے جیسے قاتلوں کو خود دعوت دے رہا ہو۔

عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کی سفارتکاری مکمل ہوئی اور وہ عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کی طرف واپس آ گئے۔ شاہِ مصر کی نفسیات کی خرابی اور فخر و غرور نے اس کے لشکر کی طاقت گھٹا دی اور مصر کی فتح مسلمانوں کی طرف بڑھنے لگی۔

[1] النجوم الزاهرة: 1/17.

عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ اپنے ساتھیوں کے ساتھ روم کے ایک بہت بڑے قلعے اور ان لوگوں کے خلاف جو ابھی سرنڈر نہیں ہوئے تھے ایک فیصلہ کن حملے پر غور کر رہے تھے کہ اچانک امیر المومنین عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کا خط آ پہنچا، آپ رضی اللہ عنہ نے لکھا تھا:

اما بعد!

"مجھے مصر کی فتح کی تاخیر پر تعجب ہوا ہے بلاشبہ تم ان سے کئی سال سے جنگ کر رہے ہو، اس کی وجہ یہی ہے کہ تم بھی دشمن کی طرح دنیا سے محبت کرنے لگے ہو۔ اللہ تعالیٰ نیتوں کی سچائی اور ارادوں کی پختگی دیکھ کر ہی کسی قوم کی مدد کرتا ہے۔ میں نے تمھاری طرف چار آدمیوں کو بھیجا ہے، میرے علم کے مطابق ان میں سے ہر ایک، ایک ہزار آدمیوں کے قائم مقام ہے۔ لگتا ہے ان کو بھی اسی چیز نے بدل دیا ہے جس نے تم کو بدل ڈالا ہے۔

جب آپ کے پاس میرا یہ خط پہنچے تو لوگوں سے خطاب کرنا اور انھیں دشمن کے خلاف جنگ، صبر اور حُسنِ نیت کے بارے میں ترغیب دلانا اور ان چار اشخاص کو لوگوں کے سامنے کھڑا کرنا اور ان کے متعلق بتانا، پھر تمام لوگوں کو حکم دینا کہ ان کا حملہ ان چار آدمیوں کے حملے جیسا ہونا چاہیے۔

اور یہ کام جمعہ کے دن زوال کے وقت ہونا چاہیے کیونکہ اس وقت اللہ کی رحمتیں نازل ہوتی ہیں، یہ قبولیت کا وقت ہوتا ہے، اس وقت لوگوں کو چاہیے کہ اللہ سے اپنے گناہوں کی معافی مانگیں اور دشمن کے خلاف مدد کا سوال کریں۔"

کیا عرب اور مسلمانوں کے سپہ سالاروں نے عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی ان نصیحتوں پر

عمل کیا جو انھوں نے اپنے کمانڈروں اور اپنے لشکروں کو کی تھیں تو اس کا جواب ''ہاں'' میں تھا۔ ان لوگوں نے اپنے امیر کی تمام باتوں پر عمل کیا۔ عمرو اور عبادہ رضی اللہ عنہما پر اپنے امیر کی باتیں زیادہ مؤثر ہوتی تھیں کیونکہ انھوں نے دنیا کو چھوڑ کر دین کو اپنا مقصد بنا رکھا تھا۔

اے لوگو! اسلام کو اپنا دین ماننے کا دعویٰ کرنے والو! یقیناً جب تک ہمارے آباء واجداد نے اور ہم نے دین اسلام اور قرآن کو اپنے دلوں میں بسائے رکھا تو ہم دنیا کی قیادت کرتے رہے لیکن آج ہم نے اس قرآن کو تعویذوں کے لیے اور اپنے گھروں کی الماریوں کی زینت بنا دیا تو ذلت ہم پر مسلط ہوگئی۔

امیر المومنین عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کا خط ملتے ہی عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے مصر و اسکندریہ کو فتح کرنے کے لیے ایسی پلاننگ پر غور کرنا شروع کر دیا جس سے مسلمانوں کو زیادہ نقصان بھی نہ اٹھانا پڑے اور اسکندریہ پر مسلمانوں کی فتح کے جھنڈے بھی لہرا جائیں۔ کیونکہ معرکوں کی مہارت میں ان کے سامنے زندہ مثال سیدنا عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ بطور نمونہ موجود تھے جنھوں نے اللہ کی مدد و نصرت کے ساتھ اسکندریہ پر فتح کے جھنڈے لہرا دیے۔

آخر کار انھوں نے سید النقباء مقام پر ایک لمبا قیام کیا تاکہ قرآن و سنت کی اشاعت اور تبلیغ کا کام کریں۔ آپ رضی اللہ عنہ نے اللہ کی تلوار بن کر انطرطوس کو فتح کیا، مصر کی فتح میں بھی شریک ہوئے اور اسکندریہ کی فتح کا سہرا بھی آپ رضی اللہ عنہ ہی کے سر تھا۔ آپ نے مصر کی فتح کے لیے جنگی پلاننگ اور حکمت عملی میں بہت اہم کردار ادا کیا، وہ یہی تدبیریں سوچتے رہے کہ کس طرح اس سرزمین پر اللہ کا نام بلند ہو جائے اور کس

طرح لوگوں کے دلوں میں محمد ﷺ اور آپ کے اصحاب رضی اللہ عنہم کی محبت موجزن ہو جائے۔ انھوں نے ارض شام کے شہر رملہ میں 34ھ میں طویل قیام کیا، اس وقت ان کی عمر (72) بہتر سال تھی۔

اے عبادہ بن صامت! اسلام کے فروغ کے لیے اللہ آپ کی زبردست جدوجہد قبول فرمائے اور آپ پر ہمیشہ اپنی رحمتیں نازل کرے۔

اللہ کی قسم! امیر المومنین عمر رضی اللہ عنہ نے سچ فرمایا تھا: "اللہ اس زمین کا برا کرے جس میں عبادہ جیسے مرد نہ ہوں۔"



نزولِ آیات کے اسباب

بدر الکبریٰ کے معرکے میں مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ نے فتح عطا فرمائی۔ یہودیوں کو اس فتح سے شدید تکلیف اور پریشانی کا سامنا کرنا پڑا۔ وہ مسلمانوں میں شر پھیلانے اور انھیں آپس میں لڑانے کی کوشش کرنے لگے۔ اس کی ابتدا بنو قینقاع کے بازار میں اس وقت ہوئی جب ایک مسلمان عورت بازار میں اپنا دودھ فروخت کرنے کے بعد ایک یہودی سنار کی دکان پر کوئی چیز خریدنے گئی۔ وہاں اور یہودی بھی بیٹھے تھے، ان یہودیوں نے اس عورت کو چہرے سے پردہ ہٹانے کے لیے کہا لیکن اس خاتون نے انکار کر دیا۔ ظالم سنار نے اس عورت سے نظر بچا کر اس کے کپڑے کا ایک پلہ کسی چیز سے باندھ دیا۔ جب وہ کھڑی ہوئی تو اس کا پردہ کھل گیا اور وہاں موجود یہودی قہقہے لگانے لگے۔ وہ عورت شدید غم و غصے سے چلانے لگی۔ اس نے مسلمانوں کو مدد کے لیے پکارا تو ایک مسلمان نے سنار پر حملہ کر کے اسے قتل کر دیا۔ یہودیوں نے بدلے میں اس مسلمان پر حملہ کر کے اسے بھی قتل کر دیا۔ مسلمانوں کو اس واقعے کا علم ہوا تو غضبناک ہو گئے اور یہودیوں کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے، اس طرح بنو قینقاع اور مسلمانوں کے درمیان لڑائی بھڑک اٹھی۔ [1]

[1] الروض الأنف: 4/354، و أسباب نزول القرآن، ص: 92.

رسول اللہ ﷺ کو جب اس واقعے کا علم ہوا تو آپ جلدی سے بازار کی طرف تشریف لے گئے اور یہودیوں سے مخاطب ہو کر فرمانے لگے: ''اے یہود کی جماعت! قریش کو جو سزا اللہ نے ہمارے ذریعے دی ہے اس سے عبرت حاصل کرو کہیں یہ تم کو بھی اپنی لپیٹ میں نہ لے لے۔ تمھیں معلوم بھی ہے کہ میں اللہ کا رسول ہوں اور تم اپنی کتابوں میں اس کی تصدیق بھی پاتے ہو اور اللہ نے تم سے میری پیروی کا وعدہ بھی لیا ہے۔''

انھوں نے کہا: اے محمد! تمھیں غلط فہمی ہے کہ ہم جنگ سے نابلد لوگ ہیں، تمھیں اس بات کا علم ہونا چاہیے کہ ہم جنگجو اور بہت بہادر لوگ ہیں۔ تم نے قریش پر فتح حاصل کی ہے تو تمھیں ایک اچھا موقع مل گیا ہے۔ اللہ کی قسم! اگر تمھاری جنگ ہمارے ساتھ ہوتی تو تم لوگوں کو سمجھ آجاتی کہ تمھارا پالا کن لوگوں سے پڑا ہے۔[1]

رسول اللہ ﷺ خاموشی سے واپس تشریف لے آئے اور مسلمانوں کو بنوقینقاع سے جنگ کی تیاری کا حکم دے دیا۔ آپ ﷺ نے پندرہ راتوں تک بنوقینقاع کا محاصرہ کیے رکھا۔ پھر آپ ﷺ نے انھیں قلعہ سے نکلنے کا حکم دیا۔ وہ قلعہ سے باہر آئے تو ان کی مشکیں کس دی گئیں۔ آپ ﷺ انھیں قتل کرنا چاہتے تھے لیکن عبداللہ بن ابی آڑے آ گیا اور ان کے لیے آپ ﷺ سے سفارش کرنے لگا: اے محمد! میرے موالی پر احسان فرمائیے۔ رسول اللہ ﷺ نے اس کی طرف سے چہرہ مبارک پھیر لیا۔ اس نے اپنا ہاتھ رسول اللہ ﷺ کی ذرع کے گریبان میں ڈال دیا۔ رسول اللہ ﷺ نے غصے سے اُسے کہا کہ ''مجھے چھوڑ دے۔'' لوگوں نے آپ ﷺ کے چہرے پر غصے کے اثرات نمودار

[1] الروض الأنف:5/392.

ہوتے دیکھے۔ آپ ﷺ نے دوبارہ فرمایا: ''تیرے لیے افسوس، مجھے چھوڑ دے۔'' اس نے کہا: نہیں، اللہ کی قسم! میں آپ کو نہیں چھوڑوں گا حتیٰ کہ آپ میرے چار سو غیر مسلح اور تین سو زرہ پوش موالی کے بارے میں احسان فرمائیں۔ انھوں نے ہر مشکل میں میرا ساتھ دیا ہے۔ آپ تو ان کو ایک ہی صبح میں کاٹ کر رکھ دیں گے؟ بلاشبہ میں زمانے کی گردشوں سے ڈرتا ہوں۔ یہ سن کر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''وہ تیرے لیے ہیں۔''[1]

جب عبادہ بن صامت کو یہودیوں اور عبداللہ بن ابی کے معاملے کا علم ہوا تو وہ جلدی سے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہنے لگے: اے اللہ کے رسول! یقیناً یہود کے ساتھ میرے تعلقات بہت اچھے ہیں، وہ میرے دوست ہیں، شان و شوکت اور اسلحے کے لحاظ سے بھی مجھ سے زیادہ ہیں لیکن آج میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے لیے یہودیوں کی دوستی سے برأت کا اعلان کرتا ہوں۔ میرے دوست صرف اور صرف اللہ اور اس کے رسول ہیں۔[2]

عبداللہ بن اُبی نے کہا: میں تو یہودیوں کی دوستی سے اعلان براءت نہیں کروں گا۔ کیونکہ ان کے بغیر میرا گزارہ نہیں ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اے ابوحباب! کیا تیرا یہودیوں سے اس قدر گہرا تعلق ہے کہ تجھے عبادہ بن صامت کا یہود سے اظہار لاتعلقی کا موقف بھی قبول نہیں؟ چل تو عبادہ کو چھوڑ اور اپنا موقف اپنائے رکھ۔''[3] یہ سن کر عبداللہ بن ابی کہنے لگا: تب مجھے آپ کا فیصلہ قبول ہے۔ تو اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان نازل ہو گیا:

﴿ يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ لَا تَتَّخِذُوا۟ ٱلْيَهُودَ وَٱلنَّصَٰرَىٰٓ أَوْلِيَآءَ ۘ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ۚ وَمَن يَتَوَلَّهُم مِّنكُمْ فَإِنَّهُۥ مِنْهُمْ ۗ إِنَّ ٱللَّهَ لَا يَهْدِى ٱلْقَوْمَ

---

[1] الروض الأنف: 393/5. [2] أسباب النزول القرآن، ص: 191، والدر المنثور: 291/2.

[3] السيرة النبوية لابن هشام: 429/2، والتاريخ لابن الأثير: 238/2.

الظّٰلِمِیْنَ ○ فَتَرَی الَّذِیْنَ فِیْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ یُّسَارِعُوْنَ فِیْهِمْ یَقُوْلُوْنَ نَخْشٰۤی اَنْ تُصِیْبَنَا دَآىِٕرَةٌ ؕ فَعَسَی اللّٰهُ اَنْ یَّاْتِیَ بِالْفَتْحِ اَوْ اَمْرٍ مِّنْ عِنْدِهٖ فَیُصْبِحُوْا عَلٰی مَاۤ اَسَرُّوْا فِیْۤ اَنْفُسِهِمْ نٰدِمِیْنَ ○ وَ یَقُوْلُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اَهٰۤؤُلَآءِ الَّذِیْنَ اَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَیْمَانِهِمْ ۙ اِنَّهُمْ لَمَعَكُمْ ؕ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فَاَصْبَحُوْا خٰسِرِیْنَ ○ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَنْ یَّرْتَدَّ مِنْكُمْ عَنْ دِیْنِهٖ فَسَوْفَ یَاْتِی اللّٰهُ بِقَوْمٍ یُّحِبُّهُمْ وَ یُحِبُّوْنَهٗۤ ۙ اَذِلَّةٍ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ اَعِزَّةٍ عَلَی الْكٰفِرِیْنَ ؗ یُجَاهِدُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَ لَا یَخَافُوْنَ لَوْمَةَ لَآىِٕمٍ ؕ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ یُؤْتِیْهِ مَنْ یَّشَآءُ ؕ وَ اللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِیْمٌ ○ اِنَّمَا وَلِیُّكُمُ اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗ وَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوا الَّذِیْنَ یُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَ یُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَ هُمْ رٰكِعُوْنَ ○ وَ مَنْ یَّتَوَلَّ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ وَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا فَاِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْغٰلِبُوْنَ ○ ﴾

’’اے لوگو جو ایمان لائے ہو! یہودیوں اور عیسائیوں کو دوست نہ بناؤ، وہ آپس میں ایک دوسرے کے دوست ہیں اور تم میں سے جو بھی ان سے دوستی رکھے گا تو یقیناً وہ انھی میں سے ہوگا۔ بے شک اللہ ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا۔ (اے نبی!) بس آپ ان لوگوں کو دیکھتے ہیں جن کے دلوں میں (منافقت کا) روگ ہے کہ وہ دوڑ کر یہودیوں میں جاتے ہیں اور ان سے کہتے ہیں۔ ہمیں ڈر ہے کہ ہم کہیں مصیبت میں نہ پھنس جائیں، پھر قریب ہے کہ اللہ (تمھیں) فتح عطا کرے یا اپنی طرف سے کوئی اور بات ظاہر کرے، تو یہ لوگ (اپنی منافقت پر) پچھتائیں گے جسے وہ اپنے دلوں میں چھپائے ہوئے ہیں۔ اور (اس وقت) وہ لوگ جو ایمان لائے ہیں، کہیں گے: کیا یہی وہ لوگ ہیں جنھوں نے بڑی شد و مد سے اللہ کی قسمیں کھائی تھیں کہ بے شک وہ تمھارے

ساتھ ہیں۔ ان کے عمل برباد ہو گئے اور وہ خسارہ اٹھانے والوں میں ہو گئے۔ اے لوگو! جو ایمان لائے ہو! تم میں سے جو کوئی اپنے دین سے پھر جائے تو بس اللہ جلد ایسے لوگ لائے گا کہ وہ ان سے محبت کرتا ہو گا اور وہ اس سے محبت کرتے ہوں گے۔ وہ مومنوں پر نرمی کرنے والے ہوں گے اور کافروں پر سختی کرنے والے، وہ اللہ کی راہ میں جہاد کریں گے اور کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہ ڈریں گے، یہ اللہ کا فضل ہے، وہ جسے چاہتا ہے عطا کرتا ہے۔ اور اللہ (بڑی) وسعت والا، خوب جاننے والا ہے۔تمھارے دوست تو صرف اللہ اور اس کا رسول اور وہ لوگ ہیں جو ایمان لائے، جو نماز قائم کرتے ہیں اور زکاۃ دیتے ہیں اور رکوع کرنے والے ہیں اور جو کوئی اللہ اور اس کے رسول سے دوستی رکھتا ہے اور ان لوگوں سے دوستی رکھتا ہے جو ایمان لائے ہیں، تو (وہ اللہ کا گروہ ہیں اور) یقیناً اللہ کا گروہ ہی غالب آنے والا ہے۔''[1]

---

[1] المآئدہ 5:51-56.



تتمّہ

اے صحرانشینوں اور قرآن کی تعلیم سے اپنے سینوں کو منور کرنے والے طالبانِ علم! تم نے بہت خوب اور اچھا کام سرانجام دیا۔

اس مدرسے سے یہ طالب علم اور صحرانشین معلم بن کر نکلے، انھوں نے انسانیت کے لیے سیاست، حکومت اور معیشت کا ایسا منصوبہ تیار کیا کہ اکیسویں صدی کی حکومتیں بھی ان کے منصوبے کی محتاج ہیں۔ یہ لوگ دنیا میں نکلے تو دنیا کا ساز و سامان، مال و دولت، ملک اور اقتدار پر تسلط ان کا مقصد نہیں تھا بلکہ وہ تو صرف اس لیے نکلے تھے کہ دنیا میں اللہ کا حکم نافذ ہو جائے اور اسلام کا پرچم ہر سو لہرائے تا کہ وہ بہترین امت کے صحیح مصداق بن جائیں۔

﴿ وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا ﴾

”اور (جیسے تمھیں ہدایت دی) اسی طرح ہم نے تمھیں افضل اُمت بنایا تا کہ تم لوگوں پر گواہ ہو اور رسول تم پر گواہ ہوں۔“ [1]

امت مسلمہ تصور اور اعتقاد میں سب سے بہترین امت ہے جو روحانیت سمیت کسی

[1] البقرۃ 2:143.

معاملے میں غلونہیں کرتی ہے۔ نظم ونسق میں بھی سب سے بہتر ہے، یہ اپنی زندگی کو جذبات اور پوشیدہ محسوسات کے حوالے نہیں کرتی، نہ تادیب وتشریح کے لیے اپنے آپ کو چھوڑتی ہے بلکہ اپنی عقل اور فطرت کے ساتھ ہر کام انجام دیتی ہے۔

لوگوں کے ساتھ میل جول اور تعلقات کے حوالے سے بھی بہترین امت ہے۔ یہ فرد کی شخصیت اور اس کی قیمتی اشیاء کو لغو قرار نہیں دیتی، نہ کسی فرد پر حلقۂ جماعت میں کوئی قدغن لگاتی ہے، بلحاظِ مکان بھی یہ سب سے بہتر امت ہے، یہ زمین کے اعلیٰ حصے اور اس کے بہترین ٹکڑوں میں موجود ہے، یہ بلند ترین امت ہے، یہ امت ہمیشہ وہ امت رہی ہے جس نے زمین کو گھیر رکھا ہے، یہ وہ امت ہے جو زمین کے مشرق و مغرب شمال وجنوب کے اطراف میں پھیلی ہوئی ہے اور سب امتوں سے بہتر امت ہے۔ یہ عہد طفولیت سے لے کر آخری عمر تک شریعت سے راہنمائی لیتی ہے جس کی بدولت وہ ہر شر اور فتنے سے بچی رہتی ہے۔ اپنی ایمانی قوت کی بدولت اس نے عالم کفر کو ورطۂ حیرت میں ڈال دیا۔ قیصرِ روم کے دربار میں قبیلہ قضاعہ کا ایک آدمی ان کے اوصاف یوں بیان کرتا ہے:

''وہ رات کے وقت راہب ہوتے ہیں اور دن کے وقت شہسوار۔ اگر ان کے بادشاہ کا بیٹا بھی چوری کرلے تو وہ اس کا ہاتھ بھی کاٹ دیں اور اگر وہ زنا کرے تو اس پر حد قائم کر کے اسے رجم کر دیں۔''

قیصر اس آدمی کی بات سن کر حیران ہوا کیونکہ ایسا تو کوئی نبی ہی کر سکتا ہے اور نبی ﷺ کی موجودگی ہی میں یہ قانون لاگو ہو سکتے ہیں۔ قیصر نے ایک مشہور بات کہی:

''اگر تو سچا ہے تو ان لوگوں سے جنگ کرنے سے بہتر ہے کہ ہم ویسے ہی

مَر جائیں اور زمین کے نیچے چلے جائیں۔''

یقیناً وہ عرب کے صحرا سے ایسا قوی مزاج اور جذبہ لے کر نکلے جو انھیں کچھ کر گزرنے پر ابھارتا تھا، پھر یہ ایسی قوموں سے ٹکرا گئے جو اپنی ظاہری طاقت کے نشے میں چور تھیں۔

یہ اپنی نماز کی ابتدا بھی ''اللہ اکبر'' کے کلمات سے کرتے ہیں۔ گویا وہ اپنے ہر قسم کے محسوسات، نفسانی خواہشات اور شہوات سے پھر جانے کا اعلان کرتے ہیں۔ نفسانی خواہشات کو کچل دینے کی وجہ ہی سے انھیں دنیا میں بہت اعلیٰ مقام و مرتبہ حاصل ہوگیا۔ یقیناً وہ مسلمان ہی تھے جنھوں نے ساری دنیا میں حق اور باطل کے درمیان فرق واضح کیا۔ اپنے دین پر عمل کرنے اور اس کی برکات حاصل ہونے کی وجہ سے ان کا دائرہ کار وسیع ہوتا گیا وہ دین کی بدولت اور نفسانی خواہشات سے بچنے کی وجہ سے جب بھی کسی پر تلوار سونتتے تو دینی تعلیمات کو سامنے رکھ کر سونتتے اور جب اسے نیام میں رکھتے تب بھی اسی قانون کے تحت رکھتے تھے۔ انھوں نے لوگوں کو تہذیب و تمدن اور اخلاق کی تعلیمات سے آگاہ کرنے کے لیے مسلح اور غیر مسلح پیش قدمی کی۔ ان کے جہاد کا سبب بھی اخلاق تھا اور ان کا اسلحہ بھی بذات خود اخلاق والا ہی ہوتا تھا۔

یقیناً یہ قانون اخلاق کا قانون تھا وہ ان کے تمام حربی معرکوں میں اسپیشل یارڈ کی حیثیت رکھتا تھا حتی کہ جھڑپیں شدت پر ہوتیں، تلواریں گردنیں کاٹ رہی ہوتیں اور بہادروں کو پچھاڑا جا رہا ہوتا تو تب بھی یہ اخلاق ہی کی دعوت دے رہے ہوتے تھے۔

سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے ایک معرکے میں دشمن کو گھوڑے سے گرا کر اس پر قابو پا لیا، قریب تھا کہ آپ رضی اللہ عنہ اس کا سر تن سے جدا کر دیتے لیکن آپ رضی اللہ عنہ نے ایسا نہ کیا اور

اسے چھوڑ دیا۔ سیدنا بلال رضی اللہ عنہ بھی وہاں موجود تھے، وہ یہ منظر دیکھ رہے تھے۔ انھوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے سوال کیا: اے علی! تم نے اللہ کے دشمن کو کیوں چھوڑ دیا۔ اسے قتل کیوں نہیں کیا؟

سیدنا علی رضی اللہ عنہ کہنے لگے: ''اے میرے بھائی! اس نے میرے چہرے پر تھوک دیا۔ مجھے شدید غصہ آیا، اسی لیے میں نے اسے قتل نہیں کیا۔ کیونکہ میں تو اس شخص سے اللہ کے لیے لڑ رہا تھا۔ میں اپنی ذات کے لیے کسی سے نہیں لڑتا، چونکہ اس کے تھوکنے کی وجہ سے مجھے ذاتی طور پر غصہ آ گیا تھا، اس لیے میں نے اسے چھوڑ دیا۔''

کسی کہنے والے نے سچ ہی کہا ہے کہ ان کی تلواریں بھی اخلاق والی تھیں۔



ساتویں آیت

بسم اللہ الرحمن الرحیم

﴿يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّمَنْ فِيْٓ اَيْدِيْكُمْ مِّنَ الْاَسْرٰٓى اِنْ يَّعْلَمِ اللّٰهُ فِيْ قُلُوْبِكُمْ خَيْرًا يُّؤْتِكُمْ خَيْرًا مِّمَّآ اُخِذَ مِنْكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ۗ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ○﴾

"اے نبی! جو قیدی تمھارے ہاتھوں گرفتار ہیں، آپ ان سے کہہ دیں: اگر اللہ تمھارے دلوں میں بھلائی جان لے گا تو تمھیں اس (فدیے) سے کہیں بہتر عطا کرے گا جو تم سے لیا گیا ہے اور تمھیں بخش دے گا اور اللہ بہت بخشنے والا، نہایت رحم کرنے والا ہے۔"[1]

[1] الأنفال 8:70.



نزول آیت کے متعلق علماء کے اقوال

علماء اس بات پر متفق ہیں کہ یہ آیت عباس بن عبدالمطلب ، عقیل بن ابی طالب اور نوفل بن حارث کے متعلق نازل ہوئی۔ دیکھیے:

صحيح مسلم، 156/5.

مجمع الزوائد: 8/7.

المستدرك للحاكم:3/324.

الدر المنثور:3/204.

أسباب نزول القرآن للواحدي، ص:238.

آیئے! عباس بن عبدالمطلب کے متعلق آگاہی حاصل کرتے ہیں۔



عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا تھے اور آپ کو اپنے چچا سے بہت زیادہ محبت تھی، آپ رضی اللہ عنہ دیگر لوگوں کی نسبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زیادہ قریب تھے۔

تاریخی روایات

اصحاب الفیل کی مکہ آمد سے تین سال قبل آپ رضی اللہ عنہ کی ولادت ہوئی۔ اس پر تمام مؤرخ متفق ہیں۔

والدِ محترم

آپ کے والد کا نام عبدالمطلب ہے جن کا ابرہہ کے ساتھ یہ مکالمہ بہت مشہور ہے۔

"اونٹوں کا مالک میں ہوں، اس لیے ان کا مطالبہ کر رہا ہوں اور جو اس گھر کا مالک ہے وہ خود ہی اس کی حفاظت کر لے گا۔" [1]

والدہ محترمہ

آپ کی والدہ کا نام "نتیلة" بنت خباب بن کلیب ہے، یہ پہلی عرب خاتون ہیں جنھوں نے بیت اللہ پر ریشم اور دیباج کا غلاف چڑھایا تھا۔ ان کا بیٹا عباس بچپن میں

[1] الطبقات لابن سعد: 4/5، و تفسیر ابن کثیر: 4/581.

گم ہو گیا، انھوں نے اللہ کے لیے نذر مانی کہ اگر ان کا بچہ مل گیا تو وہ بیت الحرام پر ریشم اور دیباج کا غلاف چڑھائے گی، جب اللہ نے اس کا بیٹا لوٹا دیا تو اس نے اپنی نذر کو پورا کرتے ہوئے کعبۃ اللہ پر ریشم و دیباج کا غلاف چڑھایا۔ [1]

زوج العباس

آپ کی بیوی ام الفضل ایک دانا اور عقلمند عورت تھیں، ان کا تذکرہ عربی شاعر اپنے شعروں میں بڑے احترام سے کرتے ہیں۔

اولاد

سیدنا عباس رضی اللہ عنہ کی اولاد میں سے سب سے بڑے بیٹے کا نام فضل بن عباس رضی اللہ عنہ تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے موقع پر انھیں اپنی سواری پر اپنے پیچھے بٹھایا تھا۔ طاعون عمواس کی بیماری کے سبب ملک شام میں ان کی وفات ہوئی۔ آپ رضی اللہ عنہ کے دوسرے بیٹے کا نام عبداللہ حبر الامہ تھا، ان کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی تھی، یہ وادئ طائف میں فوت ہوئے تھے۔ آپ رضی اللہ عنہ کے تیسرے بیٹے کا نام قثم تھا، یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بہت زیادہ مشابہت رکھتے تھے۔ جہاد کی غرض سے خراسان کی طرف گئے اور سمرقند پہنچ کر فوت ہو گئے۔

ان کے ایک بیٹے کا نام معبد تھا جو افریقہ کے بیابانوں میں جہاد کرتے ہوئے شہید ہوئے۔ ان کے ایک بیٹے عبداللہ نہایت سخی اور مالدار تھے، ان کی وفات مدینہ میں ہوئی۔ آپ رضی اللہ عنہ کی بیٹی ام حبیبہ کے متعلق تاریخ خاموش ہے۔

سیدنا عباس رضی اللہ عنہ کے ذمے زمانہ جاہلیت میں مسجد حرام کو آباد کرنے اور حاجیوں کو

[1] الاستیعاب: 811/2.

پانی پلانے کی ذمہ داری تھی۔ مؤرخین نے آپ کے اسلام لانے کی تاریخ کے متعلق اختلاف کیا۔ بعض نے کہا کہ آپ فتح خیبر سے پہلے مسلمان ہو چکے تھے اور بعض نے کہا ہے کہ آپ غزوۂ بدر سے بہت پہلے اسلام قبول کر چکے تھے اور رسول اللہ ﷺ کی طرف مشرکین کی خبریں لکھ کر ارسال کیا کرتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ کے مدینہ ہجرت کر جانے کے بعد جو لوگ مکہ میں رہ گئے تھے وہ ظلم و ظلم سے بچنے کے لیے انھی کے پاس پناہ لیتے تھے۔ آپ رضی اللہ عنہ نے بھی مدینے کی طرف ہجرت کرنے کا ارادہ کیا تو آپ ﷺ کو پیغام بھیجا، رسول اللہ ﷺ نے انھیں لکھا کہ ابھی آپ کا مکہ ہی میں رہنا بہتر ہے۔[1] انھوں نے رسول اللہ ﷺ کی ہدایت پر عمل کرتے ہوئے ہجرت نہ کی۔ یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ آخر عباس رضی اللہ عنہ نے اسلام لانے کا اعلان کیوں نہیں کیا؟

کیا انھوں نے اسلام اور مسلمانوں کی مصلحت کی خاطر خاموشی اختیار کی تھی؟ بلاشبہ آپ ﷺ کے چچا حمزہ رضی اللہ عنہ جلدی اسلام لائے اور انھوں نے اس بات کا سردارانِ قریش کے سامنے برملا اعلان بھی کیا۔ سیدنا عباس رضی اللہ عنہ کے لیے اسلام کا برملا اعلان کرنے میں کون سی چیز مانع تھی؟

رافع رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کا غلام تھا، ہمارے گھر میں اسلام داخل ہو چکا تھا، عباس اور ام الفضل رضی اللہ عنہا مسلمان ہو چکے تھے لیکن عباس رضی اللہ عنہ نے اپنی قوم کی مخالفت سے ڈرتے ہوئے اسلام کا برملا اظہار نہ کیا۔[2]

اگر یہ بات سچ ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ کے برملا اسلام کا اظہار کرنے کے بیچ خوف حائل

[1] الاستیعاب: 812/2۔ [2] الطبقات لابن سعد: 10/4۔

ہو گیا تھا تو پھر آپ کا رسول اللہ ﷺ کا ساتھ دینے، آپ ﷺ کے ساتھ کعبہ کی طرف جانے اور آپ ﷺ کی مجلسوں میں شریک ہونے کا کیا مطلب ہے؟

کعب بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

میں اور براء بن معرور نکلے، ہم رسول اللہ ﷺ کے متعلق لوگوں سے پوچھ رہے تھے، اس وقت ہم آپ کو پہچانتے نہیں تھے، نہ ہم نے اس سے پہلے آپ کو دیکھا تھا۔ ہم مکہ کے ایک آدمی سے ملے، اور اس سے رسول اللہ ﷺ کے متعلق پوچھا۔ اس نے کہا کہ کیا تم انھیں پہچانتے ہو؟ ہم نے کہا: نہیں۔

اس نے کہا: کیا تم ان کے چچا عباس بن عبدالمطلب کو پہچانتے ہو؟ ہم نے کہا: جی ہاں! ہم عباس کو پہچانتے تھے۔ وہ ہمیشہ ہمارے پاس بحیثیت تاجر آیا کرتے تھے۔

اس نے کہا: جب تم مسجد میں داخل ہو گے تو جو آدمی عباس رضی اللہ عنہ کے ساتھ بیٹھا نظر آئے گا وہی محمد (ﷺ) ہے۔ جب ہم مسجد میں داخل ہوئے تو عباس رضی اللہ عنہ وہاں موجود تھے اور ان کے ساتھ رسول اللہ ﷺ تشریف فرما تھے۔[1]

سیدنا عباس رضی اللہ عنہ کا رسول اللہ ﷺ کے پاس آنا جانا لگا رہتا تھا۔ بیعت عقبہ ثانیہ کے موقع پر تو آپ رضی اللہ عنہ کے اسلام کا انکار نہیں کیا جا سکتا کیونکہ انصار کے حق میں سب سے پہلے آواز بلند کرنے والے سیدنا عباس رضی اللہ عنہ ہی تھے۔ انھوں نے کہا: اے خزرج کی جماعت! (اُس وقت قبیلہ اوس و خزرج کو خزرج کہہ کر ہی پکارا جاتا تھا) تم نے محمد ﷺ کو اپنے پاس آنے کی دعوت دی ہے تو یہ بات یاد رکھو کہ محمد ﷺ اپنے قبیلے میں سب سے زیادہ عزت والے ہیں۔ ہم میں سے جس نے بھی ان کی دعوت کو نہیں مانا

[1] البداية والنهاية: 3/158.

اسے اس کے حسب ونسب اور مال و دولت نے اس بات پر ابھارا۔ یقیناً محمد ﷺ نے تمھارے علاوہ تمام لوگوں کی دعوت قبول کرنے سے انکار کیا ہے۔ اگر تم طاقت رکھتے ہو اور پورے عرب کی دشمنی اور جنگوں پر صبر و استقامت اختیار کر سکتے ہو تو ٹھیک ہے ورنہ اپنے فیصلے پر غور و فکر کر لو کیونکہ تم پر یکے بعد دیگرے تیروں کی برسات ہوگی، لہٰذا اپنے معاملے پر اپنے سرداروں سے مشورہ کر لو، سب سے اچھی بات وہی ہے جو سیدھی، صاف اور کھری ہو۔[1] ایسی باتیں معاملات کی سنگینی اور پریشانیوں سے نکلنے کا حل بتاتی ہیں اور حالات جس چیز کا تقاضا کرتے ہیں اسے خوب سمجھاتی ہیں۔ سیدنا عباس رضی اللہ عنہ نے یہیں پر ہی اکتفا نہ کیا بلکہ ان کی حقیقت کو سمجھنے اور کھرے کھوٹے کا فرق واضح کرنے کے لیے کہا کہ تم میرے سامنے لڑائی کے پینترے بیان کرو اور بتاؤ کہ تم دشمن کا مقابلہ کیسے کرتے ہو؟

عبداللہ بن عمر بن حرام کھڑے ہو گئے، انھوں نے کہا:

"اللہ کی قسم! ہم جنگجو لوگ ہیں، ہم جنگی آلات سے محبت کرتے ہیں۔ ہم نے اسے اپنے آباء سے اور ہمارے بڑوں نے اپنے بڑوں سے وراثت میں پایا، ہم تیر اس انداز سے پھینکتے ہیں کہ ہدف پر جا لگے، ہم نیزوں سے وار کرتے ہیں حتی کہ نیزے ٹوٹ جائیں۔ پھر ہم تلواروں کے ساتھ چل پڑتے ہیں اور اپنے دشمن پر شیروں کی طرح جھپٹ پڑتے ہیں اور اس بہادری سے لڑتے ہیں کہ یا تو خود مر جاتے ہیں یا دشمن پر غلبہ حاصل کر لیتے ہیں۔"

ان کا یہ جواب سن کر عباس رضی اللہ عنہ کا چہرہ چمک اٹھا، وہ ان لوگوں سے مطمئن ہو گئے

[1] البداية والنهاية: 159/3.

جنھیں وہ اپنی سب سے زیادہ محبوب ہستی کو سونپنے والے تھے۔ کچھ دیر بعد سیدنا عباس رضی اللہ عنہ نے پھر استفسار کیا شاید وہ پہلے یہ بات بھول گئے تھے۔ انھوں نے کہا: اگر تم جنگ و جدل والے لوگ ہو تو کیا تمھارے پاس ذرعیں موجود ہیں؟ انھوں نے کہا: جی ہاں! ہمارے پاس بہت زیادہ ذرعیں موجود ہیں۔ اس جواب سے عباس رضی اللہ عنہ مزید مطمئن ہو گئے۔ یقیناً جو بھی عباس رضی اللہ عنہ اور انصار کے درمیان ہونے والی گفتگو پر غور و فکر کرے گا تو وہ ابتدا ہی میں سمجھ جائے گا کہ عباس رضی اللہ عنہ ایک مسلمان ہی کی طرح بات کر رہے تھے۔

سیدنا عباس رضی اللہ عنہ نے مزید کہا کہ اصل بات یہ ہے کہ عرب اس نئے دین کو ہرگز برداشت نہیں کریں گے وہ ضرور اس کے درپے ہوں گے اور اس کے سامنے ہر قسم کی رکاوٹ کھڑی کریں گے۔ اس دین کو قبول کرنے والوں کے خلاف ہر قسم کا ہتھیار استعمال کریں گے اور ان کے ساتھ جنگ کریں گے۔ بلاشبہ یہ بہت سخت کام ہے اور اس کے لیے تیاری بھی بڑے پیمانے پر کرنی چاہیے۔ بہادر لوگ ہی یہ کام انجام دے سکتے ہیں۔

اس دین کے پھیلاؤ کے لیے صرف محبت ہی کافی نہیں ہے، حالانکہ یہ وہ لوگ تھے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں مدینہ سے حاضر ہوئے تھے اور یہ لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنی اولادوں اپنے مال اور اپنے اہل سے بھی زیادہ محبت رکھتے تھے، یہ ساری باتیں بہت اچھی تھیں لیکن تحریک دعوتِ دین صرف محبت سے نہیں چلائی جا سکتی اور اس کے دشمنوں پر اختلاج قلوب کے ساتھ غلبہ حاصل نہیں کیا جا سکتا بلکہ غلبہ ایسے لوگوں کو حاصل ہوتا ہے جن کو جنگوں کی مکمل سوجھ بوجھ ہو اور وہ عقیدے کی راہ میں میدان

جہاد میں کود کر جان کی بازی لگا دیں، یہی وہ بات تھی جس پر عباس رضی اللہ عنہ مطمئن ہوئے تھے۔ زندگی کی خبر رکھنے والا، لوگوں کے جذبات اور ان کی پہچان رکھنے والا شخص ان کی صرف محبت والی بات پر اکتفا نہیں کرسکتا بلکہ وہ ان سے جنگ کے طور طریقے پوچھے گا تاکہ اس سے ان کی نیتوں کی تصدیق ہو سکے۔ عباس رضی اللہ عنہ نے بھی ان ہی امور پر عمل کیا۔ تب جا کر ان کا دل انصار اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مابین بیعت مکمل ہونے پر نرم ہوا۔

اللہ نے جو چاہا پورا کیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ کی طرف ہجرت کرنے کی تیاری کرنے لگے۔ کیا عباس رضی اللہ عنہ ہجرت کے وقت کو جانتے تھے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں کوچ کرنے کا معین وقت بتا دیا تھا؟ ہم اپنے سامنے ایسے دلائل نہیں پاتے جو اس بات کو ثابت کرسکیں۔

عباس رضی اللہ عنہ مکہ ہی میں رہے۔ ان کے پاس ان لوگوں کی خبریں پہنچتی رہتی تھیں جنھوں نے دین کی خاطر مدینہ کی طرف ہجرت کی تھی۔ آپ رضی اللہ عنہ سردارانِ قریش کی نقل وحرکت پر کڑی نظر رکھتے تھے اور ان کی خبروں اور منصوبوں سے رسالت ماب صلی اللہ علیہ وسلم کو بذریعہ مکاتیب آگاہ کرتے رہتے تھے، حتیٰ کہ بدر کا معرکہ بج گیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا کہ قریش عباس رضی اللہ عنہ اور ان کے اہل خانہ کو بھی اپنے ساتھ بدر کے میدان میں لے آئے ہیں تاکہ وہ ان کے ساتھ مل کر مسلمانوں سے لڑائی کریں، حالانکہ عباس رضی اللہ عنہ اس لڑائی کے خلاف تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''مجھے معلوم ہے کہ بنو ہاشم کے کچھ لوگوں کو زبردستی اپنے ساتھ لایا گیا ہے وہ ہمارے ساتھ لڑائی کو اچھا خیال نہیں کرتے جو تم میں سے بنو ہاشم میں سے کسی شخص

سے ملے، وہ اسے قتل نہ کرے اور تم میں سے جس کا سامنا بھی عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ سے ہو تو وہ انھیں قتل نہ کرے کیونکہ ان کو اس جنگ میں زبردستی شریک کیا گیا ہے۔''

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ سے یہ باتیں کیں تو کسی نے بھی آپ کی ان باتوں پر اعتراض نہیں کیا۔ ابوحذیفہ بن عتبہ بن ربیعہ نے کہا کہ یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ ہم اپنے بچوں، بیٹوں، بھائیوں اور اپنے کنبے کے لوگوں کو تو قتل کریں اور عباس رضی اللہ عنہ کو چھوڑ دیں؟ اللہ کی قسم! اگر میرا سامنا عباس رضی اللہ عنہ سے ہوا تو میں اسے ضرور قتل کروں گا۔ [1]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس بات کا علم ہوا تو آپ نے عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے فرمایا: ''اے ابوحفص! کیا رسول اللہ کے چچا کے چہرے پر تلوار ماری جائے گی؟'' عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: اے اللہ کے رسول! مجھے اجازت دیں میں اس کی گردن اڑا دوں۔ اللہ کی قسم! یہ منافق ہو گیا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عمر رضی اللہ عنہ کی بات کی تائید و موافقت نہ کی اور انھیں اس کام سے روکے رکھا کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کو اصلاح کا موقع دیتے تھے کہ شاید یہ اپنی غلطی پر شرمندہ ہو جائیں اور اپنی خطاؤں کا کفارہ ادا کریں۔ ابوحذیفہ رضی اللہ عنہ بعد میں اس بات پر سخت شرمندہ ہوئے۔ وہ ہمیشہ اس بات کو دہراتے اور پریشان ہوجاتے تھے۔

وہ اکثر کہا کرتے تھے: ''اللہ کی قسم! میں اپنی اس بات کی وجہ سے ہمیشہ خوف محسوس کرتا ہوں مگر مجھے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ میری شہادت کے ذریعے اس غلطی کو بھی مٹا دے گا۔'' [2]

اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا کو قبول کیا اور ان کے مطالبے کو پورا کر دیا۔ آپ جنگ

---

[1] السیرۃ النبویۃ لابن ہشام:2/269. [2] السیرۃ النبویۃ لابن ہشام:2/270.

یمامہ میں لڑتے ہوئے شہید ہو گئے۔

اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو عظیم فتح سے نوازا تھا، اس سے مسلمانوں کی معیشت مضبوط ہو گئی۔ سیدنا عباس رضی اللہ عنہ نوفل بن حارث رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہجرت کر کے مدینہ آ گئے۔ آپ کی تاریخ ہجرت کے بارے میں مؤرخین میں اختلاف پایا جاتا ہے لیکن سب مؤرخین اس بات پر متفق ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عباس رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھی نوفل بن حارث کو مدینہ کے پڑوس میں بطور جاگیر ایک جگہ مرحمت فرمائی تھی۔

مدینہ میں ایک شخص نے عباس رضی اللہ عنہ کے آباء میں سے کسی کو بُرا بھلا کہا، وہ آدمی عباس رضی اللہ عنہ کو ایذا دینے کے لیے بار بار وہی بات دہرا رہا تھا۔ عباس رضی اللہ عنہ کو غصہ آ گیا، انھوں نے اسے ایک زور دار تھپڑ رسید کر دیا۔ اس شخص نے دہائی دی تو اس کی ساری قوم بدلہ لینے کے لیے جمع ہو گئی۔

انھوں نے کہا: اللہ کی قسم ہم اسے ضرور تھپڑ ماریں گے جس طرح اس نے ہمارے ساتھی کو تھپڑ مارا ہے۔ وہ مسلح ہو گئے۔ یہ بات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر تشریف لائے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا بیان کی اور فرمایا:

''اے لوگو! تمھیں معلوم ہے کہ اللہ کے ہاں سب سے زیادہ معزز کون ہے؟''

لوگوں نے کہا: آپ ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''عباس مجھ سے ہے اور میں اس سے ہوں۔ تم مُردوں کو گالی مت دو کیونکہ اس سے زندوں کو تکلیف پہنچتی ہے۔''[1]

قوم آئی اور اس نے کہا: اے اللہ کے رسول! ہم آپ کے غصے سے اللہ تعالیٰ کی پناہ میں آتے ہیں۔ اے اللہ کے رسول! آپ ہمارے لیے اللہ سے بخشش طلب کیجیے

[1] الطبقات لابن سعد: 24/4.

تاکہ اللہ ہماری لغزشوں کو معاف فرما دے۔

ابو مجلز رضی اللہ عنہ کی روایت سے بھی اس واقعے کی تائید ہوتی ہے، وہ بیان کرتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''عباس میرے چچا ہی نہیں بلکہ وہ میرے باپ کی جگہ پر ہیں۔ جس نے عباس رضی اللہ عنہ کو تکلیف دی اس نے مجھے تکلیف دی۔'' عباس رضی اللہ عنہ نے کہا: اے اللہ کے رسول! آپ مجھے کسی امارت پر امیر مقرر فرما دیں۔ لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں امارت عطا نہیں کی کیونکہ مسلمانوں میں ایسے بھی لوگ موجود تھے جو ان سے زیادہ صائب الرائے، تجربہ کار اور امارت کے زیادہ حق دار تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عباس رضی اللہ عنہ کو بڑے پیار سے کہتے: ''اے عباس! اے نبی کے چچا! آپ کے لیے امارت کا نہ ملنا امارت ملنے سے بہتر ہے۔''[1]

عباس رضی اللہ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بات پر قناعت کر لیتے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی عباس رضی اللہ عنہ کا بہت خیال رکھتے تھے اور وہ بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت سے راضی رہتے تھے۔ دن گزرتے رہے، ایک دفعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسے عاملوں کی ضرورت پیش آئی جو مسلمانوں سے صدقات اور زکاۃ اکٹھی کریں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ میں اس بات کا اعلان کیا تو عباس رضی اللہ عنہ نے دوسری مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے امارت اور ذمہ داری کا مطالبہ کیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اے چچا! میں آپ کو لوگوں کے گناہوں کی دھول پر عامل نہیں بنا سکتا۔'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عباس رضی اللہ عنہ کو کسی بھی عہدے پر فائز نہ کیا، نہ انھیں صدقات و زکاۃ جمع کرنے پر عامل مقرر کیا اور نہ انھیں دنیا کے کاموں میں سے کسی کام کی ترغیب دلائی۔

[1] الطبقات لابن سعد: 27/4.

عباس رضی اللہ عنہ تیسری مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہنے لگے:

''میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا چچا ہوں۔ بوڑھا ہو گیا ہوں اور موت کی پرچھائیوں کو صاف محسوس کر رہا ہوں۔ آپ مجھے کوئی ایسی چیز بتایئے جس سے اللہ مجھے فائدہ دے۔''

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اے میرے چچا! اللہ سے اپنی عافیت اور بخشش کا سوال کرتے رہیے، اپنے اعمال اچھے رکھیے، اللہ کے امر کے معاملے میں، میں آپ کے کچھ کام نہیں آسکوں گا۔''

تقدیر کا فیصلہ صادر ہوا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی موت کا وقت قریب آ پہنچا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کئی دن بیمار رہنے کے بعد اپنے خالقِ حقیقی سے جا ملے۔ عباس رضی اللہ عنہ کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی جدائی کا شدید صدمہ پہنچا، وہ غمزدہ رہنے لگے۔ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں عباس رضی اللہ عنہ کو لوگ بے حد عزت و احترام سے دیکھتے تھے۔ وہ لوگوں میں معزز ترین شخص کی حیثیت سے زندہ رہے۔

سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ خلیفہ بنے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ جس راستے سے مسجد کی طرف جاتے تھے اسی راستے پر عباس رضی اللہ عنہ کا گھر تھا۔ ان کے گھر کی چھت پر ایک پرنالہ تھا، اس کا پانی باہر گلی میں گرتا تھا۔ ایک دن سیدنا عمر رضی اللہ عنہ مسجد کی طرف جا رہے تھے، جب آپ سیدنا عباس رضی اللہ عنہ کے گھر کے قریب پہنچے تو اس پرنالے سے پانی گرا جس سے آپ کے کپڑے بھیگ گئے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو غصہ آیا، انھوں نے اس پرنالے کو اکھاڑنے کا حکم دے دیا۔ پھر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ گھر واپس گئے، کپڑے تبدیل کیے، مسجد پہنچے اور لوگوں کو نماز پڑھائی۔ عباس رضی اللہ عنہ عمر رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور کہنے لگے: اے عمر! اللہ کی قسم! یہ پرنالہ اللہ کے

رسول ﷺ نے اپنے مبارک ہاتھوں سے لگایا تھا۔ یہ پرنالہ اسی جگہ پر رہے گا جس جگہ اسے اللہ کے رسول ﷺ لگا گئے ہیں۔ یہ سن کر عمر رضی اللہ عنہ نے عباس رضی اللہ عنہ سے کہا: میں آپ کو اللہ کی قسم دیتا ہوں، آپ میری کمر پر سوار ہو جائیں اور یہ پرنالہ اسی جگہ نصب کر دیں جہاں اللہ کے رسول ﷺ نے لگایا تھا۔ عباس رضی اللہ عنہ امیر المومنین کے کندھے پر سوار ہوئے اور پرنالے کو اسی جگہ نصب کر دیا جہاں اللہ کے رسول ﷺ نے نصب فرمایا تھا۔

عباس رضی اللہ عنہ پرنالہ اکھاڑنے کی وجہ سے غضبناک نہیں ہوئے بلکہ وہ عمر رضی اللہ عنہ کو بتا رہے تھے کہ یہ وہ پرنالہ ہے جسے رسول اللہ ﷺ نے اس جگہ پر خود اپنے مبارک ہاتھوں سے نصب کیا تھا۔ یہ سن کر اپنے عہد کے سب سے زیادہ طاقتور حکمران عمر رضی اللہ عنہ پر ایسی گھبراہٹ طاری ہوئی جس کی وجہ سے ان کے شانے کانپنے لگے، انھوں نے بڑے درد اور ملال سے کہا: افسوس! میں نے اس چیز کو اکھڑوا دیا ہے جسے رسول اللہ ﷺ نے اپنے مبارک ہاتھوں سے نصب کیا تھا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اس غلطی کا کفارہ اس طرح ادا کیا کہ انھوں نے اپنی پشت پر عباس رضی اللہ عنہ کو سوار کیا تاکہ وہ پرنالہ اسی جگہ نصب کریں جہاں اللہ کے رسول نے نصب کیا تھا۔ بعد ازاں امیر المومنین عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے اپنے لیے اعزاز سمجھتے ہوئے سیدنا عباس رضی اللہ عنہ کی جبین پر محبت بھرے انداز سے بوسہ دیا۔

سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے محسوس کیا کہ مسجد کے نمازیوں کی تعداد بڑھتی جا رہی ہے اور مسجد کی جگہ کم پڑ گئی ہے تو انھوں نے اس کی توسیع کے متعلق غور کیا اور اپنے ساتھیوں سے مشورہ کیا تو انھوں نے بھی آپ رضی اللہ عنہ کی موافقت کی۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ مسجد

کے اردگرد کی جگہ خریدنے لگے۔ عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کا گھر باقی رہ گیا۔ عمر رضی اللہ عنہ کے دل میں خیال آیا کہ کیا یہ ممکن ہے کہ وہ اپنا گھر مسلمانوں کے بیت المال کے لیے خیرات کردیں؟ یا وہ اس کو بیچنا اور اس کی قیمت لینا قبول کریں گے؟ انھوں نے سیدنا عباس رضی اللہ عنہ سے درخواست کی: اے ابو الفضل! مسجد کی جگہ تنگ پڑ گئی ہے۔ میں نے اس کے اردگرد کے گھروں کو مسجد کی وسعت کی خاطر خرید لیا ہے۔ آپ کا گھر اور امہات المومنین رضی اللہ عنہن کے گھر باقی رہ گئے ہیں۔ امہات المومنین رضی اللہ عنہن کے مکانات کا معاملہ زیادہ مشکل نہیں ہے۔ آپ بھی اپنا گھر مسجد کی توسیع کے لیے فروخت کردیں، اس کے لیے آپ جتنی رقم طلب فرمائیں گے میں آپ کو بیت المال سے ادا کر دوں گا۔ عباس رضی اللہ عنہ نے اپنا مکان فروخت کرنے سے انکار کردیا۔

عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: میں آپ کے سامنے تین باتیں رکھتا ہوں ان میں سے کوئی ایک پسند کر لیجیے:

① آپ مسلمانوں کے بیت المال میں سے جتنی قیمت لینا چاہیں لے لیں اور اس کے عوض یہ مکان فروخت کردیں۔

② مدینہ میں جہاں بھی آپ چاہیں قطعۂ اراضی لے لیں، میں بیت المال سے آپ کا مکان تعمیر کرا دوں گا۔

③ آپ اس کو مسلمانوں کے لیے صدقہ کردیں تاکہ وہ اللہ کے گھر کو وسیع کرسکیں۔

عباس رضی اللہ عنہ نے کہا: نہیں، اللہ کی قسم! ان شرائط میں سے مجھے کوئی شرط قبول نہیں۔

عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: آیئے! ہم اپنے مابین کوئی ثالث مقرر کرلیں۔

عباس رضی اللہ عنہ نے ثالث کے لیے ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کا انتخاب کیا۔ اب سیدنا عمر رضی اللہ عنہ

حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے ساتھ ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچے اور انھیں درپیش مسئلے سے آگاہ کیا۔ ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے دونوں بزرگوں کی بات سنی اور کہنے لگے: اگر آپ نے فیصلہ میرے سپرد کر دیا ہے تو میں آپ کو اس کے متعلق ایک حدیث سناتا ہوں جو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ نے داود علیہ السلام کو حکم دیا کہ تم میرا گھر تیار کرو اور اس میں میرا ذکر کرو تو انھوں نے بیت المقدس والی جگہ کا سروے کر کے اس کی حد بندی کر دی۔ اس زمین کی لوکیشن کو چوکور شکل میں بنانے کی راہ میں بنی اسرائیل کے ایک آدمی کا گھر حائل تھا۔ داود علیہ السلام نے وہ گھر اس سے خریدنے کا سوال کیا تو اس نے انکار کر دیا۔ داود علیہ السلام کے دل میں یہ بات آئی کہ کیوں نہ اس سے زبردستی یہ گھر لے لیا جائے تو اللہ تعالیٰ نے آپ علیہ السلام کی طرف وحی کی:

"اے داود! میں نے تجھے ایسا گھر بنانے کے لیے کہا تھا کہ جس میں تو میرا ذکر کرے لیکن تم نے میرے گھر کی تعمیر میں غصب سے کام لینا چاہا اور غصب میری شان کے لائق نہیں ہے اور تیری سزا یہ ہے کہ اب تو میرا گھر نہیں بنا سکے گا۔"

داود علیہ السلام نے کہا: اے میرے رب! کیا میری اولاد میں سے بھی کوئی تیرے گھر کی تعمیر نہیں کر سکے گا؟

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "اے داود! تیری اولاد میں سے ایسے لوگ ہوں گے جو میرا گھر تعمیر کریں گے۔"

عمر رضی اللہ عنہ یہ سن کر غصے میں آ گئے، انھوں نے ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کو پکڑ کر جھنجھوڑا اور کہا کہ ہم آپ کے پاس اس لیے آئے کہ آپ مسئلے کو سلجھائیں لیکن آپ نے تو مسئلے کو مزید بگاڑ دیا۔ اے ابی بن کعب! یاد رکھو تم اس بات سے ضرور رجوع کرو گے۔ عمر رضی اللہ عنہ

ان کو کھینچتے ہوئے مسجد میں لے آئے تا کہ اس حدیث کی لوگوں سے تصدیق کر سکیں۔ مسجد میں اصحاب رسول ﷺ علمی مجلسیں لگائے بیٹھے تھے۔ ان میں ابوذر رضی اللہ عنہ بھی موجود تھے۔

عمر رضی اللہ عنہ لوگوں سے مخاطب ہو کر کہنے لگے: اے اصحاب محمد ﷺ! میں تمھیں رب کا واسطہ دے کر پوچھتا ہوں کہ تم میں سے کس کس نے وہ حدیث اللہ کے رسول سے سنی ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے داود علیہ السلام کو اپنا گھر بنانے کا حکم دیا تھا۔ ابوذر رضی اللہ عنہ نے کہا: میں نے یہ حدیث اللہ کے رسول ﷺ سے سنی ہے۔ ایک دوسرا بندہ کھڑا ہوا، اس نے کہا: میں نے بھی یہ حدیث رسول اللہ ﷺ سے سنی ہے۔

تیسرے نے کہا: میں نے بھی اسے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے۔

عمر رضی اللہ عنہ نے حدیث رسول کی تصدیق کر لی تو فوراً اپنا سر جھکا لیا اور کہا: اے عباس! اب میں آپ کے گھر کے متعلق بات نہیں کروں گا۔ عباس رضی اللہ عنہ نے امیر المومنین عمر رضی اللہ عنہ کا رسول اللہ ﷺ کی حدیث پر اس قدر زبردست مؤدب عمل دیکھا تو کہنے لگے: میں اپنا گھر مسجد کی توسیع کے لیے وقف کرتا ہوں۔ اگر آپ مجھ سے جھگڑا کرتے تو میں کبھی ایسا نہ کرتا۔

یقیناً عمر رضی اللہ عنہ عباس رضی اللہ عنہ سے اس وقت تک مکان کے متعلق بات کرتے رہتے جب تک وہ اپنا مکان مسجد کی توسیع کے لیے فروخت نہ کر دیتے لیکن آپ شریعت سے سرِمو انحراف نہیں کرتے تھے۔ جہاں رسول اللہ ﷺ کی حدیث آجاتی وہیں سر تسلیم خم کر دیتے تھے، پھر عمر رضی اللہ عنہ کا اپنا کوئی اجتہاد نہیں ہوتا تھا بلکہ وہ اس نص کے سامنے جھک جاتے تھے، اسی وجہ سے عباس رضی اللہ عنہ بھی جھک گئے اور اپنا مکان مسجد کی توسیع کے لیے

وقف کر دیا۔ یہ وہ حاکم تھے جو مسلمانوں کے معاملات اور مصلحتوں کو ہمیشہ پیش نظر رکھتے تھے۔

عمر رضی اللہ عنہ کو اس معاملے میں اتنی تڑپ کیوں نہ ہوتی یہ تو مسلمانوں کی فلاح کا کام تھا اور ان کے واجبات میں شامل تھا بلکہ یہ تو سب سے ضروری کام تھا کہ مسلمانوں کے لیے مسجد کو وسیع کر دیا جائے، اسی لیے وہ لوگوں سے جگہ خرید رہے تھے۔ یقیناً یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تربیت یافتہ لوگ تھے جنھوں نے پہلی مرتبہ اپنے آپ کو قرآنی تعلیم سے سیراب کیا تھا، یقیناً یہ اسلام کی صف اول کے لوگ تھے جنھوں نے اسلام کے پرچم کو زمین کے چہار سُو لہرا دیا اور ساری دنیا میں اسلامی تعلیمات کی تبلیغ کے لیے پھیل گئے، اس طرح انھوں نے بگڑے ہوئے معاشروں کو مہذب بنا دیا اور انسانوں کو ان کے حقوق کے ساتھ جینے کا سبق سکھایا۔

ایک دفعہ عمر رضی اللہ عنہ ایک بڑی مشکل میں گرفتار ہو گئے جس کے حل کے لیے ایک روشن ذہن، ذکی عقل اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی مدد اور توفیق کی ضرورت تھی۔ بارش نہ ہونے کی وجہ سے زمین خشک سالی کا شکار ہوگئی، مال مویشی ہلاک ہونے لگے، بچے بھوک سے بلکنے لگے، لوگ بے تاب ہوگئے، پریشانی کے عالم میں لوگ عمر رضی اللہ عنہ کی طرف دوڑے آئے، وہ قحط سالی اور بھوک کے بارے میں شکایت کر رہے تھے۔ اور عمر رضی اللہ عنہ مسلمانوں میں سے مالداروں کو خرچ کرنے کی دعوت دے رہے تھے اور وہ امراء کو پیغام بھیج کر ان سے مدد کی درخواست کر رہے تھے لیکن معاملہ دن بدن بگڑتا ہی جا رہا تھا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ مسجد میں بیٹھے رہتے اور اپنے رب سے گریہ زاری کرتے رہتے تھے کہ اے اللہ! جس مشکل میں ہم پھنسے ہوئے ہیں اس مشکل سے ہمیں نجات

عطا فرما۔

کعب بن اُبی سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے پاس آئے۔ انھیں سلام کیا اور کہنے لگے: اے امیرالمومنین! بنی اسرائیل کو جب بھی اس طرح کی کوئی مصیبت پہنچتی تو وہ انبیاء کے عزیز و اقارب کے ذریعے سے بارش طلب کرتے تھے۔ ہمارے درمیان بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا عباس رضی اللہ عنہ موجود ہیں، ان کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ عباس میرے چچا ہی نہیں بلکہ میرے باپ کی طرح ہیں۔ اور وہ بنو ہاشم کے سردار بھی ہیں تو ہمیں ان کے ذریعے اللہ سے بارش کا سوال کرنا چاہیے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے کعب رضی اللہ عنہ کی بات مان لی۔ پھر وہ دونوں عباس رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور اپنا ارادہ ان کے سامنے ظاہر کیا۔ عمر رضی اللہ عنہ نے ان سے لوگوں کی اس مشقت اور پریشانی کی شکایت بیان کی جس میں وہ مبتلا تھے۔ عباس رضی اللہ عنہ نے مسلمانوں کی ضرورت کی وجہ سے عمر رضی اللہ عنہ کی بات مان لی اور ان کے ساتھ مسجد میں تشریف لائے، پھر دونوں منبر پر چڑھ گئے اور عمر رضی اللہ عنہ نے بہت گڑگڑا کر اپنی ہتھیلیاں اپنے رب کی طرف یہ کہتے ہوئے بلند کیں: ''اے اللہ! ہم تیری بارگاہ میں اپنے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کے چچا کو لے کر حاضر ہوئے ہیں۔ ہمیں مایوس نہ کر۔ اے اللہ! ہمیں بارش عطا فرما۔'' پھر عباس رضی اللہ عنہ آگے بڑھے اور حمد و ثنا کے بعد اللہ تعالیٰ کے حضور یہ دعا کی:

''اے اللہ! تو بادلوں اور پانیوں کا مالک ہے۔ ان بادلوں کو پھیلا دے، ان کے ذریعے ہم پر پانی نازل فرما، مردہ زمین کو ہرا بھرا کر دے، اس پانی کے ذریعے مویشیوں کے تھنوں کو دودھ سے بھر دے۔ اے اللہ! ہم جانتے ہیں کہ یہ مصیبتیں گناہوں کی وجہ سے آتی ہیں اور گناہوں سے توبہ کرنے پر تو

مصیبتوں کو دور فرما دیتا ہے۔ اے اللہ! ہم تجھ سے بخشش طلب کرتے ہیں، ہمارے گناہوں کو معاف فرما اور ہم پر بارش نازل فرما۔

اے اللہ! ہم کو پرسکون اور نفع مند پانی پلا، اے اللہ! ہم صرف تجھی سے اُمید رکھتے ہیں، تیرے سوا کسی کو نہیں پکارتے، اے اللہ! اپنی پریشانی، بھوک اور کمزوری کی تجھ ہی سے شکایت کرتے ہیں۔ اے اللہ! اپنی رحمت سے پریشان حال لوگوں کی مدد فرما، اس سے پہلے کہ یہ لوگ لکڑی بن جائیں اور ہلاک ہو جائیں۔ یقیناً تیری رحمت سے کافر قوم ہی نا اُمید ہوتی ہے۔''

اللہ تعالیٰ نے اس دعا کو قبول کر لیا اور دیکھتے ہی دیکھتے آسمان پر پہاڑوں کی طرح بادل اُمڈ آئے اور موسلا دھار بارش شروع ہوگئی یہاں تک کہ نشیب ٹیلوں کے برابر ہو گئے، زمین سرسبز و شاداب ہوگئی اور لوگ عباس رضی اللہ عنہ کی طرف یہ کہتے ہوئے بڑھے:

''اے حرمین کے ساقی! تجھے مبارک ہو۔''[1]

شاعر رسول صلی اللہ علیہ وسلم حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ نے اس موقع پر اشعار کہے جن کا ترجمہ یہ ہے:

''امیر المومنین نے لوگوں کی خشک سالی اور تنگی کا ماجرا سنایا تو اللہ نے عباس کے ذریعے بارش برسائی کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے عصبہ میں یہی تھے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس کام میں وارث بنے۔ عباس رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا ہی نہیں تھے بلکہ باپ کی طرح تھے۔ اس بارش نے مرجھائے ہوئے شہروں کو شگفتہ کر دیا، مدتوں بعد مردہ زمین پھر سرسبز و شاداب ہوگئی۔''[2]

[1] الاستيعاب في معرفة الأصحاب: 815/2. [2] الاستيعاب في معرفة الأصحاب: 815/2.

عباس رضی اللہ عنہ جب تک زندہ رہے لوگوں کی نظر میں نہایت محترم رہے۔ ابن ابی زیاد رضی اللہ عنہ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں، وہ بیان کرتے ہیں:

عباس رضی اللہ عنہ جب بھی سیدنا عمر اور عثمان رضی اللہ عنہما کے پاس سے گزرتے اگر وہ دونوں سوار ہوتے تو ان کے احترام میں اتر پڑتے حتی کہ عباس رضی اللہ عنہ گزر جاتے تھے۔ وہ کہتے تھے کہ عباس رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا ہی نہیں بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے باپ کی طرح ہیں اس لیے ہم ان کا احترام کرتے ہیں۔

ہر چیز کا ایک وقت مقرر ہے، ہر ابتدا کے لیے ایک انتہا ہے، ہر مکشوف کے لیے حجاب ہے اور ہر اجل کے لیے وقت مقرر ہے۔

عباس رضی اللہ عنہ کو موت نے آلیا، وہ اس فانی دنیا کو چھوڑ کر اپنے مالکِ حقیقی سے جا ملے۔ آپ رضی اللہ عنہ کی وفات بروز جمعہ 12 رجب 32 ہجری میں ہوئی۔ آپ رضی اللہ عنہ کو بقیع میں دفن کیا گیا۔ ان کی عمر 88 برس تھی۔

اللہ تعالیٰ ان پر ہمیشہ اپنے فضل و رحمت کی گھٹا برسائے، انھوں نے اسلام اور مسلمانوں کی بھلائی کے لیے اپنا تن من دھن سب کچھ قربان کر دیا۔



اسباب نزول آیات

بدر کے دن عباس رضی اللہ عنہ قیدی بنا لیے گئے، انھیں ابوالیسر کعب بن عمرو رضی اللہ عنہ نے قید کیا تھا۔ مؤرخین ابوالیسر رضی اللہ عنہ کے بارے میں لکھتے ہیں کہ وہ دبلے پتلے بازوؤں اور کمزور جسم والا شخص تھا، جبکہ عباس رضی اللہ عنہ بہت طاقتور جسم کے مالک تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے ابوالیسر رضی اللہ عنہ سے پوچھا: ''اے ابوالیسر! تُو نے عباس رضی اللہ عنہ کو کیسے قید کرلیا؟'' اس نے کہا: یا رسول اللہ! ان کو قید کرنے میں ایک ایسے آدمی نے میری مدد کی کہ جسے پہلے میں نے کبھی نہ دیکھا تھا اور شاید اب بھی وہ مجھے نظر نہ آسکے۔ پھر ابوالیسر نے اس آدمی کی حالت اور حلیہ بیان کیا کہ وہ اس نین نقش اور ایسے ڈیل ڈول کا آدمی تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''یقیناً تیری اس کام میں ایک معزز فرشتے نے مدد کی ہے۔''[1]

جب عباس رضی اللہ عنہ قیدی بن کر آئے تو انھوں نے سب سے پہلے رسول اللہ ﷺ کے متعلق سوال کیا اور ابوالیسر سے پوچھا: کیا محمد (ﷺ) نے آپ کو میرے قتل کا حکم نہیں دیا تھا؟ ابوالیسر نے کہا: رسول اللہ ﷺ نے آپ کو قتل کرنے سے منع فرمایا تھا۔ عباس رضی اللہ عنہ نے کہا کہ یہ محمد (ﷺ) کی کوئی پہلی نیکی اور صلہ رحمی نہیں ہے۔ پھر انھوں

[1] الطبقات لابن سعد: 4/12.

نے کہا: اللہ تعالیٰ کے سوا ہر چیز میں خلل موجود ہے۔ بتا تو اب مجھ سے کیا چاہتا ہے؟
ابوالیسر نے کہا: اللہ ہر چیز سے زیادہ عزت والا اور مددگار ہے۔

عباس رضی اللہ عنہ کو بھی دوسرے قیدیوں کے ساتھ رسیوں سے جکڑ دیا گیا۔ وہ اپنے جکڑے جانے کی وجہ سے بہت پریشان ہوئے، حتیٰ کہ رونے لگے اور ان کے رونے کی آواز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک کانوں تک جا پہنچی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کا گریہ سن کر بے حد قلق ہوا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نیند اڑ گئی۔

بعض صحابہ رضی اللہ عنہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں موجود تھے۔ انھوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اچانک بیدار ہوتے دیکھا تو پوچھا: اے اللہ کے نبی! آپ کو کس چیز نے بیدار کر دیا ہے؟

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''عباس کے رونے کی آواز نے مجھے بے چین کر دیا ہے۔''
ایک آدمی کھڑا ہوا اور اس نے عباس رضی اللہ عنہ کی بندشیں ڈھیلی کر دیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''مجھے عباس رضی اللہ عنہ کے رونے کی آواز کیوں نہیں سنائی دے رہی؟'' ایک آدمی نے کہا: یا رسول اللہ! میں نے اس کی جکڑ بندی کچھ ڈھیلی کر دی ہے۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''باقی تمام قیدیوں کے ساتھ بھی ایسا ہی سلوک کرو۔'' صبح کے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے قیدیوں کو پیش کیا گیا۔ جب آپ چلتے ہوئے عباس رضی اللہ عنہ کے پاس آئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''اے عباس! آپ اپنے بھتیجے عقیل بن ابی طالب، نوفل بن حارث اور اپنے حلیف عتبہ بن عمرو بن ربیعہ کا فدیہ دیجیے، یقیناً آپ مال دار شخص ہیں۔''

عباس رضی اللہ عنہ نے کہا: یا رسول اللہ! میں تو پہلے ہی مسلمان تھا لیکن قوم نے مجھے مجبور کر دیا۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”اللہ تعالیٰ آپ کے اسلام لانے کو خوب جانتا ہے۔ آپ جو کچھ کہہ رہے ہیں اگر یہ حق ہے تو اللہ آپ کو اس کا اچھا بدلہ دے گا اور اگر آپ کا معاملہ ظاہر ہو گیا تو آپ کا فدیہ ادا کرنا ہمارے ذمے ہو گا۔“

تاریخی روایات میں اس کا ذکر ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ان سے سونے کے بیس اوقیے لیے تھے۔ اور عباس رضی اللہ عنہ نے کہا: یا رسول اللہ! اسے میرا فدیہ شمار کیجیے۔

آپ ﷺ نے فرمایا: ”نہیں، یہ تو اللہ نے ہمیں آپ کے ذریعے مالِ غنیمت عطا کیا ہے۔“

انھوں نے کہا: میرے پاس اور مال نہیں ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ”آپ کا وہ مال کہاں ہے جو آپ نے مکہ سے نکلتے وقت رکھا تھا اور ام فضل بنت حارث سے آپ نے کہا تھا: مجھے معلوم نہیں کہ مجھے اس طرف سے کچھ پہنچے گا، سو یہ تیرے لیے اور عبداللہ، عبید اللہ اور قثم کے لیے ہے۔“

عباس رضی اللہ عنہ نے پوچھا: آپ کو یہ بات کس نے بتائی ہے؟ اللہ کی قسم! اس بات کا میرے اور اس کے علاوہ کسی کو علم نہیں تھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ”مجھے اس بات کی خبر اللہ نے دی ہے۔“

عباس رضی اللہ عنہ نے یہ سن کر فوراً کہا: میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں اور یقیناً آپ اللہ کے سچے رسول ہیں۔ بلاشبہ آپ سچے ہیں اور اللہ کا یہ فرمان بھی سچ ہے:

﴿ إِن يَعْلَمِ اللَّهُ فِي قُلُوبِكُمْ خَيْرًا يُؤْتِكُمْ خَيْرًا مِّمَّا أُخِذَ مِنكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ۗ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ۝ ﴾

"اگر اللہ تمھارے دلوں میں کوئی بھلائی پائے گا تو تمھیں اس (فدیے) سے کہیں بہتر دے گا جو تم سے لیا گیا ہے اور تمھیں بخش دے گا اور اللہ تعالیٰ بے حد بخشنے والا، نہایت رحم والا ہے۔"[1]

عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: یقیناً اللہ تعالیٰ نے مجھ سے خیر کا جو وعدہ کیا وہ سچ ثابت ہوا۔ اس نے مجھے بیس اوقیہ کے بدلے بیس غلام دیے اور میں اپنے رب کی طرف سے مغفرت کی امید رکھتا ہوں۔[2]

آخر ان کے پاس اتنا مال کہاں سے آیا جس سے انھوں نے بیس غلام خرید لیے؟ کیا ان کے پاس اپنا اور مال بھی موجود تھا جس سے وہ تجارت کرتے؟

ابن سعد اپنی کتاب الطبقات الکبریٰ میں ذکر کرتے ہیں کہ علاء بن حضرمی نے بحرین سے بہت زیادہ مال بھیجا، اس سے زیادہ مال رسول اللہ ﷺ کے پاس پہلے کبھی نہیں آیا تھا۔ آپ ﷺ کے حکم پر اسے چٹائی پر بچھا دیا گیا، نماز کے لیے اذان دی گئی، آپ تشریف لائے۔ لوگوں نے جب دیکھا کہ آپ ﷺ کے پاس مال آیا ہے تو وہ کثیر تعداد میں اکٹھے ہو گئے۔ آپ ﷺ لوگوں کو ناپ تول کر نہیں بلکہ فراخدلی سے کھلا مال دے رہے تھے۔ عباس رضی اللہ عنہ بھی تشریف لائے، انھوں نے کہا: اے اللہ کے رسول! بدر کے دن میں نے اپنا اور عقیل بن ابوطالب کا فدیہ بھی دیا تھا، لہٰذا مجھے اس کا مال بھی دیجیے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "اے عباس! جتنا مال اٹھا سکتے ہو، لے جاؤ۔"

عباس رضی اللہ عنہ اپنی چادر بچھا کر مال ڈالنے لگے، جب چادر بھر گئی اور مال اٹھانے لگے

[1] الأنفال 8:70. [2] مجمع الزوائد: 8/7، و المستدرك للحاكم: 3/324، والدر المنثور: 3/204.

تو ان سے اٹھایا نہ گیا، کہنے لگے: اے اللہ کے رسول! اب یہ سامان اٹھوایئے۔ رسول اللہ ﷺ چچا کی یہ حالت دیکھ کر مسکرا پڑے، اتنا مسکرائے کہ آپ ﷺ کی داڑھیں نظر آنے لگیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''جتنا اٹھا سکتے ہو اٹھا لو باقی نکال دو۔''

انھوں نے ایسا ہی کیا۔ اور پھر فرمایا کہ اللہ نے ہمارے ساتھ دو وعدے کیے تھے، ان میں سے ایک کو پورا کر دیا ہے، اب مجھے معلوم نہیں کہ دوسرے کے بارے میں وہ کیا کرے گا۔ [1]

[1] الطبقات لابن سعد: 16/4



تتمّہ

عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ ان چند بزرگوں میں سے ایک تھے جن کا اسلام کے جھنڈے کو بلند کرنے اور اس کی ہدایت کو پھیلانے میں بہت اہم کردار تھا۔ یقیناً ان کی زندگی ہمت و استقلال کا نمونہ تھی، وہ بڑے بڑے معاملات پر غور کرتے تھے۔ ان کی آواز نہایت مشکل معاملے کے وقت بڑے بڑے ایوانوں میں سنی جاتی تھی۔

ان کی چند باتوں اور آراء کو تاریخ نے سنہرے حروف میں نقل کیا ہے۔ بیعت عقبہ کبریٰ کے موقع پر ان کی رائے اور مؤقف بہت مضبوط تھا۔ انھوں نے اپنی قوم کی بڑی حکمت، دانائی اور روشن ذہن کے ساتھ نمائندگی کی تھی۔ انھوں نے اپنے بھتیجے محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور عربوں کے مؤقف سے بھی لوگوں کو آگاہ کیا، انھوں نے محمدی مؤقف اور دعوت کو قبول کرنے کے بعد آنے والی پریشانیوں کا تذکرہ بھی کیا کہ جس نے بھی اس دعوت کو قبول کیا ہے وہ کڑی آزمائشوں سے دوچار ہوا ہے، اس سے مال و دولت چھین لیا گیا ہے، مفلسی کی زندگی جینے پر مجبور کیا گیا ہے، انھیں ان کے نفسوں اور اہل و عیال کی طرف سے بھی پریشان کیا گیا ہے۔ ہاں! انھوں نے بہت وضاحت سے بتا دیا کہ یہ بات بھی یاد رکھیں کہ عرب محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کی نئی دعوت کو کسی صورت برداشت نہیں

کریں گے سوائے اس کے کہ تم ان پر غلبہ حاصل کرلو۔

عباس رضی اللہ عنہ کی رائے ہمیشہ لوگوں کی بھلائی اور ان کی طبیعتوں کے مطابق ہوتی تھی ان کا موقف ایک ایسے جنگجو شہسوار جیسا ہوتا تھا جو تلواروں کی جھنکار اور شہسواروں کی یلغار میں اپنے لشکر کے متعلق فیصلہ کرتا ہے۔

سیدنا عباس رضی اللہ عنہ انصار مدینہ کے ساتھ ہونے والے مکالمہ سے مطمئن ہوئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مدینہ کی طرف ہجرت کرنے کا عندیہ دے دیا کہ یہ لوگ آپ کو کبھی ضائع نہیں ہونے دیں گے۔

پھر انھوں نے اپنے عظمت مآب بھتیجے کا ہاتھ انصار کے ہاتھ میں دے کر اس پر اللہ کو گواہ بنایا۔ پھر انصار سے بیعت لی اور آخر میں اپنے رب سے اس بیعت کی کامیابی کے لیے دعا کی۔

جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ کی طرف ہجرت کی تو عباس رضی اللہ عنہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے آنے کے متعلق مشورہ طلب کیا تا کہ وہ بھی ہجرت کر کے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچ جائیں۔ لیکن نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں مکہ ہی میں ٹھہرنے کا مشورہ دیا تا کہ وہ ایک بڑی مہم سر کر سکیں اور ایک بہت بڑی ذمہ داری نبھا سکیں، انھیں یہ فرض سونپا گیا کہ وہ مکہ میں رہ کر ان کمزور مسلمانوں کی مدد کریں جن کی ہجرت کے درمیان سنگین حالات حائل ہو گئے تھے۔

عباس رضی اللہ عنہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی اطاعت کی اور مکہ میں اس مومن جماعت کے ساتھ ٹھہرے رہے جنھوں نے ہجرت نہیں کی تھی۔ آپ رضی اللہ عنہ کمزور مسلمانوں کی مدد کرتے تھے، ان کو سہارا دیتے تھے، جو لوگ مقروض تھے ان کے قرضے اتارنے کی

کوشش کرتے تھے اور جو مدینہ کی طرف ہجرت کا ارادہ رکھتا تھا اسے سواری مہیا کرتے تھے۔ ان سب کاموں کے ساتھ ساتھ آپ رضی اللہ عنہ قریش کی نقل وحرکت اور ان سکیموں پر کڑی نظر رکھتے تھے جو وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کے خلاف کرتے تھے، وہ یہ ساری باتیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب تک پہنچاتے تھے تاکہ انجانے میں ان پر کوئی مصیبت نہ ٹوٹ پڑے۔

عباس رضی اللہ عنہ نے یہ کام اس وقت کیا جب دعوتِ اسلام کی ابتدا تھی اور اسلام مشکلات میں گھرا ہوا تھا۔ آج بھی امت اسلامیہ ایک نئے عباس کی محتاج ہے کہ جو امت مسلمہ کو خود دار بنائے اور ان کے قرضے اتار کر انھیں اپنے پاؤں پر کھڑا ہونے کا درس دے۔ آج کفر و الحاد کی فکری یلغار ہو رہی ہے، صلیبی وصہیونی قوتیں دن بدن مسلمانوں کے خلاف اپنا دائرہ کار وسیع کر رہی ہیں، یقیناً آج عباس رضی اللہ عنہ جیسے جری لیڈر کی ضرورت ہے جو طاغوتی طاقتوں کے سامنے بندھ باندھ سکے اور ملت اسلامیہ کی رگوں میں اسلامی غیرت کی بجلیاں بھر دے۔

امت اسلامیہ ایسے ہی شیر دل جوان کی محتاج ہے کہ جو مسلمانوں کے حالات اور پریشانیوں کو مسلم قیادت کے علم میں لائے تاکہ بصیرت والی مسلم قیادت مسلمانوں کو کشمیر، افغانستان، برما، صومالیہ، فلسطین، موریطانیہ، جزر القمر، حبشہ اور فلپائن میں صہیونی اور صلیبی سازشوں سے بچائے۔

وہ نیا عباس کب آئے گا؟ جو مسلمانوں کی عزت کو سرعام نیلام ہونے سے بچائے اور ان کی اولاد کو مارکس اور لینن کے الحاد سے بچائے۔ ڈارون اور فرائڈ کے گمراہ کن نظریات سے محفوظ رکھے، عالم اسلام کے حکمرانوں کی دولت کی ہوس سے ہٹا کر خود داری

کے ساتھ جینے کا سبق سکھائے اور مسلم ممالک کو غیر مسلموں کی سازشوں سے بچانے کے لیے اہم کردار ادا کرے۔ اے غور وفکر کرنے اور عقل رکھنے والو! کیا تم میں کوئی بھی عباس رضی اللہ عنہ کی سوچ رکھنے والا نہیں ہے؟

مکہ میں قریش کے ظلم وستم سے مسلمانوں کی حفاظت کرنے میں عباس رضی اللہ عنہ کا عظیم کردار ہے جسے تاریخ نے سنہرے حروف میں محفوظ کرلیا ہے۔ یقیناً مکہ کی فتح میں بھی ان کا کردار بہت عظیم تھا، انھوں نے اپنی آراء سے لوگوں کو جنگ سے روکے رکھا اور عرب کے طاقتوروں کو ایسی جنگ سے بچایا جو ان کے بہادروں اور سالاروں کو ختم کرنے کے علاوہ اس جماعت کا بھی نقصان کرسکتی تھی جو اللہ کے دین کو دنیا پر غالب کرنے کا عزم کیے ہوئے تھی۔ اور ان کو رجالِ کار کی اشد ضرورت تھی۔

اللہ کے دین کو دنیا پر غالب کرنے کا عزم لیے ہوئے یہ محمدی لشکر جب مکہ میں داخل ہوا قریش کے سردار ابوسفیان کے جتھے کے ساتھ ان کا مقابلہ ہوا تو وہ دیکھتے ہی دیکھتے منتشر ہوگیا۔ مسلمان بہت بڑے لشکر کے ساتھ مکہ میں داخل ہو رہے تھے قریش پر اتنے بڑے لشکر کی ہیبت طاری ہوگئی اور وہ منتشر ہو گئے۔ ابوسفیان بھاگتا ہوا ایک ٹیلے پر جا کھڑا ہوا اور مسلمانوں کے عظیم الشان لشکر کا مشاہدہ کرنے لگا۔ وہ لشکر تیز قدموں سے مکہ کی طرف بڑھ رہا تھا اور کیل کانٹے سے لیس تھا، ان کی آنکھوں میں ایمان کی چمک تھی اور ان کے سینے عزم ویقین کی قوت سے تنے ہوئے تھے۔

تھوڑی دیر لشکر کا مشاہدہ کرنے کے بعد ابوسفیان جلدی سے ٹیلے سے اترا، بھاگتا ہوا مکہ میں داخل ہوگیا اور زور دار آواز میں چلانے لگا: اے قریش کی جماعت! محمد (ﷺ) اپنے ساتھ اتنا بڑا لشکر لے کر آ رہے ہیں جس کا مقابلہ کرنا تمھارے بس کی

بات نہیں۔ ایک عورت نے ابوسفیان کی بات سنی تو وہ دوڑتی ہوئی اس تک پہنچی۔ اس کے کئی رشتے دار مسلمانوں کے خلاف جنگوں میں مارے گئے تھے۔ یہ عورت ابوسفیان سے لڑنے لگی کہ تم لوگوں کو بزدلی کا سبق دے رہے ہو۔ ابوسفیان نے اس عورت پر سختی کی اور پھر زور سے پکارنے لگا:

اے لوگو! تمھیں یہ عورت دھوکے میں نہ ڈال دے یقیناً محمد (ﷺ) ایک ایسے لشکر کے ساتھ آئے ہیں جس کا سامنا نہیں کیا جا سکتا۔ مجمعے سے ایک اور آواز بلند ہوئی، لوگ اس کی طرف متوجہ ہوئے، وہ مدینہ سے آئے ہوئے لشکر کا مجاہد لگتا تھا۔

وہ مجمعے کو الگ الگ کر رہا تھا اور کہہ رہا تھا کہ جو شخص ابوسفیان کے گھر میں داخل ہو گیا وہ امن والا ہے جس نے اپنے گھر میں داخل ہو کر دروازہ بند کر لیا وہ بھی امن والا ہے۔ اور جو مسجد میں داخل ہو گیا وہ بھی امن والا ہے۔ لوگ اپنے گھروں اور مسجد کی طرف جانے لگے۔ اللہ تعالیٰ کا کیا ہوا وعدہ پورا ہو گیا اور اہلِ مکہ نے اپنے دروازے اسلام کے جانبازوں کے لیے کھول دیے۔

بیت اللہ میں موجود 360 بتوں کو توڑ دیا گیا اور اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان سچ ثابت ہوا:

﴿ اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِيْنًا ۝ لِّيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْۢبِكَ وَمَا تَاَخَّرَ وَيُتِمَّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكَ وَيَهْدِيَكَ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا ۝ وَّيَنْصُرَكَ اللّٰهُ نَصْرًا عَزِيْزًا ۝ ﴾

"(اے نبی!) بلاشبہ ہم نے آپ کو فتح مبین دی۔ تاکہ اللہ آپ کے لیے آپ کی اگلی پچھلی ہر غلطی معاف کر دے، اور آپ پر اپنی نعمت پوری کرے، اور آپ کو صراط مستقیم کی ہدایت دے۔ (تاکہ) اللہ آپ کی بڑی زبردست مدد

کرے۔‘‘[1]

اے اہل قرآن!

عباس بن عبدالمطلب جیسے تمھارے بیٹے کہاں گئے؟

یقیناً انسانیت کو ان جیسے جوانوں کی اشد ضرورت ہے اور ملت اسلامیہ ایسے مجاہدوں کی راہ تک رہی ہے۔ ہم ان کو افق پر آتے ہوئے کب دیکھیں گے؟

[1] الفتح 48:1-3۔



آج کے اس پرفتن دور میں جبکہ نوجوان نسل بتدریج اسلام سے دور ہو رہی ہے، اس بات کی اشد ضرورت ہے کہ ہم اپنے نوجوانوں کو اپنے اسلاف کی سیرت پڑھائیں، نوجوان نسل کو بتائیں کہ ان کے اخلاق و کردار کیسے تھے اور انھوں نے اسلام کے لیے کتنی قربانیاں پیش کیں۔

”رجالِ قرآن“ کے فاضل مؤلف ڈاکٹر عبدالرحمٰن عمیرہ کا اسلوب بیان بڑا عمدہ ہے۔ انھوں نے بالکل کہانی کے انداز میں ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی سیرت اس کتاب میں بیان کی ہے جن کے بارے میں قرآن کریم میں آیات نازل ہوئی ہیں۔ انھوں نے اس کتاب میں صحابہ کرام ہی نہیں بلکہ ان کفار اور منافقین کے بارے میں بھی پوری تفصیل کے ساتھ لکھا ہے جن کے بارے میں قرآن نازل ہوا، کتاب میں موجود واقعات تاریخ کی مستند کتابوں سے نقل کیے گئے ہیں۔ ان واقعات اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی مبارک زندگیوں میں ہمارے لیے دروس ہیں۔

9 786035 002790

دارالسلام
کتاب و سنت کی اشاعت کا عالمی ادارہ